BLACK WATER BLAC

بلیک واٹر

بلیک واٹر (پرائیویٹ آرمی) سے دنیا کو لاحق خطرات پر امریکی دانشور کی تہلکہ خیز تحقیق

مصنف

جیریمی سکاہل

ترجمہ: رانا نوید اقبال ۔ نجم پرویز ایڈووکیٹ

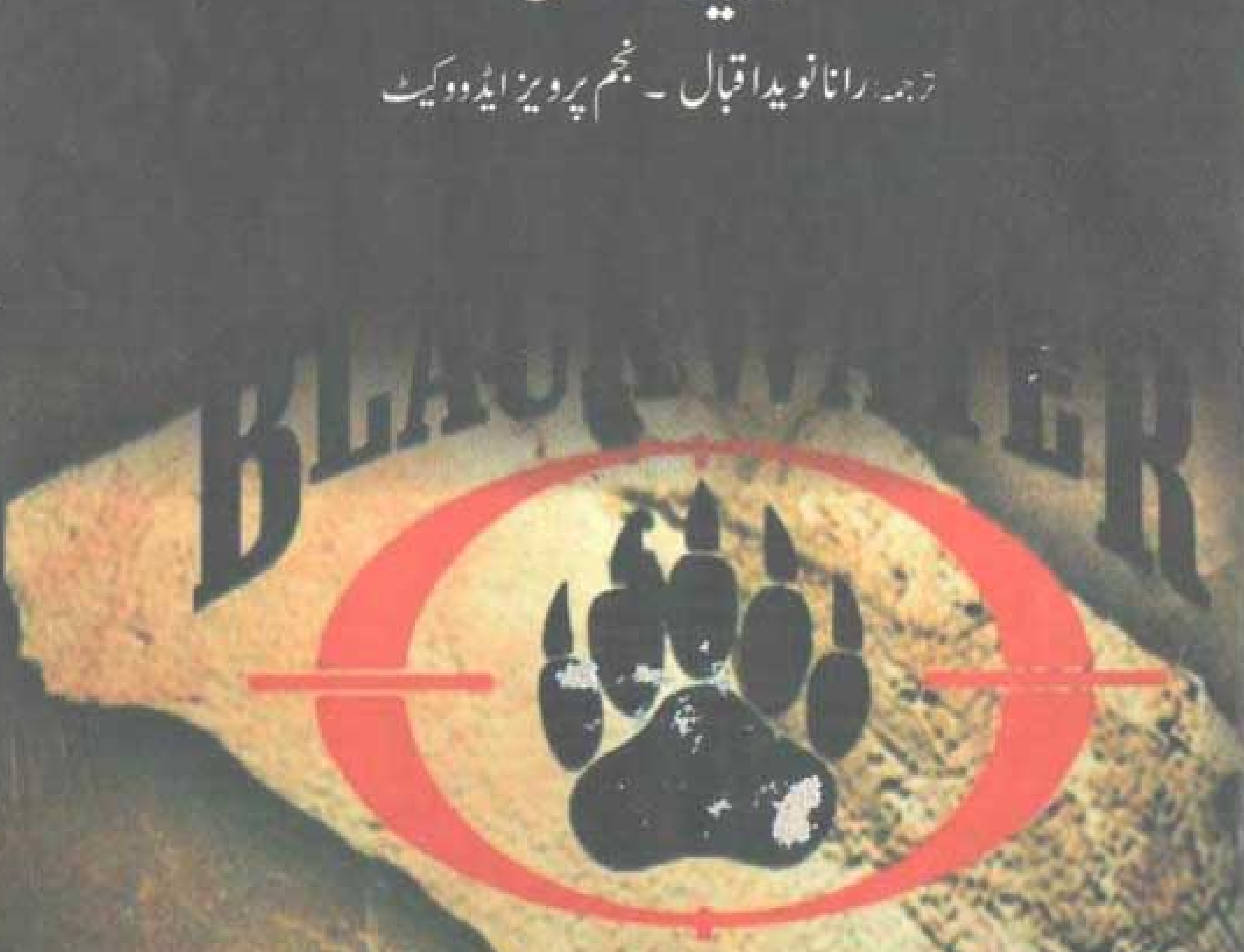

کچھ مصنف کے بارے میں

جیریمی سکاہل 1974ء میں امریکہ میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک تحقیقی صحافی اور مصنف ہیں جن کا زیادہ تر کام عالمی امور اور خاص کر نجی عسکری کمپنیوں پر ہے۔ وہ تیزی سے فروخت ہونے والی کتاب "بلیک واٹر" کے مصنف ہیں جسے جارج پوک (George Polk) بک ایوارڈ ملا ہے۔ یہ کتاب کئی اور اعزازات سے بھی نوازی جا چکی ہے۔ جن میں آلٹرنیٹ بیسٹ بک آف دی ایئر ایوارڈ (Alternet Best Book of the Year Award) اور امازون (Amazon) کی بہترین غیر افسانوی کتب برائے سال 2007 میں شمولیت کا اعزاز شامل ہے۔ کتاب کے مصنف جیریمی سکاہل امریکی ریڈیو اور ٹی وی پروگرام "ڈیموکریسی ناؤ (Democracy Now)"
کے نامہ نگار بھی ہیں اور اخبار "دی نیشن" میں بھی اکثر لکھتے رہتے ہیں۔

جیریمی سکاہل مقبوضہ عراق، سابقہ یوگوسلاویہ (جہاں سے انہوں نے 1999 کی نیٹو کی بمباری کو رپورٹ کیا) اور امریکی ریاست لوزیانا (Louisiana) سے سمندری طوفان قطرینہ کے بعد کے حالات پر رپورٹنگ کرتے رہے ہیں۔ وہ نجی عسکری ٹھیکیداروں، بالخصوص بلیک واٹر کے زبردست نقاد ہیں۔ سکاہل اے۔ بی۔ سی ورلڈ نیوز (ABC World news)، سی۔ بی۔ ایس ایوننگ نیوز (CBS Evening News)، این۔ بی۔ سی نائٹلی نیوز (NBC Nightly News)، سی این این وغیرہ میں بلائے جاتے رہے ہیں۔ انہوں نے دو مرتبہ کانگریس کے سامنے پیش ہو کر امریکی حکومت کے کرائے کے فوجیوں کو استعمال کرنے کی بابت اپنا بیان دیا ہے ان کی ویب سائٹ ہے

(http://www.huffingtonpost.com/Jeremy-Scahill)

عرضِ مصنف

میرے ساتھی گیرٹ آرڈور (Garrett Ordower) کی انتھک کاوشوں کے بغیر یہ کتاب تخلیق نہ ہو پاتی۔ گیرٹ ایک قابلِ ذکر تحقیقی صحافی ہیں جنہوں نے معلومات تک آزادانہ رسائی کے قانون کے تحت حصول معلومات کی درخواستیں دائر کرنے' پیچیدہ شخصیات اور واقعات کی تحقیق کرنے' حقائق کو کھوجنے اور متعلقہ لوگوں کا انٹرویو کرنے میں بیشمار وقت صرف کیا۔ اس کتاب کے کئی ایک ابواب کے ابتدائی ڈرافٹ بھی انہوں نے بڑی محنت اور لگن سے لکھے۔ گیرٹ کی اس کتاب کے لیے مخلصانہ و ماہرانہ کاوشوں اور حقائق سے پردہ اٹھانے کی پرعزم کوششوں کی وجہ سے میں ہمیشہ ان کا احسان مند رہوں گا۔ یہ کتاب جتنی میری ہے اتنی ہی گیرٹ کی بھی ہے۔ میں گیرٹ کے آنے والے صحافتی اور قانونی منصوبوں کا منتظر ہوں اور آئندہ بھی ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کو اپنی عزت افزائی سمجھوں گا۔

میں اپنے قارئین کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ بلیک واٹر کے عہدیداروں نے مجھے انٹرویو دینے سے انکار کر دیا تھا۔ بلیک واٹر کے ایک ترجمان نے کمپنی میں دلچسپی لینے پر مجھے شکریہ کا خط لکھا جس میں کہا کہ کمپنی میری اس درخواست کو منظور نہیں کر سکتی جس میں مَیں نے کمپنی کے کرتا دھرتاؤں کے انٹرویو کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں ریلے نیوز اینڈ آبزرور (Releigh News and Observer) کے رپورٹروں جے پرائس (Jay Price) اور جوزف نیف (Joseph Neff) کا اور ورجینین پائلٹ (Virginian Pilot) کے بل سائز مور (Bill Sizemore) اور جون کمبرلن (Joanne Kimberlin) کا بھی ان کی ماہرانہ رپورٹنگ کے لئے احسان مند ہوں۔ ان رپورٹروں نے اپنی ماہرانہ رپورٹنگ سے بلیک واٹر اور نجی عسکری صنعت کی دھماکہ خیز ترقی کی تاریخ رقم کر کے عوام کی عظیم خدمت کی ہے۔ میرے شکریہ کے خصوصی مستحق لاس انجلیز ٹائم کے ٹی۔ کرسچین ملر اور واشنگٹن پوسٹ کے انتھونی شاہد اور راجیو چندراسکارن بھی ہیں۔ ان کے علاوہ میں مصنفوں پی۔ ڈبلیو سنگر اور رابرٹ ینگ پیلٹن کا بھی شکر گزار ہوں۔

ابتدائیہ

31 مارچ 2004ء کو صبح ساڑھے نو بجے جب وہ چار امریکی دو پیجارو جیپوں میں سوار مسجدوں کا شہر کہلانے والے عراقی شہر فلوجہ میں داخل ہوئے تو مرکزی شاہراہ تقریباً سنسان تھی۔ عام حالات میں یہ شاہراہ جہاں ریستوران، کیفے اور دوکانیں قطار در قطار واقع تھیں بہت پر رونق ہوتی ہے مگر اس روز علی الصبح ہونے والے دھماکے نے دوکانیں بند کرا دی تھیں۔ شہر میں داخل ہوتے ہی امریکی گاڑیوں کا قافلہ سست پڑ گیا تھا۔ غالباً انہیں سڑک پر کسی رکاوٹ کا سامنا تھا۔ گاڑیاں جیسے ہی رکیں عقبی جیپ پر ایک گرنیڈ آ کر گرا اور ساتھ ہی مشین گن سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ پیجارو کی ایک جانب سے گولیاں اندر داخل ہوئیں اور اس میں سوار امریکیوں کو شدید زخمی کر دیا۔ نقاب پوش عراقی مجاہدین گولیوں کی بارش کرتے ہوئے جیپ کی ونڈ شیلڈ کی طرف دوڑے۔ فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ کباب کی دوکان کے پاس کھڑے درجن بھر سے زائد نوجوان بھی وہاں آ گئے اور اس نعرے بازی میں شامل ہو گئے۔ یہ حالات دیکھ کر آگے والی جیپ نے فرار ہونے کی ناکام کوشش کی۔ اصل حملہ آور تو بغلی گلیوں میں غائب ہو گئے مگر جائے وقوعہ پر تین سو سے زائد افراد کا مجمع اکٹھا ہو چکا تھا۔ دونوں جیپوں کو نظر آتش کر دیا گیا تھا۔ مشتعل ہجوم نے جلی ہوئی لاشیں گھسیٹ کر باہر نکالیں اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ٹی وی کیمروں کے سامنے ایک نوجوان ایک کتبہ لئے کھڑا تھا جس میں ایک کھوپڑی اور دو ہڈیوں کی علامت کندہ تھی اور انگریزی میں درج تھا کہ "فلوجہ امریکیوں کا قبرستان ہے"۔ ہجوم نے امریکیوں کی سوختہ باقیات دریائے فرات کے پل پر لٹکا دیں۔ یہ منظر پوری دنیا کی ٹیلی ویژن اسکرینوں پر دکھایا گیا۔ ہزاروں میل دور، واشنگٹن ڈی۔سی میں صدر بش اپنی انتخابی ریلی سے مخاطب تھے "قاتلوں کا یہ گروہ ہمارے عزم کو آزما رہا ہے۔ امریکہ ان پیشہ ور قاتلوں سے ہرگز ڈرنے والا نہیں۔ ہم ان دہشت گردوں کو خود انہی کے ملک میں شکست دیں گے تا کہ ہمیں یہاں ان کا سامنا نہ کرنا پڑے"۔ اگلی صبح امریکی اخبارات کی عمومی شہ سرخی تھی۔ "عراقی ہجوم نے چار امریکی شہری ہلاک کر ڈالے"۔ اس واقعے کو صومالیہ میں ہونے والے اکتوبر 1993ء کے اس واقعے سے ملایا گیا جب موغادیشو میں باغیوں نے دو بلیک ہاک امریکی ہیلی کاپٹر مار گرائے تھے اور ہلاک ہونے والے اٹھارہ امریکی فوجیوں میں سے کچھ کی لاشوں کو گلیوں میں گھسیٹا تھا اور جس کے نتیجے میں امریکہ کو اپنی فوج وہاں سے واپس بلانی پڑی تھی۔ مگر صومالیہ کے برعکس فلوجہ میں ہلاک ہونے والے افراد امریکی مسلح افواج کے ارکان نہیں تھے۔ مگر وہ شہری باشندے بھی نہیں تھے جیسا کہ دعویٰ کیا گیا۔ وہ انتہائی تربیت یافتہ غیر سرکاری فوجی تھے جنہیں امریکی ریاست نارتھ کیرولینا کے ایک غیر آباد مقام میں واقع ایک خفیہ کرائے کے فوجیوں کی کمپنی نے عراق بھیجا تھا۔ اس کمپنی کا نام ہے "بلیک واٹر، یو۔ ایس اے"۔

پیش لفظ

10 ستمبر 2001ء تک دنیا ایک بالکل مختلف جگہ تھی۔ صدر جارج۔ ڈبلیو بش کے مقرر کردہ امریکی ڈیفنس سیکرٹری، ڈونلڈ رمزفیلڈ اپنی ابتدائی اہم تقاریر میں سے ایک کرنے کے لئے پینٹاگون میں پوڈیم کی طرف بڑھے۔ اکثر امریکی القاعدہ کا نام بھی نہ جانتے تھے اور صدام حسین ابھی تک عراق کا صدر تھا۔ صدر جیرالڈ فورڈ کے تحت رمزفیلڈ ایک بار پہلے بھی 1975 تا 1977ء امریکی حکومت کا حصہ رہ چکے تھے اور 2001ء میں اپنے مخصوص عزائم کے ساتھ دوبارہ شاملِ حکومت ہوئے تھے۔ بش انتظامیہ کے پہلے سال کے دوران ستمبر کے اس دن رمزفیلڈ کے مخاطب پینٹاگون کے وہ اہلکار تھے جو انتہائی مالیت رکھنے والے دفاعی ٹھیکوں کے امور کی نگرانی پر مامور تھے۔ یعنی ہالی برٹن، ڈائن کارپس اور بیکٹلز (Bechtols) جیسے اداروں کا انتظام۔ سیکرٹری دفاع کے مخاطبین اس روز اینرون (Enron) نارتھراپ گرمان (Northrop Grumman) جنرل ڈائنامکس (General Dynamics) اور ایرو اسپیس کارپوریشن (Aerospace Corporation) کے وہ سابقہ اعلیٰ افسران تھے جنہیں رمزفیلڈ نے اپنے چیدہ نائبین کے طور پر مقرر کیا تھا۔ اس نے تقریر اس اعلانِ جنگ سے شروع کی۔

> ''آج کی تقریر کا موضوع ہے ایک ایسا دشمن جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سیکورٹی کے لئے سنگین خطرہ ہے''۔ رمزفیلڈ نے گرجتے ہوئے کہا۔ ''یہ دشمن مرکزی منصوبہ بندی کے آخری حامیوں میں سے ہے۔ یہ پانچ سالہ منصوبوں کے ذریعے کام کرتا ہے۔ یہ ساری دنیا پر اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتا ہے یہ سوچ کی آزادی اور نئے خیالات کو بڑی سفاکی سے ختم کر ڈالتا ہے۔ یہ ریاست ہائے متحدہ کے دفاع میں رخنہ ڈالتا ہے اور ہمارے باوردی مرد و خواتین کی زندگیوں کے لئے خطرے کا باعث ہے۔''

اپنی تقریر کے ڈرامائی اثرات کا جائزہ لینے کے لئے ایک مختصر وقفہ کرنے کے بعد رمزفیلڈ دوبارہ مخاطب ہوا۔

''شاید آپ کو یہ دشمن سابقہ سوویت یونین جیسا لگتا ہو مگر وہ تو ختم ہو چکا ہے۔ آج ہمارا دشمن وہ ہے جسے نہ سمجھنا آسان ہے اور نہ ہی رام کرنا۔ شاید آپ یہ سمجھیں کہ میں دنیا کے غروب ہوتے آمروں میں سے کسی کا ذکر کر رہا ہوں۔ نہیں، ان کے دن تو گنے جا چکے ہیں اور ان کی طاقت تو اس دشمن کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ دشمن تو ہمارے نزدیک ہی ہے۔ یہ ہے پینٹا گون کی افسر شاہی''۔۔۔ رمز فیلڈ نے زور دیا کہ پینٹا گون کو چلانے کا انداز بالکل بدل دیا جائے۔ اسے ڈپارٹمنٹ آف ڈیفنس کے افسر شاہی کے طریقوں کے بجائے نجی شعبہ کے انداز پر چلایا جائے۔ رمز فیلڈ نے کہا'' مسئلہ یہ ہے کہ نا اہلی کے باعث کاروبار تو ختم ہو سکتا ہے مگر حکومت کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا لہٰذا افسر شاہی میں بہتری لانے کیلئے ہمیں کاروباری قسم کی ترغیبات دینا ہوں گی''۔ ''یہ ہر امریکی کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے''۔

اس دن رمز فیلڈ نے امریکی جنگوں میں نجی شعبے کو ایک بڑا کردار سونپنے کے آغاز کا اعلان کیا اور پیش بینی کی کہ اسے شدید مزاحمت کا سامنا ہوگا۔ اس نے کہا'' کچھ لوگ تعجب کریں گے کہ رمز فیلڈ پینٹا گون کے لوگوں کی موجودگی میں ان پر ایسا حملہ کیسے کر سکتا ہے''۔ ایسے لوگوں کے لئے میرا جواب ہے کہ'' میرا پینٹا گون پر حملے کا کوئی ارادہ نہیں، میں تو اسے آزاد کرنا چاہتا ہوں' ہمیں پینٹا گون کو پینٹا گون سے بچانا ہوگا''۔

اگلی صبح پینٹا گون پر امریکن ایئر لائن کی پرواز نمبر 77 کا بوئینگ 757 آ ٹکرایا اور اس کی مغربی دیوار میں گھس گیا۔ رمز فیلڈ نے ملبے سے لوگوں کو نکالنے میں امدادی کارروائیاں کرنے والے عملے کی مدد کر کے بڑی شہرت حاصل کی۔ مگر جنگی حکمت عملی میں شاطرانہ چالیں چلنے والے رمز فیلڈ نے 9/11 جیسے غیر متوقع موقع سے فائدہ اٹھانے میں دیر نہیں لگائی۔ اس نے اپنے ایک دن پہلے پیش کردہ منصوبے پر بڑی سرعت سے عمل درآمد شروع کر دیا۔ دُنیا مستقلاً بدل چکی تھی اور اس واقعے نے دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا مستقبل ایک خالی کینوس کی طرح رمز فیلڈ اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ میں دے دیا تھا کہ وہ جیسے چاہیں اس طاقت کی نئی صورت گری کریں۔ پینٹا گون کی نئی پالیسی یہ تھی کہ نجی شعبے، خفیہ کارروائیوں اور جدید ترین ہتھیاروں پر زیادہ انحصار کیا جائے اور خصوصی افواج اور ٹھیکیداروں کا زیادہ استعمال کیا جائے۔ اسے رمز فیلڈ کے نظریہ (Rumsfeld Doctrine) کا نام دیا گیا۔ 2002ء کے موسم گرما میں اس نے جریدہ فارن

افیئرز میں ایک مضمون میں لکھا کہ ہمیں زیادہ کاروباری طریقہ اختیار کرنا چاہئے اور ردعمل کے بجائے پیش اقدامی کے طریقے کو اپنانا چاہئے۔ اس مضمون کا عنوان تھا۔ ''افواج کی قلب ماہیت(Transforming the Military) رمزفیلڈ کے اس طرز فکر نے دَور حاضر کی معرکہ آرائیوں اور جنگوں میں ہر شعبہ جنگ میں نجی ٹھیکے داروں کے وسیع پیمانے پر استعمال کو فروغ دینے کا آغاز کیا۔

جن ٹھیکے داروں کو رمزفیلڈ کے نظریہ کے مطابق ''دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ'' میں شرکت کے لئے مدعو کیا گیا ان میں ایک غیر معروف فرم بھی شامل تھی جو نارتھ کیرولینا کے دلدلی علاقہ میں فوجی تربیت کا ایک نجی کیمپ چلا رہی تھی۔ اس کا نام تھا'' بلیک واٹر یو۔ایس۔اے'' (Black Water USA)۔ 11 ستمبر کے سانحہ کے بعد یہ کمپنی جو چند ہی سال قبل وجود میں آئی تھی اور گمنام تھی دیکھتے ہی دیکھتے تاریخ کی طاقت ورترین سلطنت کی گلوبل وار کا ایک اہم کردار بن گئی۔ بلیک واٹر کے مالک ایرک پرنس(Erik Prince) نے فوکس نیوز کے میزبان بل اوریلی(Bill O'Reilly) کو کچھ عرصے بعد بتایا:''میں چار سال سے اس تربیتی کاروبار کو چلا رہا تھا اور قدرے مایوس ہو چکا تھا کہ لوگ اپنی حفاظت سے غافل کیوں ہیں۔ مگر اب یہ حال ہے کہ فون کالوں کا تانتا بندھا ہوا ہے''۔

مگر بلیک واٹر کی داستان 11 ستمبر سے شروع نہیں ہوتی۔ نہ ہی اس کا آغاز اس کے قیام یا اس کے عہدیداران کی وجہ سے ہوا۔ کسی انداز سے یہ جدید جنگ جوئی کی تاریخ کا خلاصہ بھی ہے۔ دراصل یہ نتیجہ ہے بش انتظامیہ کے اہم عہدے داروں کی اپنے پورے دور کی اہم کاوشوں کا۔

1991ء کی جنگ خلیج کے دوران رمزفیلڈ کا ایک قریبی ساتھی، ڈک چینی، ڈیفنس سکریٹری تھا۔ اس وقت جنگی علاقوں میں تعینات ہر دس میں سے ایک آدمی نجی ٹھیکے داری نظام سے تعلق رکھتا تھا۔ ڈک چینی اس تناسب کو بڑھانا چاہتا تھا۔ 1993ء میں اپنی رخصتی سے قبل اس نے ہالی برٹن نامی کمپنی کے ایک شعبے سے یہ مطالعاتی کام کروایا کہ فوجی افسر شاہی کی کس قدر سرعت کے ساتھ نجکاری ہو سکتی ہے۔ بعد میں ڈک چینی خود اس کمپنی کا سربراہ بنا۔ راتوں رات ہالی برٹن کمپنی نے اپنے لئے لامحدود منافع کی حامل ایک صنعت تشکیل کر ڈالی جس کا کام تھا بیرون ملک تعینات امریکی فوجوں کو خدمات فراہم کرنا۔ امریکی فوجی کارروائیاں جس قدر وسعت اختیار کرتیں ہالی برٹن کو اتنا ہی زیادہ کاروباری فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ یہ آئندہ کے لئے ایک نمونہ

تھا۔ بل کلنٹن کے آئندہ آٹھ سالہ دور میں ڈک چینی ایک بااثر نیو کنزرویٹو تھنک ٹینک، امریکن انٹر پرائز انسٹی ٹیوٹ سے وابستہ رہا جو حکومت اور فوج کی تیز رفتار نجکاری کے لئے سب سے زیادہ کوشاں تھا۔ 1995ء میں چینی ہالی برٹن کے امور کا نگران اعلیٰ تھا اور اس ادارے کو مستقبل میں امریکہ کا سب سے بڑا ڈیفنس کنٹریکٹر بنانے کی تیاری کر رہا تھا۔ صدر کلنٹن نے نجکاری کے اس ایجنڈے کو بہت حد تک اپنا لیا اور چینی کی کمپنی اور چند دوسرے کنٹریکٹرز کو 1990ء کے تنازعہ بلکان اور 1999ء کی کوسوو جنگ میں پرکشش ٹھیکے دیئے۔ ایک عسکری مشاورتی ادارے ''ملٹری پروفیشنل ریسورسز انکارپوریٹیڈ'' کو جو ورجینیا میں قائم تھا اور جو سابقہ اعلیٰ عسکری عہدے داروں پر مشتمل تھا' 1990ء کی دہائی کے وسط میں کلنٹن انتظامیہ نے یہ اختیار دیا کہ وہ سرب اکثریت پر مشتمل یوگوسلاویہ سے علیحدگی چاہنے والے کروشیائی عسکریت پسندوں کو تربیت فراہم کرے۔ اس معاہدے نے پلڑا کروشیا کے حق میں جھکا دیا اور اسی معاہدے نے بعدازاں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں نجی شعبے کی شرکت کے لئے نظیر کا کام دیا۔ نجکاری ایک وسیع تر ایجنڈے کا صرف ایک حصہ تھی۔ چینی اور رمزفیلڈ ''نئی امریکی صدی'' کے منصوبے کے اہم ارکان تھے جسے 1997ء میں ایک سرگرم نیو کنزرویٹو (Neoconservative) ولیم کرسٹل نے شروع کیا تھا۔ اس گروپ نے کلنٹن پر عراقی حکومت تبدیل کرنے کے لئے دباؤ ڈالا۔ اس کے اصول **A policy of military strength and moral clarity** یعنی ''فوجی طاقت اور شفاف اخلاقیات کی پالیسی'' بش انتظامیہ کے بین الاقوامی ایجنڈے کا جزو اعظم بنی۔

ستمبر 2002ء میں اس گروپ کے ممبران کے بش انتظامیہ کے اہم ارکان بننے سے چند ہی ماہ قبل، اس پراجیکٹ برائے نئی امریکی صدی نے ایک رپورٹ جاری کی جس کا نام تھا۔

دفاع امریکہ کی تعمیر نو: لائحہ عمل، طاقت اور وسائل برائے نئی صدی

پراجیکٹ برائے نئی امریکی صدی کے لئے درکار امریکہ کی جنگی صلاحیتوں کی تجدید نو کے حوالے سے اس رپورٹ نے واضح کیا کہ درکار قلب ماہیت کے لئے، اگرچہ انقلابی تبدیلیاں بھی کرلی جائیں، ایک طویل عرصہ درکار ہوگا۔ یہ طوالت کم ہوسکتی ہے اگر پرل ہاربر جیسی کوئی مہم پیش آجائے جو اس تبدیلی کے لئے مہمیز کا کام دے۔ اگلے سال اسی ماہ میں 11 ستمبر کے واقعے نے یہ مہمیز فراہم کردی اور اس انقلابی ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لئے ایک بے نظیر جواز فراہم کردیا۔ نیو کنزرویٹو اقتدار تو پہلے ہی حاصل کر چکے تھے۔

9/11 کے بعد جو جنگیں شروع کی گئیں ان کے اغراض و مقاصد کے سلسلے میں جو بات اکثر نظر انداز کر دی جاتی ہے وہ ہے نجکاری اور سرکاری دفاعی کاموں کا ٹھیکے پر دیئے جانا (Outsourcing)۔ بش انتظامیہ نے اقتدار ملتے ہی پینٹا گون کو پال ولفووٹز (Paul Wolfowitz) ڈگلس فیتھ (Douglas Feith) زالمے خلیل زاد (Zalmay Khalilzad) اور سٹیفن کیمبون (Stephen Cambone) جیسے نیو کانز (New cons) سے بھر دیا تھا۔ ان کے علاوہ بڑی بڑی اسلحہ ساز کمپنیوں کے سابقہ اعلیٰ افسران کو بھی پینٹاگون میں اعلیٰ عہدے دے دیئے گئے تھے۔ مثلاً انڈر سیکریٹری ڈیفنس، پیٹ آلڈریج (Pete Aldrige) کا ایرواسپیس کارپوریشن سے، آرمی سیکرٹری تھامس وائٹ کا انیرون سے، نیوی سیکرٹری، گورڈن انگلینڈ کا جنرل ڈائنامکس سے، اور ایئر فورس سیکرٹری جیمز روش (James Roche) کا نارتھراپ گرومان سے تعلق تھا۔ پینٹا گون کی اس نئی غیر فوجی قیادت کے سامنے دو مقاصد تھے یعنی اہم ممالک میں حکومتیں تبدیل کرنا اور امریکی دفاعی نظام کی تیز رفتار اور بے نظیر نجکاری۔ 9/11 کے بعد اس مہم کو روکنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔

افغانستان میں طالبان کی فوری شکست نے رمز فیلڈ اور اس کے ساتھیوں کو اور خونخوار بنا دیا اور انہوں نے اپنے مرکزی منصوبے، یعنی عراق پر حملے کی تیاری شروع کر دی۔ جیسے ہی امریکی افواج نے عراق پر چڑھائی کی تیاری شروع کی' پینٹا گون نے نجی ٹھیکیداروں کو اس مہم کا جزو لاینفک قرار دے دیا۔ جب امریکہ بظاہر سفارتی کوششوں میں مصروف تھا، ہالی برٹن پس پردہ اپنی تاریخ کی سب سے بڑی مہم کی تیاری کر رہی تھی۔ جب امریکی ٹینک مارچ 2003ء میں بغداد میں داخل ہوئے تو ان کے ساتھ کرائے کے نجی فوجی عدیم النظیر تعداد میں شامل تھے۔ جب رمز فیلڈ کے عہدے کا دورانیہ ختم ہوا تو ایک لاکھ کے قریب کرائے کے فوجی عراقی سرزمین پر موجود تھے۔ حربی صنعت کے لئے یہ امر قابل اطمینان تھا کہ رمز فیلڈ نے عہدہ چھوڑنے سے قبل ایک غیر معمولی اقدام کیا کہ نجی ٹھیکے داروں کو امریکی حربی مشینری کا باقاعدہ حصہ بنا دیا۔ پینٹا گون کی 2006ء میں جاری ہونیوالی جائزہ رپورٹ (Quadrennial Review) نے ڈیپارٹمنٹ آف ڈیفنس میں تبدیلی لانے والے روڈ میپ کا تذکرہ کیا جو اس نے 2001ء میں شروع کیا تھا۔ اس میں ڈیپارٹمنٹ کی مجموعی قوت (Total Force) کی تعریف یہ کی کہ اس سے مراد ہے "اس کے سرگرم اور ریزرو حربی اجزاء، اس کے سول ملازمین اور اس کے ٹھیکے دار۔ اس "مجموعی قوت" کے ارکان دنیا کے

ہزاروں مقامات میں اہم نوعیت کی حربی مہمات میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

غیر معینہ مدت تک جاری رہنے اور مبہم مقاصد رکھنے والی گلوبل وار کے دوران ''مجموعی دفاعی قوت'' کی درج بالا تعریف نے ان تنبیہات کا مذاق اڑایا جو صدر آئیزن ہاور نے قوم سے اپنے الوداعی خطاب میں کئی دہائیاں قبل کی تھیں۔ اس نے کہا تھا کہ ''عسکری۔ صنعتی'' گٹھ جوڑ سنگین مضمرات کا حامل ہے۔ 1961ء میں آئزن ہاور نے کہا تھا کہ ''طاقت کے ناپسندیدہ ہاتھوں میں چلے جانے کے خطرناک مضمرات اس وقت بھی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔ ہمیں اس گٹھ جوڑ سے پیدا شدہ قوت کو یہ اجازت کبھی نہیں دینا چاہیے کہ یہ ہماری آزادی اور جمہوریت کو خطرے میں ڈالے۔ ہمیں اس خطرے کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں۔ صرف چوکنا اور باخبر عوام ہی ہمارے پرامن اغراض و مقاصد اور اس عظیم الجثہ صنعتی، عسکری مشینری کے مابین ایسا توازن قائم رکھ سکتے ہیں کہ ہماری آزادی اور تحفظ بیک وقت برقرار رہ سکیں۔'' جو نتائج آئندہ اور خاص طور پر بش انتظامیہ کے دور میں سامنے آئے ان سے آئیزن ہاور کی یہ پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔

اگرچہ دہشت گردی کے خلاف جنگ اور عراق پر قبضے نے کئی نجی کمپنیوں کو جنم دیا، شاید ہی کوئی کمپنی قوت، منافع اندوزی اور شہرت میں بلیک واٹر کی ہم پلہ ہو، ایک عشرہ سے بھی کم مدت میں نارتھ کیرولینا کے دلدلی علاقوں میں جنم لینے والی یہ کمپنی بش انتظامیہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں مرکزی اہمیت کی حامل بن گئی۔ آج بلیک واٹر کے پاس 2,300 سے زائد نجی فوجی ہیں جو امریکہ سمیت دنیا کے نو ممالک میں تعینات ہیں۔ اس کے ڈیٹا بیس میں 21,000 سابقہ ارکان خصوصی افواج اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ریٹائرڈ ارکان کے کوائف موجود ہیں' جنہیں یہ ایک مختصر نوٹس پر اپنے ساتھ ملا سکتی ہے۔ بلیک واٹر کے پاس 21 ہوائی جہازوں کا ذاتی بیڑہ ہے جس میں ہیلی کاپٹر اور جاسوسی کرنے والے جہاز بھی شامل ہیں۔ جنوبی کیرولینا کے علاقے مایا ک میں اس کا 7,000 ایکٹر پر مشتمل ہیڈ کوارٹر دنیا کا سب سے بڑا نجی عسکری ادارہ ہے۔ اس کمپنی کے پاس اپنی انٹیلی جنس ڈویژن ہے، جو سابقہ فوجیوں اور انٹیلی جنس افسروں پر مشتمل ہے۔ اس نے حال ہی میں کیلیفورنیا میں ''بلیک واٹر ویسٹ'' اور الی نائس میں ''بلیک واٹر نارتھ'' کے نام سے اپنی مزید برانچوں کی تعمیر کا آغاز کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ فلپائن کے جنگلوں میں بھی اپنی ایک تربیت گاہ قائم کر رہی ہے۔ بلیک واٹر کے پاس 500 ملین ڈالر سے زائد کے امریکی ٹھیکے ہیں

اور وہ خفیہ خدمات اس کے علاوہ ہیں جو یہ امریکی خفیہ اداروں، نجی کارپوریشنوں، افراد یا غیر ملکی حکومتوں کو فراہم کرتی ہے۔ ایک امریکی ممبر کانگریس کے خیال میں (جہاں تک فوجی قوت کا تعلق ہے) بلیک واٹر دنیا کی کئی ایک حکومتوں کا تختہ اُلٹنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

بلیک واٹر ایک پرائیویٹ آرمی ہے اور اس کی ڈور جس شخص کے ہاتھ میں ہے، اس کا نام ہے ایرک پرنس۔ یہ ایک دائیں بازو سے تعلق رکھنے والا انتہا پسند کروڑ پتی عیسائی ہے۔ جو بش کو انتخابی مہم میں سب سے زیادہ چندہ دینے والوں میں شامل تھا اور انتہا پسند عیسائی ایجنڈے پر بے دریغ خرچ کرتا ہے۔ درحقیقت، تادم ایں تحریر، اس نے کبھی کسی ڈیموکریٹک امیدوار پر ایک دھیلہ بھی خرچ نہیں کیا۔ شخصی طور پر اسے یہ حق ہے مگر جنگی خدمات انجام دینے والی ایک بڑی کمپنی کے سربراہ کے طور پر یہ ایک غیر معمولی طرز عمل ہے جو اس کے نظریاتی کٹڑپن کو ظاہر کرتا ہے۔ پینٹاگون میں تبدیلی کی رمزفیلڈ کی جنگی کوششوں میں بلیک واٹر اس کی موثر ترین ساتھی رہی ہے۔ پرنس بڑی دیدہ دلیری سے اپنے اس کردار پر فخر کرتا ہے جو اس نے امریکی افواج کی قلب ماہیت میں ادا کیا۔ ''اگر آپ اپنا پارسل راتوں رات کہیں بھیجنا چاہیں تو آپ اسے ڈاک سے بھیجیں گے یا فیڈ ایکس کے ذریعے؟'' پرنس نے ایک مباحثے میں عسکری عہدے داروں سے سوال کیا، ''ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم قومی سلامتی کے امور میں وہی تبدیلی پیدا کریں جو فیڈ ایکس نے ڈاکخانے کے امور میں کی تھی''۔

غالباً اس قلب ماہیت کا اولین مظاہرہ اس وقت ہوا جب وائٹ ہاؤس نے امریکہ میں اپنے سینئر ترین اہلکاروں کی حفاظت کا ٹھیکہ 2003ء کے شروع میں بلیک واٹر کو دے دیا۔ عراق پر قبضے کے پہلے سال کے دوران امریکہ کا نیا سفیر بش کے منصوبے کی تکمیل کے لئے بغداد پہنچا۔ تو اسے اور اس کے بعد آنے والے تمام سفیروں کو بلیک واٹر کا تحفظ حاصل رہا۔ برخلاف حاضر ڈیوٹی امریکی فوجیوں کے جنہیں قلیل تنخواہ ملتی ہے بلیک واٹر اپنے فوجیوں کو چھ ہندسوں پر مشتمل تنخواہ ادا کرتی ہے۔ ذاتی حفاظتی عملے کی فی کس تنخواہ 300 ڈالر یومیہ تھی مگر جب فورچون میگزین کے مطابق بلیک واٹر نے اپنے پہلے بڑے کام یعنی پال بریمر کی حفاظت کے لئے بھرتی شروع کی تو یومیہ اُجرت 600 ڈالر پر پہنچ گئی۔ بغیر کسی عوامی مباحثے کے بش نے وہ کام بھی نجی شعبے کے حوالے کر دیئے جو اب تک سرکاری فوج کے ذمے تھے۔ یہ نجی کمپنیاں عموماً امریکی ٹیکس دہندگان کو جوابدہ نہیں ہیں جن سے یہ اپنا منافع کماتی ہیں۔ کچھ لوگ عراقی کرائے کی فوجی مارکیٹ کا موازنہ

الاسکن گولڈرش(Alaske Gold Rush)اور او۔ کے۔کورل(O.K. Corral) جیسی منافع بخش کمپنیوں سے کرتے ہیں۔ جریدے دی ٹائمز آف لندن نے اس وقت اپنی ایک اشاعت میں لکھا کہ عراق میں بعد از جنگ منافع بخش بزنس تیل کا نہیں بلکہ سیکیورٹی کا ہے۔

ایک طرف تو نجی افواج کی تعداد عراق میں مسلسل بڑھ رہی تھی' دوسری طرف بریمر (Bremer) نے بغداد سے اپنی روانگی سے قبل' 28 جون 2004ء کو حکمنامہ نمبر 17 کے ذریعے ان ٹھیکے داروں کو قانون سے بالاتر قرار دے ڈالا۔ عراقی قبضے کے سلسلے میں بے شمار پالیسیوں کی موجودگی (اور بعض اہم پالیسوں کی عدم موجودگی) میں یہ ایک بہت اہم حکمنامہ تھا جس نے ان غیر سرکاری افواج کو شتر بے مہار بنادیا۔ امریکہ کی سرکاری افواج کو تو عراق میں قتل اور بلا جواز تشدد کے الزامات میں مقدمات کا سامنا کرنا پڑا مگر پینٹاگون نے اپنے ان کرائے کے فوجیوں کو کسی قانون کا پابند نہ سمجھا۔ عراقی عسکری ٹھیکے داروں کو یہ بے جا رعایت دیئے جانے کا سوال غیر معمولی طور پر کانگریس کی ایک سماعت کے دوران جون 2006ء میں اُٹھایا گیا۔ اس سماعت میں، جس میں کئی سرکاری عہدے دار بھی موجود تھے، اس انڈسٹری کی نمائندگی بلیک واٹر نے کی۔ کانگریس کے نمائندے، ڈینس کوسی نک (Dennis Kucinich) نے پینٹاگون. کے ڈائریکٹر برائے امور دفاعی خریداری وحصولیات (defence procurement and acquisition) شے۔اسد(Shay Asad) سے سوال جواب کئے۔ ڈیپارٹمنٹ آف ڈیفنس کا یہی شعبہ پرائیوٹ عسکری ٹھیکے داروں کا نگران تھا۔ کوسی نک نے نکتہ اُٹھایا کہ امریکی فوجی دستے تو قوانین جنگ کے پابند ہیں اور خلاف ورزی کی صورت میں مقدمات کا سامنا کرتے ہیں جبکہ ٹھیکے دار مبرا ہیں۔ اس نے کہا کہ اس سماعت کی تاریخ تک کسی بھی ٹھیکے دار پر جنگی جرائم کا کوئی مقدمہ نہیں بنا۔ پھر اس نے براہ راست اس سے پوچھا "کیا ڈیپارٹمنٹ آف ڈیفنس کسی ایسے نجی ٹھیکے دار پر مقدمہ چلانے کو تیار ہوگا جس نے کسی شہری کو غیر قانونی طور پر قتل کیا ہو؟" اسد نے جواب دیا "سر میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا"۔

"کیا؟" کوسی نک حیرت سے چلایا، "تمہیں پتا بھی ہے اس بات کا کیا مطلب ہے۔ یہ نجی ٹھیکے دار قتل جیسے جرم سے بآسانی بچ نکل سکتے ہیں۔ یہ ٹھیکے دار کسی بھی قانون کے تابع نہیں لگتے اور ایسا لگتا ہے کہ انہیں قانون اپنے ہاتھ میں لینے کا اختیار دے دیا گیا ہے"۔

بلیک واٹر نے اپنی افواج کو کھلم کھلا قانون سے بالاتر قرار دے دیا ہے۔ جب کوشش

کی جائے کہ یہ پینٹا گون کے عمومی عسکری انصاف کے قانون کے ماتحت ہوں تو بلیک واٹر مزاحمت کرتی ہے کہ اس کے ارکان تو شہری ہونے کے باعث مبرا ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ بلیک واٹر امریکی شہری قوانین سے بھی مبرا ہے کیونکہ اس کے ارکان امریکہ کی ''اجتماعی فوجی قوت'' کا حصہ ہیں۔ بلیک واٹر عدالتی سماعتوں میں کہتی ہے کہ اگر وہ اپنے کارکنان کی بلا جواز اموات کی سماعت امریکی عدالتوں میں ہونا قبول کرے تو اس سے امریکہ کی جنگی صلاحیت کو خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ ''اگر ذمہ دار وفاقی ٹھیکے داروں نے میدان جنگ میں امریکی مسلح افواج کا ساتھ دینا ہے تو یہ ضروری ہے کہ انہیں اپنے ارکان کی اموات پر حکومتی تحفظ حاصل ہو اور وفاقی عدالتیں متفقہ طور پر ان کے اس استثناء کو تسلیم کریں۔ امریکی فوجی قوت میں ان افراد کی رضا کارانہ شمولیت کے لئے کوئی بات اس سے زیادہ مہلک نہیں ہو سکتی کہ انہیں میدان جنگ میں امریکہ کی پچاس ریاستوں میں نافذ Tart Liability System یعنی ہرجانہ وحق تلفی کے قانون کا پابند کیا جائے۔ یہ فیصلہ کہ صدر امریکہ نے ملک کی عسکری قوت کی کمانڈ اور نگرانی، جس میں فوج کی تربیت، تعیناتی، اسلحے کی فراہمی، منصوبہ بندی، تجزیہ نگاری، انتظامی امور اور نجی عسکری ٹھیکے داروں کی نگرانی شامل ہے، کس طرح کرنی ہے، عدالتوں کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ بلیک واٹر کا دعویٰ ہے کہ اس کی افواج ان کی اپنی ٹریڈ ایسوسی ایشن ''انٹرنیشنل پیس آپریشن ایسوسی ایشن'' کے تیار کردہ ضابطہ اخلاق کی پابند ہے۔ یہ نام نہاد ضابطہ اخلاق قانونی نقطہ نظر سے نا قابل عمل اور نا قابل اطلاق ہے۔ ایرک پرنس کا کہنا ہے کہ اس کی افواج ''ہمارے وطن کو جواب دہ ہیں''۔ کیا محض پرچم سے وفاداری کا اعلان اس بات کی کافی شہادت ہے کہ ارادے یا کارروائیاں مبنی بر انصاف ہیں۔ کیا یہ دعویٰ ایک آزاد عدالتی نظام کا متبادل ہو سکتا ہے''۔

اس منطق کی حوصلہ افزائی نہ صرف اس طرح سے ہوئی کہ ان ٹھیکے داروں کو ایک قسم کا مکمل قانونی استثناء حاصل رہا بلکہ اس طرح بھی کہ پینٹا گون اس کثیر التعداد پرائیویٹ فوج کی نگرانی کرنے میں ناکام رہی جسے امریکی دفاعی نظام کا حصہ مانا جا چکا تھا۔ نجی ٹھیکے دار عموماً مبہم قسم کی خدمات انجام دیتے ہیں اور اس طرح ان پر قانون شکنی کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ 2006ء کے اواخر میں کانگریس کے دفاعی بل برائے 2007ء میں جس پر صدر نے دستخط کئے ایک یک سطری ترمیم چپکے سے شامل کر دی گئی جس کے تحت میدان جنگ میں شامل ٹھیکے داروں پر پینٹا گون کے کورٹ مارشل کے قواعد کا اطلاق ہو سکتا تھا۔ فوج اپنی کثیر تعداد کے باعث خود اپنے ارکان کی موثر

نگرانی سے قاصر ہے، وہ ایک لاکھ سے زائد ان نجی افراد کی نگرانی کیسے کر سکتی ہے۔ اگر چہ پانچ الفاظ پر مشتمل یہ ترمیم بمشکل ہی غیر جانبدارانہ نگرانی کا نظام کہلا سکتی ہے۔، ماہرین کا خیال ہے کہ نجی عسکری صنعت اس کی بھی حتی المقدور مخالفت کرے گی۔ حکومت نے عراق، افغانستان اور دیگر مقامات پر ان ٹھیکے داروں پر عدیم النظیر اعتبار تو کیا مگر وہ ان کی نگرانی کیا خاک کر سکتی ہے جبکہ اسے ان کی درست تعداد تک معلوم نہیں۔ حکومت کے ایک تفتیشی دفتر کی دسمبر 2006ء میں جاری کردہ رپورٹ کے مطابق فوج کے پاس نا صرف نگرانی کا کوئی موثر نظام نہیں تھا بلکہ اس کے عہدے دار یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کرائے کے کتنے فوجی عراقی ٹھکانوں پر تعینات ہیں۔ آرمی اور ائیر فورس اس دفتر کے تفتیش کاروں کو نہ تو کرائے کے فوجیوں کی تعداد بتا سکی اور نہ ہی انہیں یہ معلوم تھا کہ وہ امریکی افواج کے لئے کیا کیا خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس تفتیشی دفتر کے مطابق " ٹھیکے داروں کی بابت ناقص انتظامی اقدامات اور ان کی غیر موثر نگرانی کی وجہ سے فوجی کارروائیوں پر منفی اثر ہوا ہے اور ڈیپارٹمنٹ آف ڈیفنس کی یہ صلاحیت بھی متاثر ہوئی ہے کہ وہ دیکھ سکے کہ آیا نجی ٹھیکے دار اپنے ٹھیکہ جات کے تقاضوں کو درکار مالی حد کے اندر رہتے ہوئے پورا کر رہے ہیں۔

پینٹاگون میں ڈونلڈ رمزفیلڈ کے عہدے کی مدت ختم ہونے کے ایک ہفتے بعد امریکی افواج دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اس قدر بکھری ہوئی تھیں کہ سابقہ سیکرٹری آف اسٹیٹ جنرل کولن پاؤل کو یہ کہنا پڑا " باقاعدہ فوج تقریباً منتشر ہو چکی ہے"۔ بجائے اس کے کہ اس توسیع پسندانہ، جارحانہ جنگی حکمت عملی پر نظر ثانی کی جاتی بش انتظامیہ اور پینٹاگون نے فوج میں توسیع کی ضرورت پر غور و فکر شروع کر دیا۔ پرنس پہلے ہی اپنی تجویز دے چکا تھا کہ باقاعدہ امریکی افواج کو "کنٹریکٹ بریگیڈ" کے ذریعے تقویت دی جائے۔ "امریکی محکمہ دفاع باقاعدہ افواج کی تعداد میں اضافے سے خوفزدہ ہے" اس نے کہا۔ "ہم 30,000 افراد بڑھانا چاہتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس میں 3.6 سے 4.0 بلین ڈالر تک یومیہ لاگت آئے گی"۔ میرے حساب سے اس کا مطلب ہے تقریباً 135,000 ڈالر فی فوجی یومیہ۔۔۔ ہم یقیناً یہی کام کم لاگت میں کر سکتے ہیں"۔ یہ ایک غیر معمولی اعلان تھا اور ایسا وہی شخص کر سکتا تھا جسے اپنی فوج پر مکمل کنٹرول ہو۔ پرنس اپنی بلیک واٹر کو امریکی فوج کے محب وطن حمایتی کے طور پر دکھانا چاہتا تھا اور اس نے ستمبر 2005ء میں کمپنی کے تمام ملازمین اور ٹھیکے داروں کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ امریکی آئین سے وفاداری کا وہی حلف اٹھائیں جو پینٹاگون، اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور خفیہ ایجنسیوں والے اٹھاتے

ہیں۔ "ہم تمام ملکی وغیر ملکی دشمنوں کے خلاف امریکی آئین کی حفاظت اور دفاع کریں گے۔۔خدا اس میں ہماری مدد کرے"۔

مگر بلیک واٹر کی اس بیان کردہ حیثیت کے علاوہ کہ یہ ایک خالصتاً امریکی ادارہ ہے جس کا مقصد نہتے لوگوں کی حفاظت ہے، اس کے کچھ خفیہ منصوبے ایک اور ہی حقیقت کا پتہ دیتے ہیں۔ مئی 2004ء میں بلیک واٹر نے امریکی حکومت کے مرکزی دفتر برائے ٹھیکہ جات میں خاموشی سے اپنی ایک نئی ڈویژن "گرے اسٹون لمیٹڈ" کا اندراج کروایا مگر اس کمپنی کی رجسٹریشن بجائے نارتھ کیرولینا، ورجینیا یا ڈیلاویئر میں کرانے کے (جیسا کہ بلیک واٹر کی دیگر ڈویژن رجسٹرڈ ہیں) گرے اسٹون کو کیریبین (Carribbean) کے جزیرے بارباڈوس میں رجسٹر کرایا گیا۔ امریکی حکومت نے اس کمپنی کو ٹیکس سے مستثنیٰ ادارے کا درجہ دیا۔ گرے اسٹون کا تشہیری لٹریچر اپنے متوقع کلائنٹس کو "متوقع خطرے سے پیشگی نمٹنے والی ٹیم" کی پیش کش کرتا ہے جن کی خدمات یہ کلائنٹس موجودہ یا ممکنہ طور پر پیش آمدہ بیرون ملک حفاظتی خطرات سے نپٹنے کے لئے حاصل کر سکتے ہیں۔ "ہماری یہ ٹیمیں حالات کو مستحکم کرنے' اثاثہ جات کی حفاظت یا چوری شدہ اثاثوں کی بازیابی اور ہنگامی حالات میں عملے کے انخلاء جیسی خدمات سرانجام دینے کی مکمل اہلیت رکھتی ہیں"۔ اس کے علاوہ یہ مختلف اقسام کی تربیتی خدمات جیسے "چھوٹے پیمانے کی مدافعتی یا جارحانہ کارروائیاں کرنے کی تربیت" فراہم کرتا ہے۔ گرے اسٹون کا دعویٰ ہے کہ اسے بہت سے افراد کی خدمات حاصل ہیں جن کا سابقہ تعلق اسپیشل آپریشن، دفاع، خفیہ اداروں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے ہے اور جنھیں یہ مزید خصوصی تربیت فراہم کرتی ہے۔ یہ افراد ایک مختصر نوٹس پر دنیا میں کہیں بھی بھیجے جا سکتے ہیں۔ جن ممالک سے گرے اسٹون اپنے لئے بھرتی کرنے کا دعویٰ کرتی ہے ان میں فلپائن، چلی، نیپال، کولمبیا، السلواڈور، ہونڈوراس، پاناما اور پیرو شامل ہیں۔ ان ممالک میں سے اکثر و بیشتر کی افواج انسانی حقوق کے بارے میں مشتبہ ریکارڈ رکھتی ہیں۔ یہ درخواست دہندگان سے پوچھتی ہے کہ وہ AK-47 رائفل، گلوک 19، M-16 سیریز رائفل، M-4 کاربائن رائفل، مشین گن، مورٹار اور کندھے پر رکھ کر فائر کیے جانے والے ہتھیاروں (PRG,LAAW) میں سے کون کون سے استعمال کرنا جانتے ہیں۔ جن عہدوں کے لئے درخواستیں مانگی جاتی ہیں ان میں چھپ کر فائر کرنے والے، ماہر نشانے باز، دھماکہ خیز مواد کے ماہر اور جوابی کارروائی کے ماہر ہنرمند شامل ہیں۔ عراق میں بلیک واٹر نے چلی سے کرائے

کے فوجی بھرتی کیئے جن میں سے اکثر وہاں کے سفاک حکمران آگسٹو پنوشے کے تحت کام کر چکے تھے۔ بلیک واٹر کے صدر کا کہنا ہے کہ ہم پیشہ ور ماہرین کی تلاش میں دنیا کا کونہ کونہ چھان مارتے ہیں مگر چلی کے کمانڈو ہمارے لئے بہترین ثابت ہوئے ہیں۔

قومی مسلح افواج مکمل طور پر بروئے کار لائے جانے کی وجہ سے بھی اور کچھ سیاسی وجوہات کی بناء پر بھی حکومت امریکہ کے پاس اس کے سوا کوئی چارا نہیں کہ وہ اپنے اتحادی ممالک سے اپنی دہشت گردی کی جنگ کے لئے فوجی بھیجنے کو کہے۔ اگر اتحادی اس ضرورت کو پورا نہ کریں تو بلیک واٹر اور اسکے حواریوں کے پاس ایک اور حل موجود ہے جو ایک ایسی بین الاقوامی فوج کا قیام ہے جس کے لئے کرائے کے فوجی دنیا بھر سے بھرتی کیئے جائیں۔ اگر غیر ممالک تعاون نہ بھی کریں تو کیا ہوا' ان ممالک سے بہت سے افراد کرائے پر بلیک واٹر میں بھرتی ہونے کو تیار ملتے ہیں۔ ناقدین کے خیال میں اس طرح کی بھرتیاں دنیا میں خود مختار، آزاد قومی حکومتوں کی موجودگی کے حق کے خلاف ہیں۔ ''مرکز برائے آئینی امور'' کے صدر مائیکل راٹنر کے خیال میں جس کے ادارے نے کئی نجی ٹھیکے داروں پر عراق میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے مقدمے کیئے ہیں: ''ٹھیکے داروں اور نجی فوجیوں یا کرائے کے فوجیوں کے بڑھتے ہوئے استعمال نے جنگ شروع کرنا اور لڑنا بہت آسان کر دیا ہے۔ اب صرف پیسہ چاہیئے، عوامی حمایت کی کوئی ضرورت نہیں''۔

''جنگ کے لئے جتنی زیادہ عوامی حمایت درکار ہو اتنی ہی مزاحمت ہوتی ہے۔ مزاحمت اس لئے ہوتی ہے تاکہ تکبر پر مشتمل جنگوں، احمقانہ جنگوں اور امریکہ کی صورت میں استعماری جنگوں کو روکا جا سکے۔ زوال پذیر استعمار کو بچانے کے لئے نجی افواج کا استعمال امریکہ کی ایک ناگزیر ضرورت بن چکا ہے۔ روم اور کرائے کے فوجیوں کے لئے اس کی بڑھتی ہوئی ضرورت پہ غور کریں۔ اسی طرح یہاں امریکہ میں ناراض عوام کا غصہ قابو میں رکھنا آئین کی پابند پولیس کے لئے بہت مشکل ہے۔ نجی افواج اس مسئلے پر قابو پا سکتی ہیں''۔

پینٹاگون کے سب سے بڑے ٹھیکے دار ہالی برٹن کی طرح بلیک واٹر بھی محض جنگ سے نفع اندوزی چاہنے والی دیگر کمپنیوں سے اپنے طویل المدتی مقاصد کی وجہ سے بالکل مختلف ہے۔ اس نے نہ صرف دیگر حریفوں کی طرح نفع اندوزی میں بھرپور حصہ لیا بلکہ آنے والے کئی عشروں کے لئے ایک مخصوص جگہ بنالی ہے۔ بلیک واٹر کی پرواز صرف بین الاقوامی جنگوں تک محدود نہیں۔ اس کے کارکنوں نے 2005ء میں نیو آرلینز میں آنے والے سمندری طوفان کترینا میں بہت سی

وفاقی ایجنسیوں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا جب اس کے کیل کانٹے سے لیس سینکڑوں کرائے کے فوجی تباہی والے علاقے میں پھیل گئے تھے۔ چند ہفتوں کے اندر اندر اسے ڈیپارٹمنٹ آف ہوم لینڈ سیکورٹی نے سرکاری طور پر خلیج امریکہ میں خدمات کے لئے منتخب کرلیا جس کا معاوضہ اس نے 950 ڈالر یومیہ فی کس کے حساب سے وصول کیا۔ ایک سال سے بھی کم عرصے میں اس کمپنی نے اس طوفان سے متعلق 70 ملین ڈالر سے زائد کے ٹھیکے حاصل کر لئے، یعنی تقریباً 243,000 ڈالر یومیہ ریونیو۔

اس کمپنی نے کترینا کو نفع کمانے کا ایک بڑا موقع سمجھا اور مقامی حکومتوں کو خدمات فراہم کرنے کے لئے درخواستیں دینا شروع کر دیں۔ بلیک واٹر کے افسران کیلی فورنیا کے گورنر آرنلڈ شوارزنیگر (Arnold Schwarzengger) سے اس بابت ملاقات کر چکے ہیں کہ زلزلے یا کسی اور قدرتی آفت سے پیش آمدہ صورت حال سے نپٹنے کے لئے ان کی کمپنی کو آفت زدہ علاقے میں تعینات کیا جائے۔ ”دیکھیے ہم میں کون یہ پسند کرتا ہے کہ بربادی کو کاروباری موقع بنالے“ بلیک واٹر کے مقامی آپریشن ڈویژن، جو کترینا کے بعد بنائی گئی تھی، کے سربراہ نے کہا۔ ”یہ ایک تلخ حقیقت ہے مگر یہ ہے اسی طرح۔ ڈاکٹر، وکیل، جنازوں کا انتظام کرنے والے اور حتیٰ کہ اخبارات بھی، سب کے سب ناخوشگوار واقعات کے ہونے سے روزی کماتے ہیں۔ ہم بھی یہی کرتے ہیں کیونکہ یہ کام بھی آخر کسی کو تو کرنا ہے۔“ مگر نقاد بلیک واٹر کی اندرون ملک تعیناتی کو ایک خطرناک نظیر قرار دیتے ہیں جو جمہوریت کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ ”ان کے اقدامات آئینی حدود کی پابندی اس درجہ نہیں کر سکتے جیسے وفاقی اور ریاستی اہلکار اور ملازمین کرتے ہیں۔ ان آئینی حدود میں ترمیم اول اور ترمیم چہارم شامل ہیں جو غیر قانونی تلاشیوں اور گرفتاریوں سے تحفظ فراہم کرتی ہیں۔ یہ لوگ (بلیک واٹر) پولیس افسروں کی مانند آئینی حقوق کا تحفظ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے“، کونسل برائے آئینی حقوق (CRR) کے مائیکل راٹنر کا کہنا ہے” اس قسم کے پیراملٹری گروپ نازی پارٹی کے براؤن شرٹ والے لوگوں کی یاد دلاتے ہیں جو ماورائے عدالت قوت نافذہ کا کام کرتے تھے۔ ان پیراملٹری گروپوں کا استعمال ہمارے حقوق کے لئے انتہائی خطرناک ہے“۔

بش کی اس ”صلیبی“ جنگ میں بلیک واٹر کی شرکت اس وجہ سے بھی ناپسندیدہ ہے کہ اس کمپنی کے اعلیٰ عہدے دار کٹر قسم کے عیسائی برتری کے قائل لوگ ہیں۔ ایرک پرنس اور اس کے

Rehan Ahmed http://www.rehanahmed.com

خاندان نے ہمیشہ دائیں بازو کی مذہبی رجحانات رکھنے والی قوتوں کو ان کی سیکیولرازم کے خلاف اور عوام میں فروغ عیسائیت کی کوششوں کے لئے فراخدلانہ چندہ دیا ہے۔

پرنس ملک کے سب سے زیادہ جارح عیسائی انتہا پسندوں میں سے کئی ایک کا دوست اور مربی ہے جن میں واٹر گیٹ اسکنڈل میں ملوث چک کولسن (Chick Colson) شامل ہے جو بعد ازاں بش کا ایڈوائزر رہا اور جو ''عقائد پر مبنی جیل خانہ جات'' کی تحریک کا محرک ہے۔ ان میں عیسائی قدامت پرست لیڈر گیری باور (Gary Bauer) بھی شامل ہے جو ''منصوبہ برائے نئی امریکی صدی'' کے اصول وضع کرنے کی دستاویز کے ابتدائی دستخط کنندگان میں شامل تھا جس سے پرنس اپنے بچپنے ہی سے وابستہ تھا اور جو پرنس کے والد کا دوست بھی تھا۔ بلیک واٹر کے کچھ افسر ایک عیسائی ملیشیا ''سوورین ملٹری آرڈر آف مالٹا'' کے بھی ممبر ہیں جسے صلیبی جنگوں کے دوران مسلمانوں سے چھینے گئے علاقوں کے دفاع کے لئے گیارہویں صدی میں پہلی صلیبی جنگ سے قبل قائم کیا گیا تھا۔ یہ ادارہ بین الاقوامی قانون کے تحت خودمختاری کا درجہ رکھنے کا دعویٰ دار ہے۔ اس کا اپنا آئین، پاسپورٹ، مہر اور عوامی ادارے ہیں اور دنیا کے 94 ممالک سے سفارتی تعلقات ہیں۔ اسلامی ممالک اور سیکیولر معاشروں کے لئے امریکی فوجی کارروائیوں کا ایسے ''نوصلیبیوں'' کو سونپا جانا عرب دنیا کے لئے اور امریکی جنگوں کے مخالفین کے لئے شدید ترین تشویش کا باعث ہے۔

دنیا کے بیشتر حصے نے فوجی کمپنیوں کی بابت پہلی مرتبہ اس وقت سنا جب 31 مارچ 2004ء کو ایک مشتعل ہجوم نے بلیک واٹر کے چار فوجیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ اس واقعے سے عراقی جنگ نے ایک نیا رخ اختیار کیا اور مزاحمت شدت اختیار کر گئی۔ میڈیا کی اکثر رپورٹیں اس وقت (اور آج بھی) ان مشکوک قوتوں کو ''غیر عسکری ٹھیکے دار'' یا ''غیر ملکی کارکنان برائے تعمیر نو'' کے نام سے پکارتی رہیں جیسے کہ وہ فوجی نہیں بلکہ انجینئر، تعمیراتی کارکن، خدمت خلق کرنے والے یا پانی صاف کرنے والے ماہرین تھے۔ ''کرائے کے سپاہی'' کی اصطلاح ان کے لئے کبھی بھی استعمال نہیں کی گئی۔ ایسا اتفاقاً نہیں ہوا۔ درحقیقت ایسا ایک انتہائی مہارت سے چلائی جانے والی مہم کے نتیجے میں ہوا جو کرائے کے سپاہیوں کی اس صنعت نے چلائی اور اس صنعت کے بھیانک پہلو کو بے ضرر ناموں سے چھپانے کی کوشش کی۔ واشنگٹن اور دیگر مغربی دارالحکومتوں میں پالیسی سازوں، افسر شاہی اور دیگر مقتدر فیصلہ سازوں نے اس مہم کو قبول کر لیا۔ فلوجہ میں مارے جانے والے افراد واشنگٹن کے اتحاد برائے جنگ کے سب سے بڑے پارٹنر کے ارکان تھے جس

کے کل ارکان کی تعداد عراق میں برطانیہ کی کل افواج سے زیادہ تھی اور دنیا کی اکثریت کو علم تک نہ تھا کہ وہ وہاں ہیں۔ گھات لگا کر کیے جانے والے اس حملے نے بلیک واٹر کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ تیزی سے فروغ پاتی اس صنعت کی بابت ہوتی قانون سازی کو متاثر کر سکے۔ تین ماہ بعد اس کمپنی کو امریکی حکومت نے اہم ترین بیرونی حفاظتی ٹھیکوں میں سے ایک دے دیا یعنی عراق میں امریکی سفارت کاروں اور تنصیبات کی حفاظت کا ٹھیکہ۔ چار نجی سپاہیوں کی ہلاکت کی جو غیر معمولی تشہیر ہوئی اس سے بلیک واٹر کو آئندہ کئی برسوں کے لیے ترقی کرنے کا موقع مل گیا۔

بلیک واٹر کے عروج کی داستان ''عسکری، صنعتی گٹھ جوڑ'' کی تاریخ میں بہت بلند حیثیت کی حامل ہے۔ بش انتظامیہ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے بہانے فوجی معاملات کی نجکاری کا جو منصوبہ چلا رہی تھی، بلیک واٹر اس کا ایک جیتا جاگتا شاہکار ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ جنگ ''جمہوریت اور طریق حکمرانی کے مستقبل کی داستان ہے۔ اس کہانی کی ابتداء 1996ء میں کمپنی کی شروعات سے ہوتی ہے جب بلیک واٹر کے مہم جو عہدے داران نے ایک نجی فوجی تربیتی کیمپ کا آغاز کیا تا کہ بارودی ہتھیاروں اور ان کے استعمال کی تربیت کی متوقع نجکاری سے پیدا شدہ ضرورت کو پورا کیا جا سکے۔ اس کہانی میں 9/11 کے بعد آنے والے نجکاری کے ٹھیکے، فلوجہ کی خون میں ڈوبی گلیاں اور بلیک واٹر کے کرائے کے فوجیوں کی پل سے لٹکتی لاشیں شامل ہیں۔ اس میں مقتدیٰ الصدر کے مضبوط گڑھ فلوجہ میں ہونے والی ایک ایسی لڑائی بھی شامل ہے جو چھت پر لڑی گئی۔ وہ مہم بھی اس کا حصہ ہے جس میں امریکی انتظامیہ نے بلیک واٹر کو تیل سے مالا مال بحیرہ کیسپین میں، ایرانی سرحد سے چند میل دور، ایک فوجی اڈہ قائم کرنے کے لیے بھیجا۔ سمندری طوفان سے تباہ شدہ نیو آرلینز کی گلیوں میں یورش بھی اس کا حصہ ہے اور واشنگٹن کے ایوان اقتدار میں گزارے گئے وہ طویل اوقات بھی شامل داستان ہیں جہاں بلیک واٹر کے افسروں کا دہشت گردی کے خلاف جنگ کے سورماؤں کے طور پر استقبال کیا گیا۔ مگر دنیا کی اس طاقتور ترین کرائے کی فوج کا آغاز میدان جنگ سے دور مشی گن کے ایک پرسکون شہر ہالینڈ سے ہوا جہاں ایرک پرنس دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا۔ یہ پرنس خاندان ہی تھا جس نے بلیک واٹر کی بنیاد رکھی اور اگلی کئی دہائیوں تک ان عوامل پر کروڑوں ڈالر خرچ کیے جو بالآخر بلیک واٹر کی برق رفتار ترقی کا سبب بنے۔

باب: 1

بلیک واٹر کے بانی پرنس کا بچپن

ریاست مشی گن کے شہر ہالینڈ کی جنوبی ساحلی شاہراہ پر واقع حویلی نمبر 1057 فلوجہ سے اتنی ہی دور ہے جتنا آپ تصور کر سکتے ہیں۔ یہ گھر جس میں ایرک پرنس پیدا ہوا اور پلا بڑھا امریکہ کے وسطی مغرب میں واقع جھیل مشی گن کی ایک تنگ کھاڑی، جھیل مکا تاوا کے پرسکون کنارے پر واقع ہے۔ گرمیوں کے دنوں میں درخت شاہراہ کے کنارے جھومتے ہیں اور جھیل کے پار سورج آب و تاب سے چمک رہا ہوتا ہے۔ کبھی کبھار کسی کار کے گزرنے یا موٹر بوٹ کے اسٹارٹ ہونے کا ہلکا سا شور ہوتا ہے ورنہ عام طور پر یہ علاقہ بالکل خاموش اور پرسکون رہتا ہے۔ خوشحال امریکی معاشرے کی ایسی تصویر جو آپ عموماً پوسٹ کارڈ پر چھپی ہوئی دیکھتے ہیں۔ دو ادھیڑ عمر خواتین تیزی سے گھاس کاٹنے والی مشین چلاتے ایک شخص کے پاس سے گزرتی ہیں ان کے علاوہ پوری گلی میں اور کوئی نظر نہیں آرہا۔ ایک خاتون دوسری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھتی ہے۔ کیا پرنس خاندان اب بھی اس حویلی کا مالک ہے۔ یہ حویلی بہت مشہور ہے اور اس سے زیادہ اس کے باسی۔ ہالینڈ، مشی گن میں پرنس خاندان شاہی خانوادہ سمجھا جاتا ہے اور ایرک کا باپ، ایڈگر پرنس تو بادشاہ کے طور پر جانا جاتا تھا۔

جس طرح بلیک واٹر کا مویوک، نارتھ کیرولینا، میں واقع سات ہزار ایکڑ دلدلی علاقے میں محیط کمپاؤنڈ، جہاں ہمہ وقت مشین گن کی آوازیں گونجتی ہیں، ایرک پرنس کی ذاتی جائیداد ہے اسی طرح ہالینڈ کا یہ ولندیزی (Dutch) گاؤں اس کے باپ کی جاگیر تھا۔ ایڈگر پرنس ایک خود ساختہ صنعت کار تھا اور شہر کی ایک چوتھائی آبادی اس کی ملازم تھی۔ اس نے اس شہر کے ادارے بنائے، اس کے تجارتی علاقے کی منصوبہ بندی کی اور رقوم فراہم کیں اور شہر کے دونوں کالجوں کا

وہ سب سے بڑا امر بی تھا۔ 1995ء میں اس کی اچانک موت کے دس سال بعد بھی اس کا ورثہ اس کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ شہر کے تجارتی علاقے کی دو معروف ترین سڑکوں کے سنگم پر ایڈگر پرنس کی یادگار موجود ہے۔ کانسی کی سات سیڑھیاں ایک چبوترے تک جاتی ہیں جس پر تین موسیقاروں کے قد آدم مجسمے نصب ہیں۔ یہ بھی کانسی کے بنے ہوئے ہیں۔ ایک موسیقار کوٹ پہنے سیلو (Cello) بجا رہا ہے۔ دوسرا وائلن اور تیسری موسیقار ایک جوان عورت ہے جو اسکرٹ پہنے ہوئے ہے اور بانسری بجا رہی ہے۔ ایک اور مجسمہ ایک چھوٹی بچی کا ہے جو ایک بچے کو بانہوں میں لیے ہاتھ میں موسیقی کی کتاب تھامے ہوئے ہے اور وہ دونوں گانے میں مصروف ہیں۔ ان مجسموں کی بنیاد پر ایک یادگاری تختی نصب ہے جس پر لکھا ہے ''ہم ہمیشہ آپ کے قدموں کی آہٹ محسوس کریں گے۔ ہالینڈ کے اس تجارتی علاقے کے لوگ آپ کی بصیرت اور سخاوت کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔''

ایڈگر پرنس نے اپنی اولاد کو جو سبق سکھایا تھا وہ یہ تھا کہ عیسائی اقدار، دائیں بازو کی سیاست اور آزاد منڈی کی معیشت کے اصولوں پر مبنی کوئی جاگیر کیسے بنائی اور مستحکم رکھی جا سکتی ہے۔ اگرچہ آج کل ہالینڈ پرنس خاندان کی یادگاروں سے بھرا ہوا ہے، ایڈگر اس شہر کا پہلا بادشاہ نہیں تھا۔ اپنی آباد کاری کی شروعات سے ہی ہالینڈ عیسائی سرداروں کے زیر تسلط رہا ہے۔ 1846ء میں البرٹس وان راتلے ستاون دیگر ولندیزی پناہ گزینوں کے ہمراہ سمندری راستے سے مشی گن کے مغربی ساحل پر پہنچا تھا۔ پرنس کا جدامجد اپنے ملک کے چرچ کی نافذ کردہ مذہبی پابندیوں کی مخالفت کی وجہ سے مشق ستم بنا تھا اور ملک چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا۔

وان راتلے ڈچ ریفارم چرچ کے ایک فرقے کا رکن تھا جسے وہاں کا شاہی خاندان اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ اپنے جہاز ''ساؤتھرنر'' پر امریکہ پہنچ کر وہ اپنے ساتھیوں کو جھیل مشی گن کے کنارے لے گیا جہاں اس کا خیال تھا کہ وہ لوگ اپنے مذہبی عقائد کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کر سکتے تھے۔ کچھ تلاش کے بعد اسے ایک موزوں مقام مل گیا۔ یہ مشی گن جھیل سے منسلک ایک چھوٹی جھیل کا کنارہ تھا۔

9 فروری 1847ء کو وان راتلے نے اس بستی کی بنیاد رکھی جہاں ایرک پرنس نے اپنا بچپن گزارنا تھا۔ تاہم وان راتلے کا خواب پوری طرح شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ ہوپ کالج، جسے اس نے قائم کیا تھا اور جسے اس کے خاندان نے کروڑوں ڈالر کے عطیات دیئے تھے، کی تیار کردہ

سوانح عمری کے مطابق ''وان راتلے ایک ایسی عیسائی بستی بسانا چاہتا تھا جہاں عیسائی عقائد کی حکرانی ہو مگر 1850ء میں اسے قدرے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب ہالینڈ ٹاؤن شپ کو مقامی حکومت کا درجہ مل گیا اور اس وجہ سے عیسائیت کا مکمل کنٹرول ممکن نہ رہا۔ اب وان راتلے نے ہالینڈ میں اپنی خیالی جنت بسانے کے لیئے متبادل ذرائع کی تلاش شروع کی۔ سیاست میں سرگرم ہونے اور وسیع قطعات اراضی کا مالک ہونے کی وجہ سے اسے اثر ورسوخ حاصل تھا۔ اگرچہ مکمل عیسائی بستی کے لیئے درکار بہت سے وسائل اب میسر نہ رہے تھے، وان راتلے وہاں کے اکلوتے کلیسا کا اب بھی سربراہ تھا، ڈسٹرکٹ اسکول بورڈ کا رکن تھا، سب سے بڑا زمیندار تھا اور کاروباری حیثیت سے وسیع جائیداد بنا چکا تھا۔ یہی بات ایڈگر پرنس اور اب ایرک کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے جو وان راتلے کی موت کے قریباً ایک سو سال بعد پیدا ہوا تھا۔

قدامت پرست ڈچ ریفارم چرچ، جس سے وان راتلے اور اس کا خاندان مذہبی رہنمائی حاصل کرتے تھے، کے عقائد ساتویں صدی عیسوی کے ایک پادری جان کیلون کی تعلیمات پر مبنی تھے۔ اس فرقے کا ایک اہم عقیدہ یہ تھا کہ خدا نے ہدایت یافتہ اور گمراہ لوگوں کا تعین پہلے سے کیا ہوا ہے۔ یہ لوگ ان خدائی معاملات میں انسانی مداخلت کے قائل نہیں تھے۔ ان کے عقائد میں یہ بھی شامل تھا کہ احکامات خداوندی پر سختی سے عمل کرو اور محنت کش بنو کیونکہ خدا اپنے بندوں کی راہنمائی تو کرتا ہے مگر اپنے حصے کا کام کرنے کا انسان خود ذمے دار ہے۔ یہ فرقہ ان اخلاقی اقدار پر ہمیشہ سے فخر کرتا ہے۔ ہالینڈ کے اس قصبے کا دعویٰ ہے کہ اس کے باسیوں نے اپنے ہاتھ سے جھیل مشی گن تک نہر کھودی جو کاروباری سرگرمیوں میں معاون ثابت ہوئی اور کھدائی کے فوراً بعد نہر پر پل بھی تعمیر کیا۔

اس جفاکشی کی مثال ایرک پرنس کا دادا پیٹر پرنس ہے جو ٹیولپ سٹی پروڈیوس کمپنی کا مالک تھا۔ اس کی موت ایک ٹرک پر ہوئی جس پر سوار ہو کر وہ 21 مئی 1943ء کی صبح وہاں سے تیس میل دور واقع گرینڈ ریپڈز میں ایک کاروباری میٹنگ میں شریک ہونے جا رہا تھا۔ دورانِ سفر اسے دل کا دورہ پڑا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس کا بیٹا ایڈگر اس وقت گیارہ برس کا تھا۔

دس سال بعد جب ایڈگر پرنس مشی گن یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی ڈگری لے کر فارغ ہوا تو اس کی ملاقات ایلسا زوائپ (Elsa Zwiep) نامی ایک لڑکی سے ہوئی جس کے والدین اس شہر میں زوائیپ سیڈ اسٹور چلاتے تھے۔ ایلسا حال ہی میں کیلون کالج سے شعبہ تعلیم اور

عمرانیات میں فارغ التحصیل ہوئی تھی۔ان دونوں نے شادی کرلی اور ایڈگر نے خاندانی دستور کے مطابق امریکی ائیر فورس میں شمولیت اختیار کر لی۔ ایڈگر کی تعیناتی کبھی ساؤتھ کیرولینا اور کبھی کولوریڈو میں ہونے کی وجہ سے یہ جوڑا مشرق اور مغرب کے سفر اختیار کرتا رہتا۔ پیٹر پرنس پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیانی وقفے میں لازمی فوجی خدمت کی عمر کو پہنچا تھا؛ تاہم یہ واضح نہیں کہ اس نے کسی جنگ میں عملاً شرکت کی تھی یا نہیں۔اس کی وفات کے وقت اس کے پانچ میں سے چار بھائی فوج میں خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اگرچہ کالج اور ائیر فورس کے زمانے میں ایڈگر پرنس دور دور تک گھوما پھرا تھا،اس کے آبائی قصبے ہالینڈ نے اسے اور اس کی بیوی کو دوبارہ اپنی طرف کھینچ لیا تاکہ وہ اپنے خاندان کی کٹر مذہبی اور ثقافتی روایات کے مطابق زندگی گزاریں۔

ایڈگر نے اپنی ایک کتاب میں جو اس نے ہالینڈ کے کاروباری علاقے کی بابت لکھی تھی اور جس میں تین ابواب اس کے خاندان کے بارے میں تھے اس بات کا تذکرہ کیا کہ "ہالینڈ رہائش اختیار کرنے کے لئے بہت موزوں ہے کیونکہ ایک تو یہاں ہمارا خاندان آباد ہے اور پھر یہاں تفریحی مواقع بھی وافر موجود ہیں۔ ہمیں اس بستی کا تمدن بھی پسند ہے جس کی بنیاد ولندیزیوں کی مشہور عام عادات،صفائی، ستھرائی، سلیقہ اور محنت شاقہ پر ہے۔کمال پر پہنچنا ہمیشہ ان کا مطمع نظر رہا ہے۔"

ہالینڈ واپسی پر ایڈگر نے کمر کسی اور وہاں ایک ادارے بس مشین ورکس کے ڈائی کاسٹنگ کے شعبے میں کام شروع کردیا جہاں ترقی پاکر وہ چیف انجینئر بن گیا۔مگر اس کے ارادے زیادہ بلند تھے اس لئے جلد ہی اس نے یہ ادارہ چھوڑ دیا۔1965ء میں پرنس اور اس کے دو ساتھی کارکنوں نے گاڑیوں کی صنعت کے لیے ڈائی کاسٹنگ مشینیں بنانے والی اپنی کمپنی قائم کر لی۔ 1969ء میں اس نے سولہ ہزار ٹن وزنی مشین تیار کی جو ہر دومنٹ میں ایک ایلومینیم ٹرانسمیشن کیس تیار کرتی تھی۔ 1973ء تک پرنس کی کارپوریشن خوب ترقی کر چکی تھی اور اس کے مختلف شعبہ جات میں سینکڑوں افراد کام کر رہے تھے۔اسی سال کمپنی نے ایک ایسی پراڈکٹ ایجاد کی جو بالآخر کمپنی کی پہچان بن گئی اور جس کا استعمال دنیا کی تقریباً ہر کار میں ہونے لگا۔اس پراڈکٹ نے ایڈگر پرنس کے ارب پتی بننے کا راستہ ہموار کیا۔یہ پراڈکٹ تھی گاڑیوں میں ڈرائیور کو دھوپ سے بچانے کے لئے لگایا جانے والا قابل حرکت مغفر (Sun Visor)۔

مگر جبکہ پرنس خاندان میں شہرت اور دولت کی بہتات ہو چکی تھی، سولہ تا اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام کرنا ایڈگر پر اپنے اثرات مرتب کر رہا تھا اور 1970ء کے شروع میں اسے بھی اپنے

باپ کی طرح دل کے دورے کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ وہ موقع تھا جب ہسپتال کے بستر پر لیٹے ہوئے اس نے سوچا کہ اس کی محنت شاقہ نے اس کے لئے کیا نتائج پیدا کئے ہیں۔ اسی وقت اس نے یسوع مسیحؑ سے تجدید عہد وفا کیا۔ پرنس کے ایک دوست جو دائیں بازو کے مذہبی عناصر کے ابتدائی رہنماؤں میں شامل تھا اور قدامت پرست عیسائی گروپ ''دی فیملی ریسرچ کونسل'' کا بانی تھا، کا کہنا ہے کہ ایڈگر نے اسی لمحے اپنا اور اپنے بزنس کا مستقبل خدا کے حوالے کر دیا اور اس وقت کے بعد پرنس کارپوریشن کو بے نظیر ترقی اور مالی کامیابی حاصل ہونے لگی۔ ایڈگر پرنس دورہ قلب سے بچ نکلا اور اپنی کمپنی کو حیرت انگیز کامیابی کی راہ پر ڈالنے میں کامیاب ہو گیا۔ پرنس کارپوریشن نے جلد ہی بہت سی دوسری مصنوعات بھی تیار کرنی شروع کر دیں جن میں خاص مقاصد کے لئے استعمال ہونے والے لیمپ، گیراج کے دروازوں کے لئے خصوصی چھجے وغیرہ شامل تھے۔ 1980ء میں پرنس خاندان کی متعدد فیکٹریاں تھیں جن میں 550 سے زیادہ افراد کام کرتے تھے۔ ایرک پرنس کا کہنا ہے ''میرے والد ایک بہت کامیاب کاروباری شخصیت تھے۔ انہوں نے بغیر مال و دولت کے ایک ایسی کمپنی کا آغاز کیا جو شروع میں تو ہائی پریشر ڈائی کاسٹ مشینیں بناتی تھی مگر بعد میں مغربی مشی گن کے بین الاقوامی معیار کے گاڑیوں کے پرزے بنانے والے ادارے کی حیثیت اختیار کر گئی۔ انہوں نے سب سے پہلے کاروں کے لئے ایک ہلکا پھلکا دھوپ سے بچاؤ کا مغفر (Visor) تیار کیا اور اس کا پیٹنٹ حاصل کیا، کاروں کے لئے ڈیجیٹل کمپاس اور تھرمامیٹر تیار کیا اور گیراج کا گیٹ کھولنے کے لئے ایک ایسا آلہ بنایا جو مقررہ وقت پر خود بخود گیٹ کھول سکتا تھا۔ تاہم ان کے سارے کے سارے نئے تجربے کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوئے۔ کئی ایک ناکام بھی رہے۔ میرے والد ان ناکام تجربوں سے مثال دیتے تھے کہ عزم و استقلال کی کیا اہمیت ہے''۔

درج بالا وجہ ہی وہ واحد عنصر نہ تھی کہ پرنس مصنوعات کو ثانوی حیثیت سے دیکھنے لگا تھا۔ پرنس کارپوریشن کے ایک پرانے تعارف نامے میں درج ہے ''افراد کلیدی اہمیت کے حامل ہیں۔ کوئی کمپنی کسی جادو کی بدولت اعلیٰ معیار حاصل نہیں کرتی بلکہ اپنے پرخلوص، محنتی افراد کی وجہ سے اسے یہ رتبہ ملتا ہے۔ ہم مصنوعات کی بات کریں یا ان کی تیاری کے عمل کی' آنے والے کل کی مشکلات کا حل کسی شعبدے یا فارمولے کے ذریعے ممکن نہیں، صرف لوگوں کے ذریعے ممکن ہے۔

ایڈگر پرنس کو نئے اقدامات کرنے کا شوق تھا۔ اس کے افسران پابند تھے کہ ہفتے میں تین دن شام سوا چار تا سوا پانچ بجے ہالینڈ ٹینس کلب میں جمع ہوں اور ٹینس کے ذریعے ورزش کی ضرورت کو پورا

کریں۔ 1987ء میں پرنس نے 135 ایکڑ پر محیط 550,000 مربع فٹ تعمیرات کا افتتاح کیا۔ یہاں اس کی چوتھی فیکٹری تھی اور وہاں کام کرنے والے پندرہ ہزار افراد میں سے اکثر کی رہائش کا انتظام بھی۔ مرکزی علاقے میں قریباً پانچ ہزار فٹ تک بلند و بالا برقی قمقمے نصب تھے اور باسکٹ بال اور والی بال کے میدان بھی تھے۔ وہ اپنے ملازمین سے کبھی بھی اتوار کے دن کام نہیں لیتا تھا اور بیرون شہر کاروباری دوروں پر گئے ہوئے اپنے افسران کو بطور خاص واپس بلا لیتا تھا تاکہ وہ اتوار کا دن اپنے اپنے خاندان کے ساتھ گزار سکیں۔

1980ء کی دہائی میں ڈیٹرائیٹ کی آٹو موبائل صنعت مشکلات سے دوچار ہو رہی تھی مگر ہالینڈ سینٹی نل کی ایک خبر کے مطابق ''آپ پرنس کارپوریشن سے ایسی کوئی شکایت نہیں سنیں گے''۔ ایرک پرنس نے ایک مصنف رابرٹ ینگ پیلٹن کو بتایا کہ ''میرے خاندان کا بزنس گاڑیوں کے لئے پرزوں کی فراہمی ہے اور دنیا میں سخت ترین مقابلہ اسی میدان میں ہے۔ میرے والد کی تمام توجہ معیار' مقررہ مقدار اور گاہکوں کی تسلی و تشفی پر مرکوز رہتی تھی اور رات کے کھانے پر بھی ہم یہی باتیں کرتے تھے''۔ مگر ایڈگر پرنس کا مقصد صرف اپنے بزنس اور اس کے کارکنوں کی کامیابی تک محدود نہیں تھا اور پیسے کی فراوانی نے اسے اپنے بلند تر مقصد کی تکمیل کے وسائل بھی فراہم کر دیئے تھے۔ یہ مقصد تھا قدامت پرست عیسائی اغراض و مقاصد کے کے لئے بے دریغ خرچ کرنا۔ گیری بوویر کے مطابق ایڈگر پرنس بادشاہ گر نہیں' سلطنت گر تھا۔ اس کے نزدیک ذاتی کامیابی ثانوی حیثیت کی حامل تھی اور فوقیت اس بات کو حاصل تھی کہ عیسائی تعلیمات کا فروغ ہو اور معاشرے کے اخلاقی رویوں کو بحال کیا جائے۔

1980ء کی دہائی میں پرنس فیملی کا رشتہ امریکہ کے محترم ترین قدامت پسند خاندانوں میں سے ایک کے ساتھ قائم ہو گیا جب ایرک پرنس کی ہمشیرہ بیسٹی (Besty) نے ڈک ڈیووس سے شادی کی۔ ڈک کے والد نے ایک ملٹی لیول مارکیٹنگ فرم ایموے (Amway) قائم کی تھی اور بتدریج آرلینڈو میجک باسکٹ بال ٹیم کا مالک بن گیا تھا۔ ایموے مقامی مصنوعات کی تقسیم کا ایک طاقتور ادارہ تھا اور اس پر الزام تھا کہ یہ ایک مذہبی فرقے کی مانند چلایا جاتا تھا۔ 1990ء کی دہائی میں یہ کمپنی امریکی انتخابات میں سب سے زیادہ چندہ فراہم کرنے والے تجارتی اداروں میں سے ایک تھی۔ یہ زیادہ تر ری پبلکن امیدواروں کو ہی چندہ فراہم کرتی تھی اور اپنے کاروباری اثر و رسوخ کو اپنے سیاسی مقاصد کے فروغ کے لئے استعمال کرتی تھی۔ ایموے کا زیادہ تر انحصار اپنے

پانچ لاکھ سے زائد امریکی ''خودمختار'' ڈسٹری بیوٹرز پر تھا جو ان سیاسی مقاصد کے لئے مذہبی جنونیوں کی طرح سرگرم تھے۔ اپنی کمپنی کے صابن، وٹامن، ڈٹرجنٹ اور دیگر گھریلو اشیاء فروخت کرنے کے ساتھ وہ ایموے کے فلسفے کو بھی آگے بڑھاتے تھے جیسا کہ مدر جانز میگزین نے کمپنی کی کرتوتوں کی بابت 1996ء میں لکھا۔ ''وہ آپ سے کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہو جائے ہمیشہ قدامت پسندوں کو ووٹ دیں۔ آزاد خیال لوگ ہم جنس پرستی کے حامی ہیں اور عورتوں کو گھروں سے باہر نکلنے کی اجازت دیتے ہیں۔'' ایک سابقہ ایموے ڈسٹری بیوٹر، کیرن جونز نے میگزین کو بتایا'' وہ کہتے ہیں کہ ہم ہر چیز کو وہاں دیکھنا چاہتے ہیں جہاں اسے ہونا چاہیے''۔ کہا جاتا ہے کہ ایموے کے اکابرین نے اپنے جلوسوں اور اکسانے والے ٹیپ شدہ پیغامات کے ساتھ ساتھ وائس میل پیغامات بھی استعمال کئے تاکہ اپنے ڈسٹری بیوٹرز کو ایک بھرپور مقامی سیاسی قوت کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔

بیٹسی اور ڈک کی شادی سے دو خاندانوں کا اسی طرح الحاق ہوا جیسا کہ یورپ کے شاہی خاندانوں میں ہوا کرتا تھا۔ ڈیووس خاندان مشی گن کے ان معدودے چند خاندانوں میں سے ایک تھا جن کی قوت اور اثر ورسوخ پرنس خاندان سے زیادہ تھا۔ وہ امریکی تاریخ کے ان بڑے کرداروں میں سے ایک تھے جو ہمیشہ انتہا پسند عیسائی سیاست دانوں کو اعلیٰ عہدے دلوانے کے لیے اپنی دولت پانی کی طرح بہاتے تھے۔ بیٹسی اور ڈک کچھ عرصہ پرنس فیملی اور ایرک، جو اپنی ہمشیرہ سے نو سال چھوٹا تھا، کی رہائش گاہ سے کچھ ہی دور مقیم رہے۔

1988ء میں گیری بوویر اور ''فوکس آن دی فیملی'' کے بانی جیمز ڈابسن نے ایک ایسے ادارے کی تعمیر شروع کی جو فیملی ریسرچ کونسل (FRC) کے نام سے جانا گیا۔ مصمم ارادے، اثر و رسوخ اور کٹر قدامت پرست انجیلی فرقے کے خیالات کا حامل یہ ادارہ اپنے قیام کے زمانے سے ہی ہم جنس شادیوں کی مخالفت، عیسائی اسکولوں میں اسقاط حمل کی تعلیم کی ممانعت اور سٹیم سیل (Stem - Cell) ریسرچ کی مخالفت میں پیش پیش رہا ہے۔ اس ادارے کے عملاً قیام کے لئے رقم کی ضرورت پڑی تو انہوں نے ایڈگر پرنس سے رجوع کیا۔ بوویر کہتا ہے'' جب میں نے اور جیمز ڈابسن نے دیکھا کہ ہمارے پاس FRC کے لئے مطلوبہ مالی وسائل نہیں ہیں تو ایڈگر اور اس کے خاندان نے اس رخنے کو پاٹا۔ میں بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ ایڈگر ایلسا اور ان کے بچوں کے تعاون کے بغیر'' فیملی ریسرچ کونسل'' نام کی کوئی چیز نہیں ہو سکتی تھی۔ ننھا ایرک FRC میں بوویر

کے اولین شاگردوں میں سے ایک تھا۔ یہ بھی دائیں بازو کے ان بہت سے مقاصد میں سے ایک تھا جس کے لئے پرنس فیملی نے ڈیووس فیملی کے ساتھ مل کر رقوم فراہم کیں اور یہ کاوشیں بالآخر 1994ء میں ری پبلکن انقلاب کی صورت میں بارآور ثابت ہوئیں جب نیوٹ گنگرچ (Newt Gingrich) اپنے دائیں بازو کے ایجنڈے کے ساتھ، جسے "کنٹریکٹ ودامریکہ" کہا جاتا ہے امریکی کانگریس میں پہنچ گیا اور چالیس سال میں پہلی مرتبہ طاقت کا توازن ڈیموکریٹس کے مخالف ہوگیا۔ اس "انقلاب" کی مدد کے لئے ڈیووس کی کمپنی ایموے نے ری پبلکن پارٹی کو ڈھائی ملین ڈالر فراہم کئے جو امریکی تاریخ میں کسی بھی سیاسی پارٹی کو باضابطہ ملنے والا سب سے بڑا نقد چندہ تھا۔ 1996ء میں ایموے نے ری پبلکن پارٹی کے سان ڈیگو کنونشن اور وزٹرز بیورو کے لئے 13 لاکھ ڈالر کا چندہ دیا تاکہ ایک مشہور ریڈیو پروگرام کے دوران پارٹی کے تشہیری اعلانات نشر ہونے کی ادائیگی کی جاسکے۔

ایرک کی ہمشیرہ بیٹسی ڈیووس 1996ء سے 2000ء تک اور دوبارہ 2003 سے 2005ء تک ری پبلکن پارٹی کی مشی گن میں سربراہ رہی اور اس نے امریکی سینٹ کا انتخاب لڑنے کی بھی کئی مرتبہ کوشش کی۔ وہ جارج ڈبلیو بش کی انتخابی مہم کے لئے چندہ جمع کرنے والوں میں بھی شامل رہی اور اس نے ایک لاکھ ڈالر سے زائد اس مقصد کے لئے اکٹھے کئے۔ اس کا خاوند، ڈک، 2006ء میں گورنر کے عہدے کے لئے ری پبلکن پارٹی کا امیدوار تھا مگر وہ یہ مقابلہ ہار گیا تھا۔ مشی گن کی سیاست پر گہری نظر رکھنے والے کہتے ہیں کہ ریاست کی سیاست میں ڈیووس خاندان کو بلا مبالغہ بہت زیادہ اثر ورسوخ حاصل ہے۔ کیلون کالج کے پولیٹیکل سائنس کے پروفیسر ڈوگ کوپمین کے مطابق "مشی گن میں ری پبلکن پارٹی کے کسی بھی اہم عہدے کے خواہش مند کے لئے ضروری ہے کہ وہ ڈیووس خاندان کی سرپرستی حاصل کرے۔ یہ خاندان نہ صرف ناگزیر رقم فراہم کرتا ہے بلکہ یہ بھی طے کرتا ہے کہ امیدوار مطلوبہ عہدے کا اہل ہے یا نہیں۔

پرنس اور ڈیووس خاندان مشی گن فیملی فورم (MFF) کے قیام میں بھی پیش پیش رہے جو جیمز ڈابسن کے "فوکس آن دی فیملی" کی ریاستی شاخ تھا۔ پرنس خاندان نے نہ صرف MFF کو ہزاروں ڈالر فراہم کئے بلکہ ایرک پرنس کی ایک دوسری ہمشیرہ ایمیلی ویرڈا (Emilie Wierda) نے اس کے مالی امور کی دیکھ بھال کی ذمے داری بھی نبھائی۔ MFF نے قدامت پرست گرجوں میں ووٹرز کو متحرک کیا کہ وہ دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے قانون سازوں کی

حمایت کریں۔ 1990ء کے اوائل سے MFF نے ایک پس پردہ تحریک شروع کی۔ چرچ سے تعلق رکھنے والوں پر مشتمل ایک ہزار سے زائد کمیٹیاں قائم کی گئیں جن کا مقصد عوامی نظروں سے اوجھل رہ کر دائیں بازو کے مقاصد کو فروغ دینا تھا۔ اس طرح کام کرنے کا جو فائدہ تھا وہ دائیں بازو کی دوسری تنظیموں کو حاصل نہیں تھا۔ رس بیلانٹ (Russ Ballant) نے 1996ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب ''دی ریلیجیس رائٹ ان مشی گن پولیٹکس'' میں لکھا ''چونکہ ان کی بنیاد گرجا گھروں میں ہے اس لیے ان کی سرگرمیاں سیاسی نظروں سے پوشیدہ رہتی ہیں۔ اور چونکہ سربراہان گرجا کے بجائے عام افراد ان گروہی سرگرمیوں کو چلاتے ہیں' ان کی تشہیر فورم کے ارکان کے علاوہ عام طور پر نہیں ہوتی''۔ MFF نے مشی گن دعائیہ گروپ بھی تشکیل دیا جو'' دعائیہ جنگجوؤں'' پر مشتمل تھا اور جنہیں ریاست کے تقریباً سارے ہی قانون سازوں کے پیچھے لگا دیا گیا تھا۔ ان گروہوں کو اپنے نظریات سرعام پیش کرنے کی تو ممانعت تھی مگر قانون سازوں کو اسکولوں کے انتخاب یا ہم جنس پرستوں کے حقوق کی مخالفت جیسے معاملات پر دعا میں شمولیت کی دعوت دینا بھی درحقیقت اپنے نظریے کے فروغ کی ہی ایک کاوش کہی جا سکتی ہے۔

اپنے بٹوے کا منہ دائیں بازو کے عیسائیوں کے لئے کھولنے کے ساتھ ساتھ ایڈگر پرنس ہالینڈ کے تمام لوگوں کے لئے بھی مربی و سرپرست بن گیا تھا۔ اس نے ہوپ کالج کو کئی ملین ڈالر دیئے جسے اس کے جد امجد البرٹ وان راتلے نے قائم کیا تھا۔ اس نے ہوپ کالج کے حریف کیلون کالج کی بھی مدد کی جہاں سے اس کی بیوی نے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس نے اور ایلسا نے تقریباً اکیلے ہی ہالینڈ کے تجارتی علاقے کی از سر نو منصوبہ بندی کی اور اسے مڈویسٹ کے دوسرے سینکڑوں چھوٹے شہروں کی طرح معاشی کساد بازاری کا شکار ہونے سے بچا لیا جو ناقص شہری منصوبہ بندی، کاموں کے ٹھیکے پر دیئے جانے، تخفیف کارکنان اور امریکی پیداواری صنعت کے عمومی زوال کی وجہ سے تھا۔ پرنس خاندان نے تجارتی علاقے میں ایک سنٹر'' ایورگرین کامنز (Evergreen Commons) کے نام سے قائم کرنے میں بھی معاونت کی جس کا مقصد شہر کے تاریخی آثار کی حفاظت اور بحالی تھا۔ ان کی جدوجہد شہر کی ایسی منصوبہ بندی کے لئے تھی جس کی وجہ سے شہر آئندہ کئی نسلوں تک پھلتا پھولتا رہے اور اس کی ولندیزی شناخت بھی برقرار رہے۔
انہوں نے 1892ء سے قائم شدہ اسٹون کلاک ٹاور کو بچانے جیسے کئی منصوبوں میں ذاتی دلچسپی لی۔ یہ ٹاور ناقابل مرمت قرار دیئے جانے سے قبل شہر کی پہچان سمجھا جاتا تھا۔ تجارتی علاقے کی

ترقی کی بابت ایڈگر پرنس کے کئی ایک خیالات دیوانگی کی حدوں کو چھونے لگے تھے۔ 1980ء کی دہائی کے اواخر میں اس نے ایک مہم چلائی کہ تجارتی علاقے میں گرم پانی کے زیر زمین پائپ بچھائے جائیں جس سے برف پگھل جایا کرے اور مشی گن کی شدید ترین سردیوں کے دنوں میں بھی راہ گیر بغلی راستوں سے بآسانی گزر سکیں۔ جب شہریوں نے گیارہ لاکھ ڈالر کے اس منصوبے کی مخالفت کی تو اس نے ایک چوتھائی رقم کا بندوبست اپنی گرہ سے کر دیا۔

ایڈگر پرنس نے اپنی مذہبی اور کاروباری ذمے داریوں میں توازن برقرار رکھا۔ گیری بووئیر نے 1995ء میں پرنس کے بارے میں لکھا ''ایڈگر نے فیملی ریسرچ کونسل کی ہر آڑے وقت میں بھرپور اعانت کی، مثلاً اس وقت جب سپریم کورٹ کا اسقاط حمل کی حمایت میں غیر متوقع فیصلہ آیا اور جب 1992ء میں کانگریس میں خاندانی نظام کے مخالف لوگوں کو برتری حاصل ہوئی اور جب حالیہ مہینوں میں کچھ لوگوں نے خاندانی روایات پر نظر ثانی کرنے اور شادی کی اہمیت گھٹانے کی مہم چلائی''۔ پرنس کارپوریشن نے عروج کا سفر جاری رکھا اور بووئیر کے خیال میں یہ عروج انجیل مقدس کے اصولوں کی وجہ سے تھا۔

1992ء میں کمپنی کے پاس 2250 ملازم تھے۔ 1995ء کے شروع میں یہ تعداد بڑھ کر 4,000 ہو گئی اور کمپنی کا سالانہ زر فروخت 400 ملین ڈالر تک پہنچ گیا۔ پرنس نے اپنی کاروباری مہارت کا رشتہ ہالینڈ کی خوشحالی سے بھی جوڑا ہوا تھا۔ اس نے لومیر کارپوریشن قائم کی جو ہالینڈ کے تجارتی علاقے کا سب سے بڑا ترقیاتی ادارہ بن گئی اور جسے 25 لاکھ ڈالر کی مالیت کا ٹھیکہ برائے ''تعمیر ایور گرین کا منز سینٹر'' ملا۔ تاہم پرنس خاندان جلد ہی ایک سانحے کا شکار ہونے جا رہا تھا۔

12 مارچ 1995ء کو دوپہر ایک بجے ایڈگر پرنس کارپوریشن کے صدر جان اسپوئل ہاف سے جو اس کا پرانا دوست تھا اور جس کے ساتھ ایک ہفتہ قبل وہ کولوریڈو میں اسکیئنگ (Skiing) کے لئے گیا تھا، معمول کی ملاقات کی۔ انہوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا اور پرنس اپنی کمپنی کے ہیڈ کوارٹر کی لفٹ میں داخل ہو گیا۔ لفٹ میں ہی اسے دل کا شدید دورہ پڑا اور پندرہ منٹ بعد اسے فرش پر گرا ہوا پایا گیا۔ دو ملازمین نے مصنوعی طریقے سے اس کا سانس بحال کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر وہ جانبر نہ ہو سکا اور ایک گھنٹے کے اندر اسے مردہ قرار دے دیا گیا۔ اسپوئیل ہاف کہتا ہے ''میں نے اسے اس کی موت سے غالباً صرف دو منٹ پہلے دیکھا تھا۔ میں

Rehan Ahmed
http://www.rehanahmed.com

نے اس کی چہرے کے تاثرات اور رنگت دیکھی تو وہ بالکل نارمل تھا۔ میں کئی برس سے اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ اگر اس کی رنگت میں ذرا بھی تبدیلی ہوئی ہوتی مجھے ضرور پتہ چل جاتا''۔

جیسا کہ بادشاہوں، سربراہان مملکت اور دیگر اکابرین کی موت پر ہوتا ہے، پورا ہالینڈ شہر رنج والم میں ڈوب گیا۔ پرچم سرنگوں کر دیا گیا۔ علاقے کے ہر اخبار نے صفحہ اول پر اس کی مدح خوانی کی۔ ایک ہزار سے زائد افراد کرائیسٹ میموریل ریفارمڈ چرچ میں انجیلی فرقے کے لیڈروں، جیمز ڈابسن اور گیری بووپر کو سننے کے لئے جمع ہو گئے جنہوں نے ایڈگر کو اپنا گرو قرار دیا۔ بووپر نے تذکرہ کیا کہ کس طرح پرنس نے شدید اصرار کیا تھا کہ واشنگٹن ڈی۔ سی۔ میں فیملی ریسرچ کونسل کے نئے ہیڈ کوارٹر پر صلیب ضرور نصب کی جائے جو صدر، ارکان سپریم کورٹ اور کانگریس کو یاد دہانی کراتی رہے کہ'' خدا کے فیصلے کے مطابق یہ ایک قوم ہے''۔ لیک شور کے گرینڈ ریپڈز پریس نے ایک ضمیمہ شائع کیا جس میں پرنس کو'' ایک مرد عیسائی'' کے نام سے یاد کیا گیا۔ عزت مآب رین بروخویزن نے کہا'' ایڈگر پرنس ایک غیر معمولی شخص تھا جس نے ہمیشہ یسوع مسیحؑ کی سربلندی کے مقصد کو پیش نظر رکھا''۔ کلیسیا کے اسی سربراہ نے پانچ سال بعد ایڈگر کی بیوہ سے شادی رچالی۔

اپنے باپ کی موت کے وقت ایرک پرنس بحریہ میں خدمات انجام دے رہا تھا اور بوسنیا، ہیٹی اور مشرق وسطیٰ کے لئے تعینات بیڑے پر موجود تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے باپ سے صرف ایک ہفتہ قبل ہی ملا تھا جب ایرک کی بیٹی کے بپتسمہ کے موقع پر ایڈگر نے اس کی پیشانی پر صلیب کا نشان بنایا تھا۔ ایرک کو یاد تھا کہ اس کے باپ نے اسے سکھایا تھا کہ کسی کام کو کبھی ناممکن مت سمجھنا۔ اپنی وفات کے وقت ایڈگر اور ایلسا کی شادی کو 41 برس ہو چکے تھے اور انہوں نے ایرک کے علاوہ تین بیٹیوں کی بھی پرورش کی تھی۔ ایڈگر کی وفات کے بعد ایرک نے ہالینڈ سینٹینل کو بتایا'' میرے والد اپنے اہل خانہ کے لئے ایک گڈریئے کی طرح تھے۔ انہیں جب بھی موقع ملتا وہ تمام اہل خانہ کو جمع کرتے اور اس بابت تمام انتظامات پوری تفصیل کے ساتھ کرتے۔ ایرک اس پر تو خوش تھا کہ اس کی پہلی بیٹی صوفیہ کے بپتسمے کے موقع پر والد صاحب موجود تھے مگر اس خوشی میں رنج ملال بھی شامل تھا'' مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ میرے بچے انہیں کبھی جان نہیں پائیں گے۔ میری خواہش تھی کہ بچے ان سے گھل مل سکتے اور ان سے سیکھ سکتے''۔

ایرک پرنس اپنے باپ سے بے حد متاثر تھا اور اس نے بچپن ہی سے ان کے نقش قدم

پر چلنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔ بچپن ہی سے ایرک بہت پھرتیلا تھا۔ ہالینڈ کرچیین سکولوں میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے زمانے میں وہ فٹ بال باسکٹ بال وغیرہ بھی کھیلا کرتا تھا۔ اس کے اسکول کٹر مذہبی قسم کے تھے اور وہ اپنے سالانہ جرائد میں کئی کئی صفحات انجیل کی آیات اور منتر پیش کرنے میں صرف کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس کے سالانہ جریدے کے تیسرے صفحے پر درج تھا "خدا کی بادشاہت میں تمام زندہ اشیاء عیسیٰ علیہ السلام کی پیش کردہ انسانیت کی تشکیل نو کے لئے جی رہی ہیں۔ تمام جستجو اور تلاش اور ایجادات اور جو کچھ بھی ہم کر سکتے ہیں اسی لئے ہے"۔ گیری بوویر ایڈگر اور ایرک کے مابین خصوصی تعلق کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے "ایرک پرنس جو اپنے والدین کی واحد نرینہ اولاد تھا اور جو FRC کا پہلا کالج لیول کا تربیتی تھا، یقیناً اپنے باپ کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ کالج کی طالب علمی کے زمانے میں ایرک نہ صرف فیملی ریسرچ کونسل کے لئے کام کرتا تھا بلکہ وہ اپنے باپ کے سانچے میں ڈھلنے کے لئے بھی کوشاں تھا۔ ہائی سکول کے بعد وہ نیول اکیڈمی میں داخل ہوا تا کہ نیوی پائلٹ بن سکے مگر تین سیمسٹر بعد اسے چھوڑ کر ہلز ڈیل کالج میں داخل ہو گیا جو مشی گن میں فنون لطیفہ کا کالج تھا اور سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی تبلیغ کرتا تھا۔ 2000ء کے پرنسٹن ریویو کے جائزے کے مطابق یہ کالج امریکہ کا سب سے زیادہ قدامت پسند کالج تھا۔

ایرک کے پروفیسر گیری وولفرام (Gary Wolfram) کے مطابق ایرک ایک ذہین اور خوشگوار شخصیت کا حامل شخص تھا اور اچھی گفتگو کر سکتا تھا۔ اس کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ منڈی اور سیاسی نظام کے باہمی تعلق کو سمجھتا تھا۔ پرنس کی طبیعت میں بھی مہم جوئی کا شوق شامل تھا اور کالج کے زمانے میں اس نے یہ شوق اس طرح پورا کیا کہ کالج کے آگ بجھانے والے رضا کاروں میں شامل ہو گیا۔

ایرک جوں جوں بڑا ہوتا گیا دائیں بازو کی سیاست میں اس کی دلچسپی بڑھتی گئی اور اس نے جارج ایچ۔ ڈبلیو بش کے زمانے میں وائٹ ہاؤس میں ایک چھ ماہ کے تربیتی کورس میں بھی شرکت کی۔ اسی تربیت کے دوران انیس سالہ پرنس نے اپنا پہلا سیاسی چندہ بھی دیا۔ یہ 15000/= ڈالر تھے جو اس نے نیشنل ری پبلکن کانگریشنل کمیٹی کو دیئے۔ تب سے اب تک پرنس، اس کی آنجہانی بیوی جون (Joan) اور اس کی موجودہ بیوی جوانا (Joanna) وفاقی انتخابی مہموں کے لئے 244,800 ڈالر چندہ دے چکے ہیں اور اس میں سے ایک دھیلا بھی ڈیموکریٹس کو نہیں دیا گیا۔ اس نے اب تک جیسے ہیلمز (Jesse Helms)، اولی نارتھ (Ollie

(Norh رچرڈ پامبو (Richard Pombo)، اسپنسر ابراہم (Spencer Abraham) ڈک کرائیسلر (Dick Chrysler)، رک سنتورم (Rick Santourm) ٹام کوبرن (Tom Coburn)، ٹام ڈیلے (Tom Delay)، جم ڈی منٹ (Jim Demint) مائیک پینس (Mike Pence)، ڈنکن ہنٹر (Duncan Hunter) وغیرہ جیسے افراد کی حمایت کی ہے۔ پرنس نے کچھ عرصہ کانگریس میں ڈانا روہرابیکر (Dana Rohrabacher) کے دفتر میں بھی کام کیا۔ 1992ء میں وہ سخت موقف رکھنے والے صدارتی امیدوار پیٹ بکانان (Pat Buchanan) کی انتخابی مہم کے بارے میں بہت پرجوش ہو گیا۔ جو جارج بش کے مقابلے میں ری پبلکن پارٹی کا امیدوار بننا چاہتا تھا اور اس کا انتخابی ایجنڈا تارکین وطن، اسقاط حمل اور ہم جنس پرستی کی شدید مخالفت پر مبنی تھا۔ پرنس کی بکانان کے لئے حمایت اس کے اور اس کی ہمشیرہ بیسٹی کے درمیان جھگڑے کا بھی سبب بنی جو بش کے دوبارہ انتخاب کے لئے سرگرم تھی؛ تاہم ایڈگر اور ایرک بش کے پرستاروں میں سے نہیں تھے۔ ایرک نے 1992ء میں گرینڈ ریپڈ پریس کو بتایا ''میں نے بش انتظامیہ کے ساتھ چھ ماہ بطور ایک تربیتی کے گزارے ہیں۔ میں نے وہاں بہت سے ایسے کام ہوتے دیکھے جن سے میں متفق نہیں ہوں۔ ہم جنس پرستوں کا وہاں مدعو کیا جانا، بجٹ پر سمجھوتہ کلین ایئر ایکٹ اور اسی قبیل کے دوسرے کام جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انتظامیہ قدامت پرستوں کے لئے باعث تشویش معاملات سے بالکل لاپرواہ ہے۔

ایرک نے ہلنڈ ڈیل میں بکانان کی انتخابی مہم کے لئے کام کرنا شروع کر دیا اور ایڈگر نے مالی مدد فراہم کی۔ مگر ایرک کا عوامی سیاست میں شرکت کا جوش تھوڑا عرصہ ہی برقرار رہا۔ اگلے برس اس نے ملٹری میں دوبارہ شمولیت اختیار کر لی اور 1992ء میں آفیسر کینڈیڈیٹ اسکول کے ذریعے سیل (Seal) کی ٹیم نمبر 8 کا حصہ بن کر اس سفر کا آغاز کیا جو آخر کار اسے مویوک، نارتھ کیرولینا تک لے گیا۔ نارفوک (Norfolk) میں ٹیم نمبر 8 میں گزارے ان چار سالوں کے دوران اس کی ملاقات کئی ایسے افراد سے ہوئی جنہوں نے بعد ازاں اس کے ساتھ مل کر بلیک واٹر کی بنیاد رکھی۔ ایرک اپنی اس جاب سے خوش تھا اور اس کے اہل خانہ بھی۔ ایڈگر کی وفات کے کچھ ماہ بعد اس کی بیوی نے بتایا 'ایڈگر کی ہمیشہ یہ خواہش تھی کہ اس کے بچے وہی بنیں جو وہ چاہتے ہیں اور جس کے لئے ان کے اندر صلاحیت ہے''۔

ایڈگر پرنس کی موت کے کچھ ماہ بعد یہ محسوس کیا جانے لگا کہ پرنس کارپوریشن کی ساکھ کو ایڈگر کے بعد بھی قائم رکھنے کا کام پرنس خاندان کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ ایلسا کمپنی کے بورڈ کی چیئر مین بن گئی اور ایرک کو بھی کمپنی کے معاملات سیدھے کرنے میں مدد کرنے کے لئے آنا پڑا۔ علاوہ ازیں ابھی حال میں اس کی بیوی میں ایک مہلک کینسر کی تشخیص ہوئی تھی۔ ان حالات میں کل وقتی ملٹری ملازمت ممکن نہ رہی۔

مگر نوجوان پرنس اپنی کارپوریشن کا سربراہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ لہٰذا 22 جولائی 1996ء کو جب کہ ایڈگر کو رخصت ہوئے ایک سال سے کچھ ہی عرصہ زیادہ ہوا تھا' بہت غور و فکر کے بعد اس نے کئی ایک خریداروں میں سے جانسن کنٹرولز کا انتخاب کیا اور کارپوریشن ان کے ہاتھ بعوض 1.35 بلین ڈالر نقد فروخت کرنے کا معاہدہ کر لیا۔ معاہدے میں یہ شرائط شامل تھیں کہ کارپوریشن کا نام نہیں بدلا جائے گا، نہ ملازمین کو نکالا جائے گا اور نہ ہی کام کرنے کا وہ مخصوص ماحول بدلا جائے گا جو کئی برسوں سے چلا آ رہا تھا۔ مقامی اخبارات نے بہت جوش و خروش کے ساتھ اس واقعے کی رپورٹنگ کی اور ایلسا کا یہ بیان نقل کیا کہ'' ہماری دعاؤں کے جواب میں خداوند نے ہمارے لئے صحیح موقع' درست وقت پر پیدا کر دیا۔ امید ہے نئے خریدار کمپنی کی شہرت کو امریکہ سے باہر دور دور تک پہنچا سکیں گے''۔ تاہم کچھ سال بعد یہ اثرات مرتب ہوئے کہ سینکڑوں آسامیاں میکسکو منتقل کر دی گئیں' پرنس کا نام کمپنی سے ہٹا دیا گیا اور کچھ مقامی فیکٹریوں کو بند کر دیا گیا۔

اگرچہ ایڈگر پرنس کا ہالینڈ میں اثر و نفوذ بطور ایک صنعتکار تو کم ہوتا گیا مگر جو سیاست اور مذہبی عقائد اس نے پروان چڑھائے تھے اور جو اثرات اس نے کاروباری علاقے پر مرتب کئے تھے ان کی نمو مسلسل جاری رہی۔ ایڈگر کی زندگی میں پرنس خاندان سیاست میں کھلم کھلا حصہ نہیں لیتا تھا، ان کا سیاسی کردار صرف مالی اعانت تک محدود تھا۔ اس کی وفات کے بعد ایلسا پرنس نے دائیں بازو کے سیاسی مقاصد کے حق میں بے دھڑک بولنا شروع کر دیا۔ 2004ء میں اس نے مشی گن میں ہم جنس شادیوں کی مخالفت میں کامیاب مہم چلانے کے لئے سب سے زیادہ چندہ دیا اور 75 ہزار ڈالر اپنی جیب سے ادا کئے۔ وہ فیملی ریسرچ کونسل اور فوکس آن دی فیملی اور کئی دوسری دائیں بازو سے تعلق رکھنے والی تنظیموں کے بورڈ میں شامل رہی۔ 2003ء میں اس نے ہالینڈ سینٹینل (Holland Sentinel) کو انٹرویو میں کہا'' میری زیادہ تر توجہ ایسے کاموں کی طرف ہے جو یسوع مسیح کے فرمانوں کے مطابق ہمیں کرنے چاہئیں تاکہ ہم ان کے اوران کی

تعلیمات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جان سکیں۔ ایڈگر ایلسا اور اس کے نئے خاوند، رین نے کل ملا کر 556,000 ڈالر ری پبلکن امیدواروں اور پولیٹیکل کمیٹیوں کو چندے میں دیئے۔ وہ کروڑوں ڈالر اس کے علاوہ ہیں جو انہوں نے خفیہ طور پر دائیں بازو کے مقابلہ کے لئے خرچ کیے۔ قومی سطح پر اور خاص کر ریاست مشی گن میں ڈیووس اور پرنس خاندان قدامت پسند عیسائی تحریک کے سب سے بڑے سرپرست ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے مشی گن میں اسکول واؤچر شروع کرانے کی غرض سے بہت شدت سے مہم چلائی جو کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکی۔ صرف ڈیووس فیملی نے 2000ء میں 3 ملین ڈالر سے زائد قدامت پرستی کی تعلیم کے فروغ پر خرچ کیے۔

ایرک پرنس نے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کام کرنے کے طور طریقوں اور دائیں بازو کے مذہبی مقاصد کے لئے کام کرنے کا جذبہ اپنایا مگر کسی قدر تبدیلی کے ساتھ۔ بقول مصنف رابرٹ ینگ پیلٹن، جسے پرنس تک غیر معمولی رسائی حاصل تھی ''ایرک ایک رومن کیتھولک ہے۔ کافی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کے عقائد پر قائم ہے مگر سچ یہ ہے کہ وہ رومن کیتھولک عقیدہ اپنا چکا ہے''۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے اعلیٰ افسران جو بعد میں پرنس کی بلیک واٹر ایمپائر کا حصہ بنے سب رومن کیتھولک ہیں، جب پرنس کی بیوی جون، کا انتقال ہوا تو اس کے آبائی شہر شینک ٹیڈی (Schenectady) نیویارک میں بھی اور خاندان کے رہائشی شہر مکلین، ورجینیا میں بھی اس کی آخری رسومات کیتھولک طریقے پر ادا کی گئیں۔ 1997ء میں ایرک پرنس نے، جو اس وقت امریکی بحریہ میں لیفٹیننٹ تھا، ایک کتاب کا تعارف لکھا جس کا نام تھا ''کرسچن فادر ہوڈ: دی ایٹ کمٹمنٹس آف سینٹ جوزف کو ونینٹ کیپرز''۔ اس نے لکھا ''یہ مرد حضرات کو وہ بنیادی تربیت فراہم کرتی ہے جس کی انہیں اپنا مشن مکمل کرنے کے لیے ضرورت ہے۔'' اس وقت پرنس خود دو بچوں کا باپ تھا۔ کتاب کا مصنف، اسٹیفن وڈ، فیملی لائف سینٹر انٹرنیشنل کا بانی ہے جو کیتھولک نظریات کا حمایتی ایک ادارہ ہے جس کا مقصد ہے ''ایسا اخلاقی مواد فراہم کرنا جس سے خاندانوں میں اپنے عقائد سے محبت کا رشتہ گہرا ہو اور اس طرح آج کے معاشرے پر اثر انداز ہوا جاسکے۔ ہم باپوں پر توجہ دیتے ہیں اور انہیں یہ مقصد حاصل کرنے کے وسائل فراہم کرتے ہیں''۔ اس اخلاقی مواد میں ''اے پیرنٹس گائیڈ ٹو پری وینٹ ہوموسیکسوالٹی اینڈ بریسٹ کینسر (A Parents Guide To Prevent Homosexuality and Breast Cancer) اور ''دی پِل'' (The Pill) جیسی بہت سی کتابیں شامل ہیں۔

اپنے باپ کی طرح جو دائیں بازو کے پروٹسٹنٹ انجیلی مذہبی مقاصد کے لئے رقومات مہیا کرتا تھا، پرنس نے انتہا پسند کیتھولک تنظیموں کی مالی اعانت شروع کر دی۔ 1999ء میں اس نے کیتھولک آنسرز نامی ایک تنظیم کو 25,000 ڈالر فراہم کئے۔ یہ تنظیم سان ڈیگو سے تعلق رکھنے والے کیتھولک بنیاد پرست کارل کیٹنگ نے قائم کی تھی۔ کیٹنگ نے اپنی زندگی کیتھولک عقائد کا ہر قیمت پر دفاع کرنے کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ 2004ء اور 2006ء کے دوران اس گروپ نے Voters Guide for Serious Catholics یا ''مخلص کیتھولک ووٹ دہندگان کے لئے رہنما کتابچہ'' تقسیم کیا جس میں پانچ ''نا قابل سمجھوتہ'' مسائل دیئے گئے تھے جو کیتھولک تعلیمات کے تحت اخلاقی طور پر نا قابل قبول تھے۔ یہ پانچ مسائل تھے: اسقاط حمل، ہم جنس شادیاں، جینیاتی اسٹم سیل (Stem - Cell) ریسرچ، مہلک اور نا قابل علاج مریضوں کو دانستہ آسان موت مرنے کی سہولت کی فراہمی، اور انسانی کلوننگ۔ جو معاملات ''نا قابل سمجھوتہ'' نہیں قرار دیئے گئے تھے ان میں یہ سوال بھی شامل تھا کہ جنگ کب شروع کی جا سکتی ہے اور سزائے موت کی ضرورت کب پڑتی ہے۔ جب پرنس کی بیوی کینسر سے مرنے والی تھی تو اس نے کیٹنگ کو ای۔میل بھیجی جس نے اپنے عقیدت مندوں کو اس کے لئے دعا کرنے کو کہا۔ اگلے سال پرنس نے دائیں بازو کے ماہانہ کیتھولک جریدے کرائیسس (Crisis) کو مالی مدد فراہم کی۔ اس نے مشی گن کے گرجا گھروں کی بھی فیاضانہ مدد کی۔ 50,000 ڈالر کا عطیہ کالامازو (Kalamazoo) کے کیتھولک چرچ ہولی فیملی اور یٹری کو دیا گیا اور ایک لاکھ ڈالر گرینڈ ریپڈز (Grand Rapids) کے سینٹ اسیڈور کیتھولک چرچ اینڈ اسکول کو دیئے۔ علاوہ ازیں اس نے ورجینیا کے کیتھولک گرجا گھروں کی بھی مدد کی۔

تاہم ایرک پرنس کی فیاضی صرف کیتھولک اغراض و مقاصد تک ہی محدود نہ تھی۔ پرنس خاندان ایک خفیہ تنظیم کونسل فار نیشنل پالیسی سے بھی قریبی تعلق رکھتا تھا۔ نیویارک ٹائمز کے مطابق یہ ایک غیر معروف کلب ہے جس کے ارکان امریکہ کے چند سو سب سے طاقت ور قدامت پسند ہیں جو سال میں تین مرتبہ کسی نامعلوم مقام پر خفیہ ملاقاتیں کرتے ہیں تاکہ ملک کو دائیں بازو کے ایجنڈے پر چلانے کے لئے حکمت عملی مرتب کی جائے۔ یہ کونسل ریورنیڈ ٹم لاہئی (Rev. Tim LaHaye) نے 1981ء میں شروع کی تھی جو امریکہ میں عیسائی دائیں بازو کی جدید تحریک کے بانیوں میں سے ہے اور جس نے لیفٹ بیہائنڈ (Left Behind) جیسے پیش گوئیوں پر مبنی ناول

لکھے ہیں۔ اس کا بنیادی خیال یہ تھا کہ اسے کونسل آف فارن ریلیشنز کے مقابلے میں، جسے وہ بہت آزاد خیال سمجھتا تھا، ایک قدامت پرست عیسائی متبادل کے طور پر پیش کیا جائے۔ کونسل فار نیشنل پالیسی (CNP) کی رکنیت پوشیدہ رکھی جاتی ہے اور اس کے ارکان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ''میٹنگ سے قبل یا اس کے بعد میڈیا کو بالکل معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ ہم کہاں ملتے ہیں اور کون کون شریک ہوتا ہے''۔ اگرچہ ارکان کی فہرست منظرعام پر نہیں ہے، CNP اجلاسوں میں متعدد مشہور قدامت پرست شخصیات شرکت کر چکی ہیں۔ ان میں جیری فال ویل (Jerry Falwell)، فلیس شلافلی (Phyllis Schlafly)، پیٹ رابرٹسن، ٹونی پرکینز، جیمز ڈابسن، گیری بووپر اور رالف ریڈ (Ralph Read) شامل ہیں۔ بیئر کے حوالے سے مشہور ہالینڈ ایچ۔ کورز (Holland H. Coors) نیشنل رائفل ایسوسی ایشن کے وین لاپیئر (Wayne Lapierre)، رچرڈ اور ڈک ڈیوس، اولیور نارتھ، گروور نارگوئیسٹ (Grover Narguist) اور فرینک جیفینی (Frank Gaffney) جیسے لوگ بھی CNP سے منسلک ہیں۔ مہمان شرکت کر سکتے ہیں مگر ایگزیکٹو کمیٹی کی متفقہ منظوری کے بعد۔ جارج ڈبلیو بش نے اس گروپ سے 1999ء میں خطاب کیا تھا اور اپنی صدارت کے لئے حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔

یہ گروپ بش انتظامیہ کے طاقتور کھلاڑیوں کی میزبانی کرتا رہا ہے۔ عراق پر قبضے کے کچھ عرصے بعد نائب صدر ڈک چینی اور ڈیفنس سیکرٹری ڈونلڈ رمز فیلڈ نے CNP کے اجلاسوں میں شرکت کی اور 2004ء میں جوہن بالٹن نے اس گروپ کو امریکی پلان کی بابت آگاہی دی۔ جان ایش کرافٹ (John Ashcraft) اور ڈان سینر (Don Senor) جو عراق میں امریکی نگران پال بریمر (Paul Bremer) کا کلیدی ساتھی تھا، بھی ان اجلاسوں میں شرکت کر چکے ہیں۔ سابقہ ہاؤس میجارٹی لیڈر، ٹام ڈیلے (Tom Delay) اور بہت سے دوسرے چوٹی کے ری پبلکن سیاستدان بھی ان اجلاسوں میں شرکت کر چکے ہیں۔ سینیٹ میں اس وقت کے میجارٹی لیڈر بل فرسٹ (Bill Frist) کو تو CNP کا تھامس جیفرسن ایوارڈ بھی دیا گیا۔ ایوارڈ قبول کرنے کی تقریب میں اس نے اجتماع کو بتایا ''قوم کی تقدیر کی ذمے داری قدامت پرست تحریک پر ہے''۔ ایڈگر پرنس 1988ء اور 1989ء کے دوران CNP کا نائب صدر تھا اور اپنی وفات کے وقت بھی یہ عہدہ اسی کے پاس تھا۔ ایلسا پرنس بھی اس ادارے کی رکن تھی۔ ڈیوس

فیملی نے CNP کو کم از کم ایک لاکھ ڈالر کا عطیہ دیا اور پرنس فیملی نے 1990ء کی دہائی کے دو سالوں میں کم از کم بیس ہزار ڈالر دیئے۔ گروپ کی رازدارانہ پالیسی کی وجہ سے یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ آیا ایرک پرنس بھی اپنے والد کی طرح اس کا رکن ہے؛ تاہم ایرک نے CNP کو عطیات ضرور دیئے ہیں اور اس کے کلیدی عہدے داروں سے اس کے قریبی تعلقات بھی ہیں۔

ایرک پرنس کی سخاوت اور سیاست کی وجہ سے اس کا ناطہ امریکی تاریخ کی متنازع ترین، سیاسی شخصیات میں سے چند ایک کے ساتھ بھی رہا ہے۔ پرنس کی فری ہیٹ (Freiheit) فاؤنڈیشن، جو جرمنی میں لبرٹی کے ہم معنی ہے، نے 2000ء میں پریزن فیلوشپ نامی ادارے کو پانچ لاکھ ڈالر کا عطیہ دیا۔ یہ فیلوشپ جیل خانہ جات کی اصلاح کے لئے قائم ایک نام نہاد ادارہ ہے جو علاوہ دیگر باتوں کے، مذہبی عقائد پر مبنی جیل خانہ جات کی وکالت کرتا ہے۔ یہ ادارہ رچرڈ نکسن کے ''کرائے کے قاتل'' اور واٹر گیٹ سازش تیار کرنے والے چارلس کالسن کی تخلیق ہے۔ 1969ء میں نکسن نے اسے اپنا خصوصی معتمد مقرر کیا تھا اور بہت سے لوگوں نے اسے انتظامیہ کا عبقری شیطان قرار دیا تھا۔ 1971ء میں کولسن نے ایک رپورٹ تیار کی جو بعد ازاں ''نکسن کے دشمنوں کی فہرست'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں نکسن کے سیاسی مخالفین کے کوائف تھے جنہیں وائٹ ہاؤس ہدف بنا سکتا تھا۔ کالسن واٹر گیٹ اسکینڈل میں سزا پانے والا پہلا شخص تھا۔ اس نے انصاف میں رخنہ ڈالنے کا جرم قبول کر لیا تھا اور یہ بھی کہ اس نے سائیکاٹرسٹ ڈینیل ایلز برگ کے دفتر میں نقب لگائی تھی۔ ایلز برگ وہ شخص ہے جو جنگ ویت نام کے دوران پینٹا گون کی خفیہ دستاویزات منظر عام پر لایا تھا۔ کالسن پر یہ الزام بھی تھا کہ اس نے غنڈوں کے ذریعے جنگ مخالفین پر تشدد کا بندوبست کیا تھا اور بروکنگز انسٹی ٹیوشن پر دھاوا بولنے یا اسے بم سے اُڑانے کی سازش بھی کی تھی۔ قید خانے میں جانے سے پہلے کالسن نے اپنے از سر نو عیسائی ہونے کا اعلان کیا اور رہائی پانے پر اپنی مشہور کتاب بورن اگین (Born Again) لکھی جس میں اپنی کایا کلپ کا تذکرہ کیا۔

2006ء کے اواخر تک 22,308 رضا کار امریکہ کے اٹھارہ سو سے زائد جیل خانہ جات میں کام کر رہے تھے اور ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد قیدی اس ادارے کے ماہانہ انجیل کی تعلیم کے پروگراموں میں شرکت کر چکے تھے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ دنیا کے ایک سو سے زائد ممالک میں اس کے نمائندے موجود ہیں۔ یہ پروگرام اتنا مقبول عام ہو چکا ہے کہ ٹیکساس جیل میں دوسو

قیدی اپنا پورا دن اس کی روشنی میں گزارتے ہیں۔اس مقبولیت کا سہرا جارج ڈبلیو بش کے سر ہے۔ بش نے ''پہلی وائٹ ہاؤس نیشنل کانفرس آف فیتھ بیسڈ اینڈ کمیونٹی انیشی ایٹو'' سے خطاب کرتے ہوئے کہا'' جب میں ٹیکساس میں گورنر تھا تو عقیدے پر مبنی اقدامات میں سے جو کام میں نے سب سے پہلے کیا وہ یہ تھا کہ جیل خانے کا ایک حصہ چک کالسن کے اس پروگرام کے لئے مختص کردیا۔ اس نے مجھے قائل کرلیا تھا کہ اس پروگرام کے ذریعے زندگیاں بدلی جاسکتی ہیں اور اس پر عمل کرنا اس سے بہتر ہے کہ ہم لائسنس پلیٹوں پر مہریں ثبت کریں۔بش نے مزید بات کرتے ہوئے ایک قیدی کی کہانی سنائی جس کی زندگی ایمان کی وجہ سے بچ گئی تھی۔ 2001ء میں بش کے اقتدار سنبھالنے کے پہلے ہفتے میں ہی کالسن صدر کا باقاعدہ ایڈوائزر بن گیا تھا۔ٹیکساس کی جیل جسے کالسن چلا رہا تھا شوگرلینڈ میں واقع تھی اور اس ڈسٹرکٹ کا نمائندہ ٹام ڈی لے تھا(Tom Delay) جو سینیٹ میں اکثریتی لیڈر بھی تھا۔

2002ء میں کالسن نے کیلون کالج میں ٹیکساس جیل کے بارے میں تقریر کرتے ہوئے کہا''میرے دوست ایرک پرنس نے' جو آج یہاں موجود ہیں' میرے ہمراہ ٹیکساس جیل کا دورہ کیا تھا جو گذشتہ اٹھارہ ماہ سے پرزن فیلوشپ کے زیرانتظام ہے۔یہ ایک غیرمعمولی پروگرام ہے۔جس کے تحت صرف یہی نہیں ہورہا کہ لوگ کرائسٹ کی طرف پلٹ کر نجات پا رہے ہیں بلکہ ایک نیا کلچر بھی پیدا ہورہا ہے۔'' اسی قسم کے ایک پروگرام کو جو آئیوا جیل میں چلایا جارہا تھا جون 2006ء میں غیرآئینی قرار دیا گیا تھا چونکہ اس میں ریاستی خرچے پر انجیلی فرقے کے عیسائی عقائد اپنانے کی ترغیب دی جارہی تھی۔کالسن نے اس فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے کا عہد کیا ہے۔اس کا کہنا ہے قیدیوں کے عقائد کی اصلاح کا اس کا پروگرام جیل خانہ جات میں شدت پسند اسلام کے پھیلنے کے عمل کا' جو بلا روک ٹوک جاری ہے واحد مؤثر توڑ ہے۔اس نے پیشگوئی کی کہ اگر امریکہ کے اندر سے شدت پسند مسلمان کوئی حملہ کرتے ہیں تو ان مسلمانوں کی اکثریت جیل میں اسلام قبول کرنے والوں پر مشتمل ہوگی۔اس نے مزید کہا کہ اس کے پرزن فیلوشپ پروگرام کے مخالفین شدت پسندی کی اعانت کررہے ہیں اور اس کے پروگرام کو غیرآئینی قرار دینے کا مطلب ہے کہ جہادیوں اور دیگر شدت پسندوں کو اس شہر میں اپنا کھیل کھیلنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے۔اکتوبر 2006ء میں ایکٹن انسٹی ٹیوٹ فار دی اسٹڈی آف ریلیجن اینڈ لبرٹی نے کالسن کو فیتھ اینڈ فریڈم ایوارڈ دیا۔یہ وہ ادارہ ہے جسے پرنس نے کم از کم دو

لاکھ ڈالر چندہ دیا تھا۔ گرینڈ ریپڈز میں قائم اس ادارے کے بورڈ آف گورنرز میں پرنس کا سوتیلا باپ رین بروخوئیزن (Ren Brockhuizen) بھی شامل ہے اور اس کا صدر ریوینڈ رابرٹ سیریکو ہے جس کی سربراہی میں پرنس کی پہلی بیوی کے جنازے کی رسوم ادا کی گئی تھیں۔ اس موقع پر ڈنر تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کالسن نے کہا ''اسلام دنیا کے بارے میں سخت گیر مؤقف رکھتا ہے اور اسے صرف ایک ہی بات سوجھتی ہے کہ تمام کافروں کو تباہ کر کے اپنے مقبوضہ علاقوں کو بازیاب کرائے۔ ہمیں سوسالہ جنگ لڑنی ہے اور وقت آ گیا ہے کہ ہم عقل کے ناخن لیں۔ ہم یہ بات سمجھتے ہیں کیونکہ ہمیں تاریخ کا شعور ہے۔ ہمیں علم ہے کہ ایک مذہبی ذہن کو کیسے کام کرنے پر مائل کیا جا سکتا ہے مگر سیکولر امریکہ یہ بات نہیں سمجھتا۔

کچھ برس قبل اپنی 2002ء کی ایک تقریر میں، جس میں اس نے ایرک پرنس کی تعریف کی تھی، واٹر گیٹ کے اس سابقہ سازشی نے کیتھولک اور انجیلی فرقوں کے سیاسی اور مذہبی اتحاد کی تاریخی بنیاد پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ کالسن نے بتایا کہ اس نے اس اتحاد کی بابت کام 1980ء کی دہائی میں شروع کیا اور قدامت پسند انجیلی فرقے کے پادری رچرڈ نیوہاس سے، جو بعد میں کیتھولک مسلک اختیار کر چکا ہے، تبادلہ خیال کیا کہ ایک متحدہ تحریک کیسے چلائی جائے۔ یہ کوششیں 1994ء میں ایک متنازع دستاویز ''ایونجلیکل اینڈ کیتھولک ٹوگیدر: دی کرسچین مشن ان دی تھرڈ میلینیم (ECT) کی صورت میں ظاہر ہوئیں۔ اس دستاویز نے وہ بصیرت فراہم کی جس نے بلیک واٹر کی کارپوریٹ اسٹریٹجی اور ایرک پرنس کی سیاست میں جان ڈال دی۔ کیتھولک چرچ کے تاریخی اثر و نفوذ اور جدید روایت پسند امریکی انجیلی تحریک کی عوامی پذیرائی کے الحاق کے ذریعے۔ اس الحاق کے لئے غیر کنزرویٹو اور زیادہ تر سیکولر یہودیوں کی حمایت مزید تقویت کی باعث بنی۔ مصنف ڈیمن لنکر نے جو نیوہاس کے جریدے ''فرسٹ تھنگز'' کا مدیر رہ چکا تھا، اس غیر معمولی واقعے کو ''تھیوکانز'' کی اصطلاح سے تعبیر کیا۔

ECT (انجیلی فرقے اور کیتھولک فرقے کا اتحاد) دستاویز اس تحریک کا منشور بن گئی جس کے لئے ایرک پرنس نے عنقریب مالی اور عملی تعاون کرنا تھا۔ اس دستاویز میں درج تھا ''یہ صدی جو قریب الاختتام ہے عیسائیت کی پوری تاریخ میں ہمارے مشن کے وسعت پذیر ہونے کے حوالے سے فقید المثال ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اس توسیع نے اگلے ہزار سال کی پہلی صدی میں عیسائیت کے مزید فروغ کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ عیسائیت کے

جو دو فرقے انجیل کی تعلیم کے زیر اثر تیزی سے عروج پار ہے ہیں وہ انجیلی اور کیتھولک فرقے ہیں۔ دستخط کنندگان ان دونوں فرقوں کے اتحاد پر زور دیتے ہیں تاکہ تمام انسان یسوع مسیح پر بطور خدا اور نجات دہندہ ہونے کے ایمان لائیں۔" دستاویز نے چرچ اور ریاست کی علیحدگی کا اعتراف تو کیا مگر اس اصول کی غلط شرح پر شدید احتجاج بھی کیا کہ اس کا مطلب مذہب کو عوامی زندگی سے نکال دینا ہے۔ ہمارے بہت سے سیاسی حلقوں کے اس استدلال کو کہ مذہب کو معاشرے میں دخل انداز نہ ہونا چاہئے جمہوری طرز حکومت کے سب سے بنیادی اصول کی صریح خلاف ورزی قرار دینا بہت ضروری ہے۔" تاہم ECT محض ایک فلسفیانہ دستاویز نہیں تھی۔ بلکہ اس نے ایک ایسا لائحہ عمل بھی پیش کیا جو بعینہ بش انتظامیہ کا بھی ایجنڈا قرار پا گیا جب 2000ء کی انتخابی مہم کے دوران سے نیو ہاس (Neuhaus) بش کا قریبی معتمد بنا۔

ECT کے دستخط کنندگان نے اعلان کیا کہ مذہب کو ہمارے قانون میں بنیادی اور ترجیحی اہمیت حاصل ہے اور واضح کیا کہ ہمیں اپنے آئین کی اخلاقی سچائیوں کی حفاظت کرنا ہوگی۔ دستاویز نے شدومد کے ساتھ اسقاط حمل کی مخالفت کی اور عمداً اسقاط حمل کو خواتین کے وقار، حقوق اور ضروریات پر سنگین حملہ قرار دیا۔ اس طرح کا اسقاط حمل موت کا کلچر فروغ دینے کے مترادف ہے۔ اس نے اسکولوں میں اخلاقیات کی تعلیم پر زور دیا کیونکہ تعلیمی اداروں ہی کے ذریعے ثقافتی ورثہ، مذاہب جس کا جزو لاینفک ہیں (بالخصوص یہودیت اور نصرانیت) اگلی نسلوں کو منتقل ہوتا ہے۔ دستاویز نے نیو لبرل (سرمایہ دارانہ) اقتصادی پالیسیوں کا شدت سے دفاع کیا اور کہا" ہم ایک آزاد معاشرہ اور پھلتی پھولتی مارکیٹ اکانومی چاہتے ہیں۔ ہم آزاد معیشت کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں کیونکہ نہ صرف یہ بہتر نتائج دیتی ہے بلکہ یہ عیسائیوں کے نظریہ انسانی آزادی کے بھی عین مطابق ہے۔ معاشی آزادی اگرچہ سنگین بے اعتدالیوں کا بھی سبب ہے مگر یہ تخلیقیت، باہمی تعاون اور احتساب کو فروغ دے کر عوامی فلاح کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس نے کہا کہ مغربی تہذیب کے سراہے جانے کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جس مغربی تہذیب کا ہم حصہ ہیں اس کی تعمیر میں عیسائیت کا کلیدی کردار ہے۔ دستخط کنندگان نے اعلان کیا کہ "کثیر الثقافتی کا مطلب یہ ہوگیا ہے کہ اپنی ثقافت کے علاوہ باقی سب کو سراہو۔ لہٰذا انہوں نے اعلان کیا کہ مغربی ثقافت ہی ہمارا ورثہ ہے جسے ہم نے آئندہ نسلوں کو تحفے میں دینا ہے۔"

اپنی شروعات سے قریباً دو ہزار سال بعد اور دور تجدید کی تقسیم سے پانچ سو سال بعد

عیسائی مشن اب دنیا میں بھرپور طریقے سے زندہ ہے اور اپنی اہمیت منوا رہا ہے۔ ہم نہ جانتے ہیں اور نہ ہی جان سکتے ہیں کہ خدائے تاریخ نے تیسری ہزاری کے لئے کیا سوچ رکھا ہے۔ یہ زمانہ ہمارے مقاصد اور فروغ عیسائیت کے لیے موسم بہار ثابت ہوسکتا ہے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ ہمیں یہ موقع حاصل ہے اور یہ انجیلی اور کیتھولک فرقوں کو ان کی ذمے داری یاد دلاتا ہے کہ ہم متحد ہو کر اس کی آمد کی تیاری کریں جس کے لیے بادشاہت، قوت اور سطوت مقدر ہے۔ اس دستاویز پر نیوہاس اور کالسن کے علاوہ امریکہ کے سب سے زیادہ مقتدر کیتھولک رہنما نیویارک کے جان کارڈینل او کانر (John Cardinal O'Connor) نے بھی دستخط کیے۔ ان کے علاوہ امریکن انٹرپرائز انسٹی ٹیوٹ کے مائیکل نوواک اور ریورنڈ پیٹ رابرٹسن بھی دستخط کنندگان میں شامل تھے۔ اس منشور نے جو گذشتہ کئی سالوں سے تکمیلی مراحل طے کر رہا تھا جارج ڈبلیو بش کا اقتدار میں آنا ممکن بنا دیا۔ ڈیمن لنکر کے مطابق اس منشور نے نہ صرف ایک تاریخی مذہبی اور سیاسی اتحاد کو جنم دیا بلکہ امریکہ کی مذہبی اور سیاسی قوتوں کو بصیرت بھی فراہم کی۔ یہ ایک ایسا مذہبی مستقبل ہوگا جس میں دینیاتی اخلاقیات مذہبی تنازعات پر غالب آجائیں گی اور یہ ایک ایسا سیاسی مستقبل ہوگا جس میں کٹر روایت پسند عیسائی عوامی امنگوں اور لائحہ عمل کا تعین کریں گے۔

چھ سال بعد جارج بش، تھیوکانز کا صدر، وائٹ ہاؤس میں براجمان تھا، کالسن اپنے ساتھی ایرک پرنس کے ہمراہ کلیون کالج میں اپنے جیل خانہ جات میں عقائد کی اصلاح کے پروگرام پر گفتگو کر رہا تھا۔ اپنے لیکچر کے دوران کالسن نے پروٹسٹنٹ حاضرین کی اکثریت کا لحاظ رکھتے ہوئے کیتھولک۔ ایونجلیکل اتحاد پر مبنی اپنی تھیوکنزرویٹو تحریک پر روشنی ڈالی۔ کالسن نے انیسویں صدی کے کیلونسٹ عالم کا حوالہ دیا جس نے کہا تھا ''روم ہمارا دشمن نہیں حمایتی ہے جب تک وہ عقیدے اور عمل کے لحاظ سے تثلیث، عیسیٰ کی الوہیت اور صلیب کے عقیدے پر ہے، مقدس کتابوں کو خدا کے الفاظ مانتا ہے اور دس احکامات کو آسمانی طرزِ زندگی کے طور پر مانتا ہے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر رومن کیتھولک مذہبی پیشوا اسی لڑائی کے لئے تلوار اٹھائیں جس کے لیے ہم جان قربان کرنے کو تیار ہیں تو کیا ہم انہیں قابلِ قدر مددگار نہ سمجھیں؟'' دائیں بازو کے کیتھولک اور انجیلی فرقوں اور نیوکنزرویٹو کے درمیان اتحاد کے ذریعے تھیوکنزرویٹو مقدس جنگ کی کوششوں میں ایرک پرنس پیش پیش تھا اور اس کی بلیک واٹر ایک طرح سے اس تحریک کا مسلح بازو تھی۔ پرنس نے اپنی اس نجی فوج کا تذکرہ یوں کیا'' ہر شخص اسی طرح بندوق سے لیس ہے جیسے ارمیا

Rehan Ahmed
http://www.rehanahmed.com

نے اسرائیل میں معبد کی تعمیر کے دوران ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں کرنی اٹھا رکھی تھی۔''

انتہا پسند کیتھولک تنظیموں کی مدد کرنے کے ساتھ ساتھ پرنس نے اپنے والدین کے چنیدہ انجیلی اداروں کی مدد بھی جاری رکھی اور پروٹسٹنٹ اسکولوں اور کالجوں کی کثیر تعداد کو بڑے بڑے عطیات دیئے۔ اس نے اٹلانٹا' جارجیا میں قائم ہگائی انسٹی ٹیوٹ کو کم از کم دو لاکھ ڈالر کا عطیہ دیا (وہ ہزار ہا ڈالر اس کے علاوہ ہیں جو اسکے باقی خاندان نے دیئے) ہگائی دنیا کی بڑی عیسائی مشنری تنظیموں میں سے ایک ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اس نے دنیا بھر میں ساٹھ ہزار سے زیادہ انجیلی ''لیڈر'' تیار کیے ہیں۔ اس تنظیم کی زیادہ تر توجہ غریب یا ترقی پذیر ممالک پر ہے۔ پرنس کرسچین فریڈم انٹرنیشنل' جس کا سابقہ نام کرسچین سولیڈیریٹی تھا' کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا رکن بھی رہا ہے اور اسے مالی امداد بھی فراہم کرتا رہا ہے۔ یہ ایک صلیبی مشنری گروپ ہے جو صومالیہ سے سوڈان تک اور افغانستان سے عراق تک ہر جگہ سرگرم عمل ہے۔ اسکی مشن اسٹیٹمنٹ کہتی ہے ''گذشتہ سو سالوں میں اس سے زیادہ عیسائی مار ڈالے گئے ہیں جتنے اس سے پہلے اُنیس سو سالوں میں مارے گئے تھے اور عیسائیوں کی ہلاکتیں بڑھ رہی ہیں۔ آج عیسائیوں کو ہمیشہ سے زیادہ مذہبی تعصب کا سامنا ہے۔ کئی ایک اقوام میں عیسائیوں کو ان کے یسوع مسیحؑ پر ایمان کی وجہ سے خوف و ہراس' قید و بند' تشدد اور جانی نقصان کا آج بھی سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جم جیکبسن کو جو ریگن کے زمانے میں وائٹ ہاؤس میں گیری بووئر کا معاون تھا' ایک ایسے گروپ کا سربراہ ہے جو اقوام متحدہ پر کھلم کھلا تنقید کرتا ہے اور اس کی کچھ ایجنسیوں کو ''مصیبت کا سوداگر'' قرار دیتا ہے اور عراقیوں کے لیے حق خود ارادی کو عیسائیوں کے لیے مضر سمجھتا ہے۔ 9/11 کے بعد امریکہ کو افغانستان پر حملہ کے لیے اکساتے ہوئے اس نے کہا کہ ''صرف بھرپور فوجی کارروائی کے ذریعے ہی ہم عالمی امن اور قانون کی حکمرانی کی بابت اپنے عہد کو نبھا سکتے ہیں۔'' بورڈ آف ڈائریکٹرز میں بلیک واٹر کے لئے لابی کرنے والا پال بیروینڈ (Paul Beruends) سابقہ ری پبلکن سینٹر ڈان نکلس (Don Nickles) اور وائس آف امریکہ کا سابقہ ڈائریکٹر رابرٹ ریلی (Robert Reilly) شامل ہیں۔ رابرٹ ریلی نے اپنے کیرئر کا آغاز ریگن کے وائٹ ہاؤس میں بطور ایک پروپیگنڈا نگار شروع کیا تھا (نکارا گوا کونترا معاملے میں)۔ کچھ عرصہ اس نے ایک جنگی ٹھیکیدار ایس اے آئی سی (SAIC) کے لئے عراق میں نئی انفارمیشن منسٹری کے قیام کے منصوبے پر بھی کام کیا؛ تاہم یہ منصوبہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکا۔

2000ء میں ایرک پرنس مشی گن میں چندہ جمع کرنے میں مصروف تھا جس کا مقصد اس کی فیملی (اور تھیوکنزرویٹو تحریک) کا پسندیدہ کام یعنی اسکول واؤچر پروگرام کے لیے رقم فراہم کرنا تھا۔ اس موقع پر اس نے وال سٹریٹ جرنل سے بات کرتے ہوئے کہا کہ اس کی فیملی اور ڈیووس خاندان عیسائیت' قدامت پرستی اور منڈی کی معیشت پر یقین رکھتے ہیں اور اسکے والد محترم کا بزنس۔۔۔ جس کی وجہ سے فوکس آن دی فیملی اور فیملی ریسرچ کونسل وجود میں آئے۔۔۔ تو ان اچھے کاموں کے لئے نقدی فراہم کرنے کا انجن تھا۔ اس نے کہا کہ اسکی ہمشیرہ' بیسٹی بھی اسی قسم کی توانائیاں استعمال کررہی ہے۔ اس وقت تک اکتیس سالہ پرنس کے پاس نقدی بنانے والا اپنا چھوٹا ساذاتی انجن بھی آچکا تھا جو بڑے' بہت بڑے' انجن میں تبدیل ہونے کو تیار تھا۔ جبکہ پرنس دائیں بازو کی عیسائی تحریکوں کی مدد اپنی خاندانی روایات کے مطابق جاری رکھے ہوئے تھا اس کی بلیک واٹر ایمپائر نارتھ کیرولینا کے دلدلی علاقے میں تیزی سے ترقی کا زینہ طے کررہی تھی۔ البتہ اس تیز رفتار ترقی کا اس وقت تک صحیح اندازہ نہ ہوا تھا جب تک کہ ایک سال بعد دو طیارے ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے نہ ٹکرائے تھے۔ اس سانحے نے ایرک پرنس کو عدیم النظیر ترقی کا موقع فراہم کیا اور وہ دنیا کی سب سے طاقتور نجی فوج کا سربراہ بن گیا۔ پرنس نے ایک ایسی فوج تیار کی جو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں' جسے پرنس کی مدد سے امریکہ کا صدر بننے والے جارج بش نے صلیبی جنگ قرار دیا تھا' (جو زیادہ تر اسلامی دنیا میں چھیڑی گئی ہے) عین میدان جنگ میں لڑ سکے اور اس مقصد کے لیے اس نے اپنے باپ کے خیالات اور رقم کا خوب استعمال کیا۔

باب نمبر 2

بلیک واٹر کی شروعات

آرمی۔نیوی۔ایئرفورس۔میرینز۔بلیک واٹر

ایرک پرنس آج تو یہ کہہ سکتا ہے کہ بلیک واٹر امریکی افواج کی پانچویں شاخ ہے مگر ابتداً صورت حال یہ تھی کہ بلیک واٹر بہت چھوٹے پیمانے پر شروع ہوئی تھی اور اسکی اولین صورت گری بھی پرنس نے خود نہیں کی تھی۔وہ تو ایک اے۔ٹی۔ایم (ATM) مشین کی طرح ملنے والی ہدایات پر عمل کررہا تھا جبکہ اس نئی کمپنی کے لئے جگہ کا تعین، اسکی منصوبہ بندی اور تقریباً ساری ہی تفصیلات بحریہ کے شعبہ SEAL میں اسکے استاد ال کلارک (Al Clark) نے طے کی تھیں جو گزشتہ گیارہ برس سے خصوصی مہارت والے اس یونٹ میں آتشیں اسلحے کی تربیت دینے والا بہترین تربیت کار تھا۔کلارک نے ایک انٹرویو کے دوران بتایا کہ جب 1993ء میں پرنس نے اپنا ملٹری کیریئر شروع کیا تو وہ (کلارک) پہلے ہی بلیک واٹر کے خاکے اور نقشے بنا چکا تھا۔اسے یہ خیال آتشیں اسلحے کی تربیت دینے کے تجربے سے سوجھا۔اس نے دیکھا کہ امریکی فوجی نظام کے اس اہم ترین شعبے میں تربیت کے لئے دستیاب بنیادی ڈھانچہ ناکافی ہے۔اس نے بتایا ''سہولیات تھیں ہی نہیں، ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔بحریہ کے پاس نشانہ بازی کی مشق کے لیے میدان تک نہیں تھے۔'' اسے میرین کور یا آرمی کے میدان استعمال کرنا پڑتے تھے۔درکار سہولیات متفرق طور پر نجی شعبے سے دستیاب تھیں مگر سب کی سب کسی ایک ہی جگہ سے نہیں مل پاتی تھیں۔''

کلارک نے تمام منصوبہ بنالیا تھا، صرف ایک چیز کی کمی تھی یعنی اس کے پاس مطلوبہ رقم

نہیں تھی۔ اسے بالکل معلوم نہیں تھا کہ چند سال بعد امریکی فوج میں کام کرنے والے امیر ترین افراد میں سے ایک خود اس کا اپنا کوئی شاگرد ہوگا۔ 1996ء میں کلارک کا تبادلہ Seal کی ٹیم نمبر 8 میں ہوا۔ لیفٹیننٹ ایرک پرنس اس پہلی پلاٹون میں شامل تھا جسے کلارک نے وہاں تربیت دی۔ کلارک کہتا ہے ”مجھے بالکل معلوم نہیں تھا کہ وہ بے حساب دولت کا مالک ہے۔“

پرنس کلارک کے زیر تربیت رہا مگر ان دونوں میں کسی کاروباری شراکت کی بابت کبھی بات نہیں ہوئی۔ آخر کار پرنس SEAL کی ٹیم نمبر 8 کے ہمراہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔ الکلارک کو سات ماہ بعد پتہ چلا کہ اس کا سابقہ شاگرد نہ صرف دولت سے مالا مال ہے بلکہ وہ دونوں نجی فوجی تربیت کی تیزی سے فروغ پاتی ہوئی مانگ کے بارے یکساں سوچ رکھتے ہیں۔ کلارک کے مطابق ”جب پرنس SEAL کی تعیناتی سے امریکہ لوٹا تو میں نے کسی اور کے کہنے پر اس سلسلے میں اس سے بات کی اور وہیں سے ہمارے درمیان بامعنی گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔

پرنس کے لیے یہ خوشی و رنج کا ملا جلا دور تھا۔ 1995ء میں اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا اور تمام آثار یہ بتاتے تھے کہ اپنا آبائی کاروبار سنبھالنے کے بجائے وہ نیوی میں رہنا ہی پسند کرے گا۔ مگر باپ کے انتقال اور اپنی پہلی بیوی کی بگڑتی ہوئی صحت جس کی وجہ کینسر تھی؛ جیسی دوہری مصیبت اور اوپر سے اپنے چار بچوں کو سنبھالنے کی ذمے داری جیسے مسائل نے اس کے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہیں چھوڑا تھا۔ پرنس نے ایک عشرہ بعد اپنا ماضی یاد کرتے ہوئے کہا ”میرے والد کا بزنس عظیم کامیابی حاصل کر چکا تھا اور مجھے اپنے خاندانی معاملات بھی دیکھنا تھے اس لئے میں نے نیوی کو قبل از وقت چھوڑ دیا؛ تاہم کچھ عرصے بعد انہوں نے ایڈگر پرنس کا بزنس فروخت کر دیا۔ 1996ء کی اس بزنس ڈیل سے 1.35 بلین ڈالر نقد حاصل ہوئے اور اس طرح پرنس کو اپنی سلطنت کی تعمیر شروع کرنے کا موقع مل گیا جس میں وہ اپنے مذہبی' سیاسی اور عسکری خوابوں کی تعبیر پا سکتا تھا۔ 2006ء میں پرنس نے بتایا ”میں ملٹری سے تعلق قائم رکھنا چاہتا تھا اس لیے میں نے ایک ایسا تربیتی مرکز قائم کیا جہاں امریکی اور دوست ممالک کی افواج' قانون نافذ کرنے والے ادارے اور دیگر حکومتی وکاروباری ادارے عالمی معیار کی عسکری تربیت حاصل کر سکتے تھے۔ میرے علم میں تھا کہ نیوی میں میرے بہت سے ساتھی اسی طرح کی اعلیٰ درجے کی نجی تربیت گاہ کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ جب میں نے بلیک واٹر قائم کی تو ان میں سے چند ایک میرے ساتھ شامل بھی ہوئے۔ فیملی بزنس کی فروخت کے بعد میں اس پوزیشن میں تھا کہ اس

نئے بزنس کے لئے درکار تمام رقم خرچ کرسکوں۔

بلیک واٹر کے قیام کا سہرا اپنے سر سجانے کی پرنس کی اس کوشش پر اسکے ابتدائی ساتھیوں نے سخت تنقید کی۔ بلیک واٹر کے قیام اور اس کے ابتدائی دور میں شامل بہت سے لوگوں کے مطابق یہ مسئلہ کہ بلیک واٹر کس کس نے مل کر قائم کی کبھی متنازع نہیں رہا تھا جب تک 2003ء میں عراقی جنگ کے بعد بلیک واٹر کی شہرت نہیں ہوئی تھی۔ شہرت ملنے کے بعد پرنس نے تاریخ پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی۔ کمپنی کے ویب سائٹ دعوی کرتی ہے کہ " ہمارا بانی امریکی بحریہ کا ایک سابقہ افسر ہے۔ اس نے بلیک واٹر اس مقصد کے لئے قائم کی ہے کہ ہماری افواج اور قانون نافذ کرنے والے ادارے سے منسلک بہادر مرد و خواتین کو مادر وطن کی حفاظت کے لیے جو اضافی تربیت درکار ہے وہ انہیں فراہم کی جاسکے۔" پرنس دعویدار ہے کہ بلیک واٹر کا خیال اسے Seal کی ٹیم نمبر 8 میں کام کرنے کے زمانے میں آیا جب اس کی تعیناتی ہیٹی، بوسنیا، مشرق وسطی اور بحر اوقیانوس میں تھی۔ اس دوران اس نے محسوس کیا کہ ملک سے باہر خدمات انجام دینے والی امریکی افواج کو کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے بہترین تربیت کی ضرورت ہے۔ اس کا یہ بھی دعوی ہے کہ اس دور میں اس نے اپنی فیملی کو بھیجے گئے ایک خط میں بلیک واٹر کے منصوبے کا خاکہ پیش کیا تھا۔

الکارک اور بلیک واٹر کے دوسرے سابقہ عہدے دار بلیک واٹر کی مذکورہ بالا تاریخ پر شدید اعتراض کرتے ہیں۔ ایک سابقہ عہدے دار کا کہنا ہے کہ " الکارک نے یہ خیال پیش کیا تھا اور پرنس نے رقم فراہم کی۔ ایرک اس کا سہرا اپنے سر اس لئے لے سکتا ہے کیونکہ وہ مالک ہے۔ درحقیقت یہ آئیڈیا الکارک کا تھا۔ علاوہ ازیں پرنس کا یہ دعوی کہ بلیک واٹر آج جو کچھ ہے اس کی منصوبہ بندی اس نے 1996ء میں کی تھی اس لئے بھی مشکوک قرار پاتا ہے کہ بلیک واٹر کو ملنے والی کامیابی کا دہشت گردی کے خلاف جنگ سے گہرا تعلق ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اپنے باپ، خاندان، قدامت پرست دوستوں اور ساتھیوں کی وجہ سے کیونکہ پرنس آزاد معیشت اور نجکاری کا زبردست حامی بن چکا تھا، اسے الکارک کا عسکری تربیت کی نجکاری کی ضرورت کا آئیڈیا بآسانی سمجھ میں آگیا ہو۔ کئی لحاظ سے بلیک واٹر پراجیکٹ شروع کرنے کا اس سے بہتر وقت نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کے شروع ہونے کے ساتھ ہی حکومت نے ایسی کئی پالیسیاں اپنالیں جس کی وکالت پرنس خاندان ایک عرصے سے کررہا تھا۔

بلیک واٹر کی پیدائش اس وقت ہوئی جب ملٹری کی بڑے پیمانے پر نجکاری کا عمل جاری تھا جسے ڈک چینی نے بحیثیت ڈیفنس سیکرٹری اپنے دور 1989ء تا 1997ء میں شروع کیا تھا۔ اس وقت جارج ایچ۔ ڈبلیو۔ بش امریکی صدر تھا۔ اپنے عہدے کے پہلے ہی سال میں ڈک چینی نے فوج کا خرچ 10 بلین ڈالر کم کر دیا تھا۔ اس نے کئی پیچیدہ اور مہنگے ہتھیاروں کے نظام منسوخ کر دیئے تھے اور افواج کی تعداد 2.2 ملین سے کم کر کے 1.6 ملین کر دی تھی۔ 1989ء سے 1993ء تک فوجی بجٹ ہر سال سکڑتا رہا۔ ڈان برائیوڈی نے اپنی کتاب دی ہالی برٹن ایجنڈا میں لکھا "1990ء کی دہائی کی ابتدا میں آرمی کا سویلین ٹھیکیداروں پر انحصار نہ ہونے کے برابر تھا اور چینی اس صورتحال کو تبدیل کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ فوجی دستوں سے صرف لڑائی کا کام لیا جائے اور نجی ٹھیکیدار رسل و رسائل کی ذمے داری سنبھال لیں۔ اس طرح عوامی رائے عامہ کی مخالفت سے بھی بچا جا سکتا تھا جو امریکی فوج کی ملک سے باہر کی جانے والی ہر مہم پر شروع ہو جاتی تھی۔ زیادہ ٹھیکیداروں کا مطلب ہوتا کم فوجی دستے اور فوجیوں کی کم تعداد سیاسی طور پر آسانیاں پیدا کرتی ہے۔ اپنے عہدے کی میعاد ختم ہوتے وقت چینی نے ہالی برٹن کی ایک ذیلی کمپنی براؤن اینڈ روٹ (Brown & Root) سے کہا کہ وہ اس بابت تفصیلی رپورٹ تیار کرے کہ امریکہ کی بین الاقوامی فوجی مہمات میں افواج میں معاون سرگرمیوں' جیسے خوراک' رہائش اور لانڈری جیسی سہولیات کا کام کس طرح نجی شعبے کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ براؤن اینڈ روٹ کا نام بعد میں بدل کر KBR کر دیا گیا تھا جب اس کا الحاق انجینئرنگ ٹھیکیدار ایم۔ ڈبلیو۔ کیلوگ سے ہو گیا تھا۔ براؤن اینڈ روٹ کو ایک ایسی رپورٹ لکھنے کے 3.9 ملین ڈالر دیئے گئے جس کے ذریعے اس نے پینٹا گونز لاجسٹکس سول آگمینٹیشن پروگرام (Pantagon's Logistics Civil Augmentation Program (LOGCAP) میں توسیع کی سفارش کر کے خود اپنے لیے بھاری بھر کم منافع کمانے کا بندوبست کر لیا۔ درحقیقت اگست 1992ء میں امریکی آرمی کی کورز آف انجینئرز نے ہالی برٹن کو' جس کا انتظام کچھ ہی عرصہ بعد خود ڈک چینی نے سنبھال لینا تھا' پانچ سال تک کے لئے اپنے تقریباً سارے ہی اعانتی نوعیت کے کاموں کا ٹھیکہ دے دیا۔

ہالی برٹن کو دیے جانے والے اس ٹھیکے نے نجکاری کا دروازہ پوری طرح کھول دیا۔ اور بالآخر دہشت گردی کے خلاف جنگ ٹھیکیداروں کے لئے خوش بختی کا پیغام لائی اور عراق'

افغانستان اور کئی دوسرے مقامات پر انہیں بھاری رقوم کے ٹھیکے حاصل ہوئے۔

جب الکارک، ایرک پرنس اور مٹھی بھر دیگر افراد نے 1990ء کے وسط میں بلیک واٹر کے بارے میں سنجیدہ منصوبہ بندی شروع کی، امریکی افواج برسہا برس سے تعداد میں کٹوتی کا شکار تھیں اور متعدد ٹریننگ سنٹر بھی بند کیے جارہے تھے۔ یہ تربیت گاہیں ملٹری کے اہم ترین اجزاء میں سے تھیں۔ بنیادی ترتیب نو اور بندش قانون(Base Realignment & Closure Act) کے تحت جو پراسس ریگن اور بش دور میں بچت کرنے کے لئے شروع کیا گیا تھا بل کلنٹن کے دور میں اس میں تیزی آ گئی۔ سپیشل فورسز سے تعلق رکھنے والے کئی ایک افراد کے مطابق بچ جانے والی تربیت گاہیں تعداد میں ناکافی تھیں۔ اس تخفیفی عمل کے باعث بلیک واٹر کو پیدا ہونے اور تیزی سے پروان چڑھنے کے لئے زرخیز زمین دستیاب ہوگئی۔ بلیک واٹر کے پہلے صدر بل میسی انجیلو (Bill Masiangelo)، جو آج کل ایک بڑے ہوٹل، سینڈنٹ (Cendant)، میں افواج اور حکومت کو خدمات فراہم کرنے کا نگران ہے، کے مطابق ملٹری اور سپیشل آپریشن یونٹس کے لئے تربیت کی ضرورت تھی مگر جو سہولیات دستیاب تھیں وہ دوسری جنگ عظیم کے زمانے کی تھیں اور فرسودہ ہو چکی تھیں۔ چونکہ تربیت گاہوں کی قلت تھی اور کوئی بھی جدید طرز کی تربیت گاہیں فراہم نہیں کر رہا تھا، اس ضرورت کا پورا کیا جانا ہی وہ ضرورت تھی جس کی وجہ سے بلیک واٹر قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ الکارک کے مطابق بلیک واٹر کا قیام کوئی اچھوتا اقدام نہیں تھا، گذشتہ بیس سال سے سب ہی اس طرح کی تربیت گاہ کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ لہذا جب 1996ء میں الکارک نے یہ خیال پیش کیا تو اس کے سابقہ شاگرد پرنس نے اس سے اتفاق کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔

یہ وقت امریکہ میں ری پبلکن پارٹی اور دائیں بازو کے مذہب پسندوں کے لئے حالیہ تاریخ کے تاریک ترین ادوار میں سے تھا۔ 1992ء میں بل کلنٹن کے ہاتھوں جارج ایچ ڈبلیو بش کی شکست سے قدامت پرستوں کا بارہ سالہ سنہرا دور ختم ہوگیا تھا جو زیادہ تر رونالڈ ریگن کی پالیسیوں پر مبنی رہا تھا۔ اگرچہ دائیں بازو کا سیاسی گروہ، جس میں ایڈگر پرنس کا کلیدی کردار تھا، 1994ء میں کسی حد تک ری پبلکن انقلاب لانے میں کامیاب ہوگیا تھا اور رینوٹ گنگرچ اسپیکر آف دی ہاؤس بن گیا تھا، کلنٹن انتظامیہ تھیوکانز کی نظروں میں تب بھی ایک انتہائی بائیں بازو کی حکومت تھی جس کا ایجنڈا اسقاط حمل اور ہم جنس پرستی کی حمایت اور خاندان و مذہب کی مخالفت پر مبنی

تھا۔نومبر 1996ء میں جب کلنٹن باب ڈول (Bob Dole) کو ہرا کر دوبارہ منتخب ہوا تو تھیوکنزرویٹو تحریک کے مرکزی ترجمان رچرڈ نیوہاؤس کے جریدے فسٹ تھنگز (First Things) نے ایک خصوصی شمارہ بعنوان ''اختتام جمہوریت؟'' (The End of Democracy) شائع کیا جس میں یہ سوال بھرپور طریقہ سے اٹھایا گیا'' کیا ہم پر وہ وقت آ چکا ہے یا آنے والا ہے کہ باضمیر شہریوں کے لیے موجودہ حکومت کی اخلاقی حمایت کرنا ناممکن ہو جائے'' کئی مضامین میں چرچ اور حکومت کے مابین محاذ آرائی کا جائزہ لیا گیا جن سے یہ گمان بھی ہوتا تھا کہ خانہ جنگی یا عیسائیوں کی حکومت کے خلاف خروج کے امکان کی پیشین گوئی کی جا رہی ہے جس کی صورت احکامات کی خلاف ورزی، مزاحمت، سول نافرمانی یا انقلاب ہو سکتی ہے۔ایڈگر پرنس کے قریبی دوست اور سیاسی اتحادی چک کالسن نے پانچ میں سے ایک مضمون لکھا۔ دوسرا مضمون انتہاپسند جج رابرٹ بورک نے لکھا۔اس خصوصی شمارے کے تعارف میں لکھا گیا کہ ''امریکی حکومت وقت کے خلاف بولنے کی عادی نہیں ہے۔ہم پوچھتے ہیں کہ کیا ہم خود کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اگر ایسا ہے تو اس خود فریبی کے مضمرات کیا ہیں۔حکومت (Regime) سے ہماری مراد کیا ہے موجودہ نظام حکومت۔ ہمارے اس شمارے کا عنوان کسی طرح بھی مبالغہ آمیزی پر مبنی نہیں ہے، ہمارا زیر بحث موضوع ''جمہوریت کا خاتمہ'' ہی ہے۔ حکومت امریکہ آج کل عوام کی حمایت سے نہیں چلائی جا رہی۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ آئینی طریقے سے انحراف ہے اور یہ ایک ایسی حکومت کر رہی ہے جسے اس کے لئے عوامی حمایت نہ تو حاصل ہے اور نہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔اس ادارے میں سپریم کورٹ کے جسٹس اینٹونن سکالیا (Antonin Scalia) کا قول درج کیا گیا'' کسی عیسائی کو ایسی حکومت کی حمایت نہیں کرنی چاہیے جو عقیدے کو دباتی ہے یا جو معصوم انسانی جانیں لینے کی اجازت دیتی ہے۔''

کالسن کے مضمون کا عنوان تھا ''بادشاہتیں تنازعے کا شکار ہیں'' (Kingdoms in Conflict) اس نے لکھا'' امریکہ میں حالات اس نہج پر پہنچ گئے ہیں کہ واحد سیاسی اقدام جو اہل ایمان اٹھا سکتے ہیں یہ ہے کہ عدالتی کنٹرول کے ذریعے چلائی جانے والی اس حکومت کے خلاف کسی طرح کا براہ راست، بالائے سیاست اقدام کریں۔ حکومت اور چرچ کے درمیان طاقت کا مظاہرہ ہو سکتا ہے۔ گو عیسائی ایسا ہونے کی خواہش نہیں رکھتے مگر اس کے لیے انہیں تیار ضرور رہنا چاہیئے۔ ریاست ہائے متحدہ کے قیام کی بنیاد ایک عمرانی معاہدہ تھا جس میں انجیل پر ایمان

رکھنے والے اور عقلیت پسند بھی شامل تھے۔ اگر ہمارے معاہدے کی شرائط ٹوٹ چکی ہیں تو عیسائی عوام کا یہ حق ہے کہ وہ ان پر عملدر آمد کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالے۔ ہم اپنی وکالت میں تھامس جیفرسن کی تحریریں بھی پیش کر سکتے ہیں جس نے انقلاب کی ضرورت پر بانگ دہل زور دیا تھا۔'' کالسن کا مضمون بغاوت عام کی دعوت سے کچھ ہی کم تھا مگر اس نے مستقبل قریب میں اس کی ضرورت اور امکانات کو رد نہیں کیا تھا اس نے لکھا'' میں ڈرتے اور لرزتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ امریکی عیسائی خواہ کسی رستے سے بھی اس نتیجے پر پہنچیں' ہم تیزی سے بڑھ اسی سمت رہے ہیں۔

فرسٹ تھنگو کے اس خصوصی شمارے نے ایک تنازعہ کھڑا کر دیا اور خود تھیوکنز رویٹو تحریک کے اندر بھی اختلافات کو جنم دیا۔ جیمز ڈابسن (James Dobsan) نے پیش کردہ خیالات کی حمایت میں لکھا'' میں مدیران کا انتہائی شکر گزار ہوں۔ موجودہ حکومت کے اخلاقی جواز اور اس بارے میں عیسائیوں کی ذمہ داری بڑے اہم سوالات ہیں۔ میں حیران ہوں کہ آیا ہم جن نتائج پر پہنچیں گے ان پر عمل کرنے کی جرات بھی کر سکیں گے۔ صورتحال تیزی سے اس سمت بڑھ رہی ہے جب فیصلہ کن اقدام ناگزیر ہو جائے گا جیسا کہ ہمارے روحانی پیش رووں کو پیش آیا تھا کہ سیزر اور خدا میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لو۔

یہ ہے وہ پس منظر جس میں بلیک واٹر قائم ہوئی۔ اس شمارے کے شائع ہونے کے ایک ماہ بعد ایرک پرنس نے ہتھیاروں کا ڈھیر لگانا شروع کر دیا۔ واشنگٹن سے چند گھنٹوں کی مسافت پر اکٹھا کیا گیا ہتھیاروں کا یہ ذخیرہ امریکہ میں ہتھیاروں کے سب سے بڑے نجی ذخائر میں سے تھا۔ ساتھ ہی پرنس نے ری پبلکن پارٹی کے طاقتور قانون سازوں اور تھیوکنز رویٹو تحریک کا قائدین سے روابط میں مزید اضافہ کر دیا اور اپنے باپ کی طرح ان کے لئے رقوم کی فراہمی ایک بڑا ذریعہ بن گیا۔ 26 دسمبر 1996ء کو بحریہ سے سبکدوش ہونے کے تین ماہ بعد، اس نے بلیک واٹر لاج اینڈ ٹریننگ سنٹر کے نام سے کمپنی قائم کی۔ اگلے سال اس نے کریتک کاؤنٹی (Currituck County) نارتھ کیرولینا میں 756,000 ڈالر مالیت کی چار ہزار ایکڑ سے زائد اراضی خرید لی۔ ساتھ ہی اس نے تقریباً ایک ہزار ایکڑ کیمڈن (Camden) کاؤنٹی میں بعوض 616,000 ڈالر خریدے۔ بلیک واٹر کا بیان کردہ مقصد تھا'' آتشیں اسلحے اور اس کے استعمال کی تربیت کی حکومتی نجکاری سے پیدا شدہ ضروریات کو پورا کرنا''۔

بلیک واٹر کو اب طاقت کے ایوانوں تک رسائی حاصل ہے اور اس کا اثر و رسوخ بھی

بہت بڑھ چکا ہے مگر شروع میں اسے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ جب اس نے کریتک کاؤنٹی میں اپنا مرکز قائم کرنے کی درخواست دی تو اسے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور شدید عوامی دباؤ کی وجہ سے اس کی درخواست رد کر دی گئی۔ یہاں سے مایوس ہو کر پرنس نے کیمڈن کاؤنٹی سے اجازت حاصل کرنے کی کوشش کی اور وہاں اس کا منصوبہ منظور کر لیا گیا۔

جون 1997ء میں بلیک واٹر کی تعمیرات کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور مئی 1998ء میں کمپنی باضابطہ طور پر اپنا کام شروع کرنے کے قابل ہو گئی۔ کمپنی کا یہ خوف زدہ کرنے والا نام اس کے جائے قیام، گریٹ ڈیسمل سویمپ" کے کالے پانیوں سے متاثر ہو کر رکھا گیا تھا۔ ایک لاکھ گیارہ ہزار ایکڑ پر محیط یہ دلدلی علاقہ جو جنوب مشرقی ورجینیا سے شمال مشرقی نارتھ کیرولینا تک پھیلا ہوا تھا، بلیک واٹر کی تعمیرات کے نزدیک ہی واقع تھا۔ اگرچہ کمپنی کے بہت سے عہدیداروں کے مطابق کمپنی کو ابتداء میں زیادہ کام نہیں مل رہا تھا، بلیک واٹر کے "بلیک" اور خفیہ ملنے والے ٹھیکوں کو دیکھتے ہوئے یہ باور کرنا مشکل ہے۔ الکلارک کے مطابق جیسے ہی کمپنی نے کام شروع کیا سیل (SEAL) کے لوگ پہنچ گئے کیونکہ ہم خود سیل رہ چکے تھے اور انہیں پتہ تھا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ انہیں ہمارے میدان نشانے بازی کی تربیت کے لئے درکار تھے۔ اس کے بعد ایف۔ بی۔ آئی والے بھی آئے۔ اس تربیت گاہ میں ان کی ابتدائی دلچسپی اس کے نئے پن اور وسعت کی وجہ سے تھی اور اس لئے بھی کہ یہ ان سے نزدیک ہی واقع تھی۔ بلیک واٹر دنیا کے سب سے بڑے بحری اڈے سے صرف آدھے گھنٹے کی مسافت پر واقع تھی اور یو۔ ایس۔ انٹیلی جینس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے مرکز سے بھی زیادہ دور نہیں تھی۔ بہت سے وفاقی، ریاستی اور مقامی حکومتوں کے اداروں کو بھی یہ جگہ پسند آئی کیونکہ وہ عوامی نظروں سے دور واقع تربیتی مراکز کو پسند کرتے تھے۔

1998ء تک بلیک واٹر خاطر خواہ بزنس کرنے لگی تھی اور حکومت و نجی اداروں کے افراد کو پستول سے مشین گن تک ہر قسم کی ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت فراہم کر رہی تھی۔ یہ اپنی تربیت گاہ سیل (Seal) کو کرائے پر بھی دے دیتی تھی۔ ورجینیا، نارتھ کیرولینا اور کینیڈا کے پولیس افسر بلیک واٹر سے تربیت حاصل کر رہے تھے اور بیرونی ممالک سے بھی استفسارات موصول ہونے لگے تھے۔ اسپین کی حکومت اس بات میں دلچسپی رکھتی تھی کہ صدارتی انتخابات میں امیدواروں کے تحفظ کے لئے کس قسم کی حفاظتی تربیت فراہم ہو سکتی ہے اور حکومت برازیل دہشت

گردی سے نپٹنے کی تربیت میں دلچسپی رکھتی تھی۔ ایک ابتدائی تربیت پانے والے نے ستمبر 1998ء میں ورجینیا پائلٹ کو بتایا "یہ بہترین ہے۔۔۔ ایک ایسے سکول میں آنا جہاں آپ کو دنیا کے بہترین استاد پڑھائیں قابل فخر بات ہے"۔

جب بلیک واٹر کی تربیت کی شہرت ہونے لگی تو پرنس اور دوسرے عہدے دار یہ چاہتے تھے کہ یہ شہرت اپنی قسم میں بہترین ادارے کے طور پر ہو۔ کمپنی کے پہلے صدر نے ایک انٹرویو میں بتایا "میں ایک سابقہ میرین آفیسر تھا اور پندرہ سال سے ہوٹل انڈسٹری سے وابستہ تھا اور انہیں اسی قسم کے کسی فرد کی ضرورت تھی۔ بلیک واٹر تربیت فراہم کرنے کے علاوہ اور بھی کچھ کرتی تھی۔ کسٹمر سروس سے متعلق تمام امور، مخصوص ماحول، خاص تربیت اور ادارے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے میری خدمات حاصل کیں۔" 1998ء کے آخر تک بلیک واٹر کے پاس نو ہزار مربع فٹ پر تعمیر عمارات تھیں جس میں کانفرنس رومز، کلاس رومز، لاؤنج، پیشہ ورانہ دکانیں اور ڈائیننگ ہال موجود تھے۔ تربیت کے لئے بہت سے مخصوص ماحول شامل تھے جن میں شہری گلیوں کے ماڈل اور ایک تالاب جس کے ذریعے بیک وقت خشکی اور تری کے ماحول میں لڑنے کی تربیت فراہم کی جا سکے موجود تھے۔

اسٹیو واٹر مین، جو جریدے سولجر آف فارچون (Soldier of Fortune) کے لئے لکھتا تھا، نے 1999ء میں بلیک واٹر کا دورہ کیا اور مایوک کی تربیت گاہ کا تذکرہ بہت توصیفی انداز سے کیا "ایک عظیم کھانے کا ہال (جسے میں کیفے ٹیریا کہوں تو زیادہ بہتر ہوگا) رہائشی کمروں میں سیٹلائٹ ٹی۔ وی سسٹم اور شاور میں گرم پانی کی فراوانی۔ ان سب سہولیات کی دستیابی کی وجہ سے میں بلیک واٹر کو ان تمام سویلین اور فوجی تربیت گاہوں سے بہتر سمجھتا ہوں جن کا میں نے دورہ کیا ہے۔ جب آپ آخری موڑ مڑتے ہیں اور عمارات آپ کو دکھائی دینے لگتی ہیں تو آپ پر جلد ہی واضح ہو جاتا ہے کہ اس تربیت گاہ کو چلانے والے اپنے کام کے بہت ماہر ہیں اور انہوں نے اسے بہتر سے بہتر بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے۔ تمام عمارات بالکل نئی ہیں۔۔۔ اور سلیقے سے تعمیر کی گئی ہیں عمارات بالکل صاف ستھری ہیں۔ دائیں جانب رہائشی عمارات ہیں، سامنے کی جانب مرکزی عمارت ہے جس میں کلاس رومز، اسٹور، انتظامی دفاتر، کیفے ٹیریا، اسلحہ خانہ، کانفرنس رومز اور لاؤنج ہے جہاں گپ شپ اور شیخی بگھارنے کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ یہاں بھس بھرے جانور بھی سجائے گئے ہیں۔ آتش دان کے اوپر ایک بڑا کالا ریچھ نصب ہے اور کئی دیگر

جانور اپنی پلاسٹک کی آنکھوں سے آپ کو گھورتے ہیں۔ مرکزی عمارت کے ایک طرف بندوقیں صاف کرنے کی جگہ ہے جہاں بیک وقت ایک درجن سے زائد افراد اپنے ہتھیاروں کی صفائی کر سکتے ہیں۔ رہائشی کمرے خوب روشن ہیں اور ہر ایک میں دیوار کے ساتھ بنے ہوئے چار چار بستر ہیں۔ ہر ایک رہائشی کے لئے ایک کشادہ الماری موجود ہے۔ رہائشی عمارت کے دونوں اطراف میں ایک ایک بڑا کمرہ ہے اور ہر ایک میں ایک صوفہ اور متعدد کرسیاں موجود ہیں۔ ہر لاؤنج میں ایک ٹی۔وی ہے جہاں سیٹلائٹ سسٹم سے نشریات آتی ہیں۔ ان کمروں میں ایک ایک فرج اور واٹر کولر بھی ہے۔ مہمانوں کے لئے رسائل و جرائد بھی موجود ہیں"۔ 1998ء میں بلیک واٹر نے پولیس اور فوج کے لئے ہینڈ گن کا مقابلہ منعقد کروایا جو اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔ اس طرح کے مقابلے پوری دنیا سے لوگوں کو مایوک کھینچ لاتے ہیں۔ مگر بلیک واٹر جلد ہی ایک اور صلاحیت کا مظاہرہ کرنے والی تھی اور وہ یہ کہ کسی سانحے اور خوف سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ درحقیقت 1999ء سے تشدد انگیز واقعات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہونے والا تھا جو دنیا بھر میں ٹیلی ویژن پر دکھایا جاتا اور نتیجتاً بلیک واٹر کے لئے مزید بزنس کا باعث بنتا۔

20 اپریل 1999ء کو ڈائیلان کلیبولڈ (Dylan Klebold) اور ایرک ہیرس لٹل ٹن (Littleton)، کولوریڈو میں واقع اپنے ہائی سکول "کولمبائن ہائی" میں داخل ہوئے۔ انہوں نے سیاہ کوٹ پہنے ہوئے تھے اور نیم خودکار ہتھیاروں اور شاٹ گنز سے مسلح تھے۔ انہوں نے فائرنگ شروع کر دی اور اپنے بارہ ساتھی طالب علموں اور ایک استاد کو مار ڈالا۔ یہ واقعہ "کولمبائن قتل عام" کے نام سے مشہور ہوا۔ اگرچہ اس طرح کے واقعات جو 93 - 1992ء میں اوسطاً سال میں بتیس دفعہ پیش آتے تھے 99 -1998ء میں کم ہو کر انیس واقعات سالانہ رہ گئے تھے پھر بھی اس واقعے نے شدید خوف و ہراس پیدا کیا۔ ہر سطح کے قانون نافذ کرنے والے ادارے ایسی صورت حال سے نبٹنے کی اپنی اہلیت پر غور کرنے لگے۔ نیشنل ٹیکٹیکل ایسوسی ایشن کے ترجمان کے مطابق "کسی نے بھی یہ نہ سوچا تھا کہ ایسا واقعہ پیش آ سکتا ہے۔ اس واقعے نے ہماری سوچ کو تبدیل کیا اور مزید تربیت کی ضرورت کا احساس دلایا"۔

ستمبر 1999ء میں سپیشل ویپنز اینڈ ٹیکٹیکل ٹیم SWAT کے چار سو افسران مایوک پہنچے تا کہ بلیک واٹر کی نو تعمیر شدہ سہولت "آر یو ریڈی ہائی سکول" میں تربیتی مشق کر سکیں۔ نیشنل ٹیکٹیکل آفیسر ایسوسی ایشن (NTOA) نے پچاس ہزار ڈالر فراہم کئے تا کہ پندرہ کمروں پر

مشتمل 14.764 مربع فٹ پر محیط ایک جھوٹ موٹ'' کا سکول قائم کیا جائے۔ مگر اس منصوبے پر بلیک واٹر کی اس سے کہیں زیادہ رقم خرچ ہوئی اور 500 ملین ڈالر کا ورثہ پانے والے پرنس کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس جھوٹ موٹ کے سکول میں چیختے چلاتے طالب علموں کے صوتی اثرات، خون کے چھینٹے، گولیوں کے زخم اور تربیتی اسلحے کے ذریعے اصلی ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

بلیک واٹر نے جس سرعت سے '' آر یو ریڈی ہائی سکول'' کی تکمیل کی اس نے NTOA کو مطمئن کر دیا اور اس ادارے نے 'جو سالانہ چار ہزار پولیس افسروں کو تربیت دیتا ہے' فیصلہ کیا کہ اپنی سولہویں سالانہ کانفرنس کا آدھا وقت ورجینیا کے ساحل اور آدھا بلیک واٹر کے مایوک کمپاؤنڈ میں گزارا جائے۔ اس ایونٹ میں شرکت کے لئے پولیس افسر اور بحران سے نپٹنے والی ٹیمیں ہر امریکی ریاست کے علاوہ کینیڈا، ہیٹی، بیلجیم اور انگلینڈ سے بھی آئیں۔ اپریل 2000ء تک NTOA نے اپنے ایک ہزار سے زائد افراد کو'' آر یو ریڈی ہائی'' سے تربیت دلوائی۔ NTOA کی ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے پرنس نے کہا کہ کولمبائن جیسے واقعات یہ یاد دہانی کراتے ہیں کہ چوکسی آزادی کی قیمت ہے اور ہمیں اچھی تربیت یافتہ پولیس اور فوج کی ضرورت ہے کیونکہ دنیا میں بدی کی کوئی قلت نہیں ہے۔

یکم فروری 2000ء کو بلیک واٹر کو ایک بڑی کامیابی ملی جب اس نے پہلا جنرل سروسز ایڈمنسٹریشن کنٹریکٹ حاصل کیا جس میں حکومت سے منظور شدہ اشیاء وخدمات کی فہرست تھی جو بلیک واٹر وفاقی اداروں کو منظور شدہ قیمت پر فراہم کر سکتی تھی۔ ''GSA شیڈول'' کے حصول سے بلیک واٹر پر طویل مدتی حکومتی ٹھیکے حاصل کرنے کے دروازے کھل گئے۔ اس کی وجہ سے حکومتی اہلکاروں کے لئے ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ باقاعدہ ٹینڈر جاری کئے بغیر منظور شدہ اداروں سے براہ راست خریداری کر سکیں۔ GSA کا رتبہ حاصل کرنے والی کمپنیوں کا اصل کام یہ رہ جاتا ہے کہ وہ مختلف سرکاری اداروں کے پہیوں میں گریس لگاتی رہیں اور انہیں قائل کرتی رہیں کہ وہ ان کی اشیاء وخدمات اکثر وبکثرت استعمال کریں۔ اس موقع پر سیاسی تعلقات بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ ہالی برٹن نے ایک نمونہ بنا دیا تھا جس کی بلیک واٹر جیسے ادارے نقل کر سکتے تھے۔ بلیک واٹر کو GSA کنٹریکٹ کی مد میں پہلی ادائیگی مارچ 2000ء میں اڑسٹھ ہزار ڈالر کی ہوئی تھی اور اتنی ہی رقم ایرک پرنس نے اس سال ری پبلکن پارٹی کی نیشنل اسٹیٹ الیکشن کمیٹی کو عطیہ کر دی تھی۔ اور اسی

انتخابی سال میں جارج بش کو اقتدار مل گیا تھا۔

حکومتی اداروں نے بلیک واٹر کو آئندہ پانچ برسوں میں دیئے جانے والے متوقع ٹھیکوں کا تخمینہ ایک لاکھ پچیس ہزار ڈالر لگایا تھا۔ جب اس میں 2005ء میں مزید پانچ سال کی توسیع کی گئی تو یہ چھ ملین ڈالر تک پہنچ گیا۔ مگر یہ تخمینے بلیک واٹر کو ملنے والے اصل ٹھیکوں کی لاگت سے بہت ہی کم تھے۔ 2006ء تک بلیک واٹر اس ضمن میں ایک سو گیارہ ملین ڈالر وصول کر چکی تھی۔

2000ء میں جب کمپنی کا کاروبار وسعت اختیار کر رہا تھا، بلیک واٹر کے مایوک کمپاؤنڈ میں سب کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ بلیک واٹر کا خواب دیکھنے والے الکلارک کے پرنس اور کچھ دوسرے عہدے داروں سے اختلافات پیدا ہو چکے تھے جب یہ اختلافات اور بڑھے تو کلارک نے بلیک واٹر کے ایک سابقہ افسر اور سیل (SEAL) کے زمانے کے اپنے ساتھی، ڈیل میک کلیلن (Dale McClellan) کے ساتھ مل کر 2000ء میں اسپشیل ٹیکنیکل سسٹمز کے نام سے اپنی علیحدہ کمپنی بنالی۔

کلارک کہتا ہے کہ تربیت کے دوران وہ شاگردوں کو وہ سب کچھ دے دیتا تھا جو ان کے لئے ضروری ہو جبکہ کمپنی کے عہدے داروں کا خیال تھا کہ پہلی ہی مرتبہ سب کچھ مل جانے کی صورت میں کوئی بھی دوبارہ ہمارے پاس کیوں آئے گا۔ کلارک کا جواب یہ تھا کہ یہ ضروری نہیں کہ ایک بار آنے والے کو دوبارہ آنے کا بھی موقع ملے اس لئے پہلی ہی تربیت میں ہمیں وہ سب کچھ دے دینا چاہئے جو ہمارے پاس ہے۔ بہت سے کانسٹیبل چھٹیوں کے دوران اپنے ذاتی خرچ سے تربیت حاصل کرنے آتے تھے چونکہ ان کا محکمہ انہیں اتنی اعلیٰ تربیت فراہم نہیں کر سکتا تھا۔ کلارک، پرنس کے ساتھ اپنے اختلافات کی تفصیل میں جانے سے ہچکچا رہا تھا اس لئے اس نے بلیک واٹر چھوڑنے کی بابت اپنے تاثرات کا خلاصہ یوں بیان کیا ”میں چاہتا تھا کہ یہ ایک ایسی جگہ ہو جسے پیشہ ور ماہرین منتخب پیشہ ور لوگوں کے لئے ہی بنائیں اور ماہرانہ طریقے سے چلائیں اور پھر مجھے احساس ہو گیا کہ یہ سب کچھ اس طرح نہیں ہو رہا“۔

جب 2000ء میں کلارک نے بلیک واٹر کو چھوڑا تو وہ ترقی کا سفر شروع کر چکی تھی۔ اور کئی سو ہزار ڈالر کی رقم GSA کنٹریکٹ کی مد میں وصول کر رہی تھی مگر یہ ایک سال سے کچھ زائد عرصے کے بعد ہوا کہ اسے عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔ یہ تخریب کاری کے ان دو واقعات کی وجہ سے ہوا جن کا الزام اُسامہ بن لادن کو دیا جاتا ہے۔

12 اکتوبر 2000ء کو صبح گیارہ بجے کے قریب یمن کی بندرگاہ عدن پر ایک چھوٹی کشتی

امریکی بحریہ کے گائیڈڈ میزائلوں سے لیس جہاز یو۔ایس۔ایس کول (USS Cole) کی طرف بڑھی جو ایندھن حاصل کرنے کی غرض سے وہاں رُکا ہوا تھا۔ جیسے ہی کشتی جہاز کی بندرگاہ والی جانب پہنچی یہ ایک دھماکے سے پھٹ گئی اور اس عظیم جہاز میں چالیس ضرب چالیس فٹ کا شگاف پڑ گیا۔ اس خودکش حملے کی ذمے داری، جس میں امریکی بحریہ کے سترہ افراد مارے گئے اور انتالیس زخمی ہوئے، اُسامہ بن لادن نے قبول کر لی۔ 1999ء کے کولمبائن قتل عام کے بعد اس دوسرے سالانہ سانحے کی وجہ سے بلیک واٹر کو بحریہ کے افراد کی تربیت کے لئے 35.7 ملین ڈالر کا ٹھیکہ ملا۔ روایتی طور پر امریکی بحریہ کے درمیانے درجے کے افسر لڑائی کی تربیت حاصل نہیں کرتے مگر بڑھتے ہوئے خطرات کی وجہ سے تبدیلی کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ امریکی بحریہ کے بحری آپریشنز کے سربراہ، ایڈمرل ورن کلارک نے مئی 2001ء میں سینیٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی کو بتایا "یو۔ایس۔ایس کول پر حملہ ایک ہولناک سانحہ تھا اور اس سے یہ واضح ہوا کہ ہماری مسلح افواج کو دنیا بھر میں کس طرح کے خطرات کا فوری سامنا ہے اور ان کے حالیہ اور مستقبل کے تحفظ کی کیا اہمیت ہے۔ بحریہ نے ملک میں اور ملک سے باہر ایسے خطرات سے نپٹنے کے اقدامات کئے ہیں اور خود حفاظتی کی منصوبہ بندی اور اطلاق کی بابت بڑی تبدیلیاں لائی جا رہی ہیں۔ ہم نے افراد کی توسیع، تربیت اور ساز و سامان میں بہتری پیدا کی ہے تاکہ بحریہ کے لوگ جنگجوؤں کی طرح اپنی حفاظت کر سکیں"۔ اس وقت بحریہ پہلے ہی اپنے انفراسٹرکچر کی لاگت میں مقابلہ بازی کے فروغ، نجکاری اور آؤٹ سورسنگ کے ذریعے نمایاں کمی کے منصوبے پر عمل پیرا تھی۔ 80,500 کل وقتی جابز کی آؤٹ سورسنگ پہلے ہی زیرِ غور تھی۔ اگرچہ بحریہ پر اس حملے سے بلیک واٹر کے کاروبار کو بہت فروغ ملا، یہ اس عروج کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا جو امریکی سرزمین میں تاریخ کی سب سے بڑی تخریب کاری کی وجہ سے اسے ملنے والا تھا۔

11 ستمبر 2001ء کی صبح امریکی ایئر لائنز کی پرواز نمبر 11 نے جو بانوے مسافروں کو لے کر بوسٹن سے لاس اینجلس جا رہی تھی، اچانک اپنا رخ تبدیل کیا اور نیویارک کی سمت اختیار کر لی۔ صبح آٹھ بج کر چھیالس منٹ پر یہ طیارہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے جنوبی ٹاور سے جا ٹکرایا۔ تقریباً سترہ منٹ بعد یونائیٹڈ ایئر لائنز کی پرواز نمبر 175 شمالی ٹاور سے جا ٹکرائی۔ نو بج کر سینتیس منٹ پر امریکی ایئر لائنز کی پرواز نمبر 77 نے پینٹاگون کی عمارت کو ہدف بنایا۔ جب امریکہ کی دو سب سے مشہور عمارات آگ اور دھوئیں میں لپٹی ہوئی تھیں، ان حملوں نے نجکاری اور منافع خوری کے

اس عمل کو فوراً ہی برق رفتار بنا دیا جس کے لئے گزشتہ برس وائٹ ہاؤس میں براجمان ہونے والے بہت عرصے سے کوشاں تھے۔ صدر بش کے سیکرٹیری برائے آرمی تھامس وہائٹ نے، جو قبل ازیں ایزون (Enron) کا اعلیٰ افسر رہ چکا تھا، نجکاری کے اس عمل کے فوری اطلاق کی نگرانی کی جسے ڈک چینی نے ایک عشرہ قبل شروع کیا تھا۔ اس پروگرام نے منافع بخش عالمی عسکری صنعت کے لئے 100 بلین ڈالر کے مواقع پیدا کئے۔ انتظامیہ کے ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے اعلان سے سب سے زیادہ فائدہ ایرک پرنس کی بلیک واٹر نے اُٹھایا۔ الکلارک کے مطابق ''بلیک واٹر آج جو کچھ ہے اسامہ بن لادن کی وجہ سے ہے''۔

بلیک واٹر کے نائب صدر کرس ٹیلر نے 2005ء میں جارج واشنگٹن یونیورسٹی کے لاء کالج میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ''یمن کے شہر عدن میں یو ایس ایس کول پر حملے نے صرف امریکی بحریہ کو لرزہ براندام کیا تھا پھر 9/11 کا واقعہ ہو گیا اور اس نے یہی کام پوری دنیا کے لئے کر دیا''۔ بحریہ نے اس ضرورت کا ادراک کیا کہ دہشت گردی کے موجودہ خطرات سے نپٹنے کے لئے بحری عملے کے تمام افراد کو حملے سے بچاؤ کی بنیادی اور اعلیٰ دونوں قسم کی مہارت درکار ہوگی۔ بحریہ نے فوری اقدام کئے اور ایک جامع تربیتی پروگرام شروع کیا جس کی زیادہ تر ذمے داری پورے ملک میں بلیک واٹر کو سونپی گئی۔ ہمارا بحری عملہ اب دنیا بھر میں ممکنہ حملہ آوروں کی شناخت کرنے، انہیں لڑائی میں الجھانے اور شکست دینے کے لئے پہلے سے زیادہ تیار ہے۔ آج تک بلیک واٹر بحریہ کے تیس ہزار کے قریب افراد کی تربیت کر چکی ہے''۔ بلیک واٹر کو یہ تربیتی ٹھیکہ 37.5 ملین ڈالر کی مالیت کا دیا گیا۔

9/11 کے پیدا کردہ ماحول نے ایرک پرنس اور بلیک واٹر میں اس کے ساتھیوں کو ایک خالی کنوس فراہم کر دیا کہ وہ اپنی کمپنی کے لئے منافع بخش مستقبل کی جیسے چاہیں صورت گری کریں۔ ڈیفنس سیکرٹیری رمزفیلڈ اپنے عہدے پر اس عزم کے ساتھ براجمان ہوا تھا کہ بلیک واٹر جیسی نجی کمپنیوں کے امریکی جنگوں میں کردار کو ڈرامائی وسعت دے گا اور 9/11 نے اس ایجنڈے کو تیز رفتار ترین راستہ فراہم کر دیا۔ 27 ستمبر کو 9/11 کے دو ہفتے بعد، ایرک پرنس نے فوکس نیوز کے مشہور ترین پروگرام ''دی اوریلی فیکٹر'' (The O' Reilly Factor) میں شرکت کی۔ دوران گفتگو اس نے بتایا ''میں اپنا تربیتی ادارہ چار سال سے چلا رہا تھا اور سیکیورٹی کے معاملات میں لوگوں کی عدم دلچسپی سے قدرے مایوس ہو چلا تھا۔ مگر اب تو یہ حال ہے کہ فون کا ریسیور واپس

رکھنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔اس پروگرام میں پرنس کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ ائیر مارشل پروگرام اور اس تربیت پر بات کی جائے جو مارشلز کو دی جائے گی۔اس تربیتی پروگرام کا ایک حصہ بلیک واٹر کے پاس تھا۔اس ماہ بلیک واٹر نے ایف بی آئی کے ساتھ کم از کم 610,000 ڈالر مالیت کے معاہدوں پر دستخط کیے۔اس کے کچھ ہی عرصہ بعد بلیک واٹر حکومت کے تقریباً تمام شعبوں کو تربیت فراہم کر رہی تھی جن میں نیشنل ڈیپارٹمنٹ آف انرجی کا نیوکلیئر سیکیورٹی ایڈمنسٹریٹو سروس سنٹر، ڈیپارٹمنٹ آف ہیلتھ اور ہیومن سروسز کے اسسٹنٹ سیکریٹری کا دفتر شامل تھے۔

اگرچہ 9/11 کی وجہ سے بلیک واٹر کی شہرت اور شرح منافع دونوں بہتر ہوگئی تھیں اس کی اصل شہرت اور خوش نصیبی اس وقت شروع ہوئی جب اس نے 2000ء میں بلیک واٹر سیکیورٹی کنسلٹنگ نامی کمپنی قائم کی اور کرائے کے سپاہیوں کے بزنس میں داخل ہوئی۔جیسا کہ بلیک واٹر کے قیام کے ساتھ ہوا تھا' اس مرتبہ بھی ایرک پرنس نے کسی اور کے خیال کو عملی جامہ پہنایا۔اس مرتبہ یہ بصیرت سی۔آئی۔اے کے سابقہ اہلکار جیمی اسمتھ (Jamie Smith) کی تھی۔ الکلارک نے اسمتھ کو اس وقت بلیک واٹر میں جزوقتی استاد مقرر کیا تھا جب وہ ریجنٹ یونیورسٹی میں قانون کا طالب علم تھا۔

اسمتھ نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ اس نے ایک نجی سیکیورٹی کمپنی بنانے پر اس وقت غور شروع کیا تھا جب وہ 1991ء کی جنگ خلیج کے دوران سی آئی اے کا اہلکار تھا۔اس نے کہا" میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ مجھے مستقبل بینی آتی ہے اور میں ایک عشرہ بعد پیش آنے والے واقعات کو جان سکتا تھا۔یہ ایک بچگانہ سا خیال تھا مگر ایسا لگتا تھا کہ نجکاری کا رجحان برقرار رہے گا۔اس قسم کا کام کرنے والی کمپنیاں پہلے ہی موجود تھیں مگر اس بابت عوامی آگہی کچھ زیادہ نہیں تھی۔ڈائن کارپ، ایس اے آئی سی اور کچھ دیگر کمپنیاں ان خطوط پر کام کر رہی تھیں"۔اسمتھ کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ فوج اپنی تنصیبات کی حفاظت کے لئے نجی اہلکاروں کی خدمات حاصل کرنے والی ہے تاکہ وہ اپنی تمام توجہ جنگ لڑنے پر مرکوز کر سکے۔

جو مسئلہ الکلارک کو چند برس قبل پیش آیا تھا وہی جیمی اسمتھ کو بھی درپیش تھا یعنی اس کے پاس بھی اپنی نجی سیکیورٹی کمپنی بنانے کے لئے رقم نہیں تھی۔دوسرا مسئلہ جو اسے درپیش تھا وہ یہ تھا کہ طلب موجود تو تھی مگر زیادہ نہیں تھی۔9/11 کے بعد، اسمتھ کے مطابق، پرنس نے اسے فون کیا اور کہا" میں چاہتا ہوں کو تم ہمارے پاس کل وقتی جاب کرو"۔میں نے اسے بتایا کہ میں ایک شرط پر

ایسا کر سکتا ہوں اور وہ یہ کہ ایک پرائیویٹ سیکیورٹی کمپنی بنائی جائے۔ پرنس نے آمادگی ظاہر کی مگر اسے یہ گمان نہ تھا کہ یہ کمپنی کچھ ہی عرصے میں اسے سب سے زیادہ منافع دینے لگے گی۔ لہٰذا مجھے کہا گیا کہ میں اپنے وقت کا صرف بیس فیصد ہی اس کام کو دوں اور باقی وقت موجودہ کاموں کو دوں۔ دسمبر 2001ء میں اسمتھ نے بلیک واٹر میں شمولیت اختیار کر لی اور بلیک واٹر سیکیورٹی کنسلٹنگ کو بطور ایک کمپنی کے 22 جنوری 2002ء میں ڈلاویئر میں رجسٹر کرا دیا گیا۔ کچھ ماہ کے اندر ہی اس کمپنی نے منافع کمانا شروع کر دیا اور سی آئی اے کے ایک کنٹریکٹ سے اسے لاکھوں ڈالر ماہانہ ملنے لگے۔ یہ اس وجہ سے ممکن ہوا کہ امریکہ افغانستان پر قبضہ کر چکا تھا اور عراق پر چڑھائی کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔

یہ کنٹریکٹ بلیک واٹر کو دلوانے میں اے۔ بی بذی کرونگارڈ (A.B. "Buzzy" Krongard) کا کلیدی کردار تھا۔ وہ سی آئی اے میں ایگزیکیٹو ڈائریکٹر تھا جو اس ادارے کا تیسرا بڑا عہدہ تھا۔ کرونگارڈ کو اس عہدے کے لئے مارچ 2001ء میں نامزد کیا گیا تھا۔ جاسوس کی حیثیت سے شہرت رکھنے والے اس شخص نے اپنی جوانی ایک انوسٹمنٹ بینکر کے طور پر گزاری تھی۔ اس نے ملک کی سب سے پرانی انوسٹمنٹ بینکنگ فرم، ایلکس براؤن، کو ترقی دے کر ملک کے کامیاب ترین انوسٹمنٹ بینکنگ اداروں میں سے ایک بنا دیا تھا۔ آخر کار اس ادارہ کو بینکرز ٹرسٹ نے خرید لیا تھا اور کرونگارڈ نے 1998ء میں استعفیٰ دے دیا تھا۔

9/11 کے سانحے میں کسی خفیہ ہاتھ کی موجودگی پر یقین رکھنے والے کافی عرصے سے کرونگارڈ کی بابت شک میں تھے کیونکہ اس بینک نے، جسے اس نے 1998ء میں خیر باد کہا تھا اور جسے بعد ازاں ڈوئچے بینک نے خرید لیا تھا، یونائیٹڈ ایئر لائنز کی حصص مستقبل میں ایک خاص قیمت پر بیچ سکنے کی شرط پر بہت بڑی تعداد میں 9/11 سے قبل خریدے تھے اور اس سانحے کی وجہ سے ایئر لائن کے حصص کی قیمت گر جانے کی وجہ سے خاطر خواہ مالی فائدہ اٹھایا تھا۔ تاہم اس بات کی کوئی شہادت نہیں مل سکی کہ کرونگارڈ کو ان حملوں کا پہلے سے پتا تھا۔ سی آئی اے میں اپنے قیام کے دوران جارج ٹینٹ کی ماتحتی میں اس کا زیادہ تر کام ایجنسی کے داخلی معاملات کی بابت تھا تاہم کبھی کبھار وہ عوامی بیانات بھی دے دیتا تھا۔ اکتوبر 2001 میں اس نے بیان دیا "یہ جنگ زیادہ تر ان قوتوں کی مدد سے جیتی جائے گی جنہیں آپ نہیں جانتے، ایسے اقدامات کی وجہ سے جنہیں آپ دیکھ نہیں پائیں گے اور ایسے طریقوں سے جن کا آپ کو پتا ہی نہیں چل سکے گا۔ مگر ہم ہی حاوی رہیں گے"۔

تقریباً تین سال بعد جنوری 2005ء میں کرونگارڈ خبروں کی زینت بن گیا جب وہ اسامہ بن لادن کے پکڑے یا مارے نہ جانے کے فوائد گنوانے والا انتظامیہ کا سب سے سینئر رکن بن گیا۔ اس نے کہا " آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کے زندہ ہونے کی وجہ سے مجموعی طور پر ہم فائدے میں ہیں کیونکہ اگر اسے کچھ ہو جائے تو اس کی جگہ سنبھالنے کے لئے مقابلہ ہوگا اور نتیجتاً دہشت گردی کی ایک نئی لہر پیدا ہو سکتی ہے۔۔۔وہ دہشت گردی کے مرکزی منصوبہ ساز سے زیادہ ایک ولولہ انگیز قائد بنتا جا رہا ہے"۔ کرونگارڈ نے اسامہ بن لادن کی یوں خاکہ نگاری کی کہ" وہ ایک سربراہ سے زیادہ وینچر کیپٹلسٹ ہے۔ اگر آپ اس سے کہیں کہ آپ ٹرافلگر اسکوائر کو اُڑانا چاہتے ہیں تو وہ آپ کو رقم اور چند پاسپورٹ مہیا کر دے گا اور کہے گا کہ اسلحہ بھی چاہئے تو فلاں شخص سے رابطہ کرو"۔

پرنس اور کرونگارڈ کے مابین تعلقات کی بابت یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کرونگارڈ کے پرنس کے والد سے مراسم تھے۔ ٹیلی فون پر دیئے گئے ایک مختصر انٹرویو میں کرونگارڈ نے صرف یہ بات تسلیم کی کہ وہ پرنس اور بلیک واٹر سے آشنا تھا۔ تاہم بلیک واٹر کے ایک سابق عہدے دار کا کہنا ہے کہ ایرک اور کرونگارڈ اچھے دوست تھے۔ کرونگارڈ کا اس میں جتنا بھی ہاتھ ہو سی آئی نے اپریل 2002ء میں بلیک واٹر کو سیکیورٹی کی بابت اس کا پہلا ٹھیکہ تو دیا ہی تھا۔ کرونگارڈ کہتا ہے کہ اس نے کابل کا دورہ کیا اور یہ دیکھا کہ ایجنسی کا وہاں موجود نیا اڈہ غیر محفوظ ہے لہذا بلیک واٹر کو چھ ماہ کے لئے وہاں سیکیورٹی گارڈ فراہم کرنے کا ٹھیکہ بعوض 5.4 ملین ڈالر دے دیا گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ ایسا اس کے پرنس سے تعلقات کی وجہ سے نہیں بلکہ بلیک واٹر کی پیشکش کی وجہ سے کیا گیا کیونکہ ہم سمجھتے تھے کہ بلیک واٹر فوری طور پر مطلوبہ سیکیورٹی گارڈ فراہم کر سکتی ہے۔ اگر ہم سمجھتے کہ مارٹینز (Martians) یہ کام زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتی ہے تو ہم یہ ٹھیکہ اس کو دے دیتے۔

اس معاہدے پر دستخط ہونے سے پرنس اور کرونگارڈ کے باہمی تعلقات مزید خوشگوار ہو گئے۔ کرونگارڈ نے بلیک واٹر کا دورہ کیا اور اپنی فیملی کو بھی ہمراہ لے کر گیا۔ ان کو بلیک واٹر کے فائرنگ رینج میں کئی مرتبہ نشانہ بازی کرنے کا موقع دیا گیا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی خفیہ سرگرمیوں میں شمولیت کے امکان نے پرنس کو دیوانہ ہی بنا دیا تھا۔ رابرٹ ینگ پیلٹن (Robert Young Pelton) نے اپنی کتاب "لائسنس ٹو کل" میں لکھا ہے کہ سی آئے

کے ساتھ معاہدے کے تحت مئی 2002ء میں جو بیس افراد کابل جانے والے تھے پرنس اور جیمی اسمتھ خود بھی ان میں شامل ہو گئے۔ٹیم کے بیشتر ارکان سی۔آئی۔اے کے کابل اسٹیشن اور ائیر پورٹ پر ان اثاثہ جات کی حفاظت پر مامور ہو گئے مگر پرنس اور اسمتھ افغانستان کے سب سے پرخطر مقام شکین گئے جہاں پاکستانی سرحد سے چند میل دور، امریکہ اپنا اڈہ بنا رہا تھا۔مگر ایک ہفتے بعد ہی پرنس شکین کے اس مٹی کے قلعہ سے (جسے کچھ لوگ الامو (Alamo) بھی کہتے تھے)۔ جہاں سے امریکیوں نے کاروائی کرنا تھی، روانہ ہو گیا۔اسمتھ نے پیلٹن (Pelton) کو بتایا کہ پرنس اس دورے میں سی آئی اے کے ایک اہلکار کی طرح لگتا تھا۔وہ وہاں سے اس لئے روانہ ہوا تا کہ کسی اور جگہ جا کر ان لوگوں سے ''گپ شپ'' کر سکے جہاں سے بلیک واٹر سیکیورٹی کو کام ملنے کی امید ہو۔اسمتھ نے شکین میں دو ماہ اور پھر کابل میں چار ماہ تک قیام کیا۔شکین چھوڑنے کے بعد پرنس کابل میں ایک ہفتہ ٹھہرا۔پرنس کو یہ تجربہ اتنا پسند آیا کہ اس نے بعد ازاں سی آئی اے میں شمولیت کی درخواست دے ڈالی مگر کہا جاتا ہے کہ پولی گراف ٹیسٹ کے غیر واضح نتائج کی وجہ سے اسے رد کر دیا گیا۔گو پرنس کو سی آئی کے مکمل اہلکار کا عہدہ نہ مل سکا تاہم اس کے قریبی روابط اس ادارہ سے برقرار رہے۔کہا جاتا ہے کہ اسے سبز بیج (Green Badge) دے دیا گیا تھا جس کی وجہ سے اسے سی آئی اے کے اکثر اسٹیشنز میں داخلے کی اجازت تھی۔سی آئی اے کے ایک اہلکار نے ہارپر (Harper) کے صحافی کین سلوراسٹین (Ken Silverstein) کو 2006ء میں بتایا کہ پرنس ہر ماہ باقاعدگی سے ایک یا دو مرتبہ سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر کا دورہ کرتا ہے اور وہاں کے سینئر اہلکاروں (بالخصوص ڈائیریکیٹوریٹ آف آپریشنز کے اہلکاروں) سے ملاقات کرتا ہے۔

کیونکہ سی آئی اے کے اور دیگر خفیہ اداروں کے معاہدے '' کالے معاہدے'' (Black Contracts) ہوتے ہیں اس لئے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ افغانستان میں ملنے والے اس پہلے کام سے بلیک واٹر سیکیورٹی نے کتنا کمایا۔اسمتھ کا کہنا ہے کہ یہ دور بلیک واٹر کے لئے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے کا دور تھا۔سی آئی اے اور فوج کے لئے کام کرنے کی وجہ سے اور پرنس کے سیاسی و عسکری روابط کی وجہ سے بلیک واٹر بالآخر امریکی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کو بھی اپنا گاہک بنانے میں کامیاب ہو گئی۔اسمتھ کے مطابق '' اپنے اس پہلے ٹھیکے کی وجہ سے ہمیں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے پینگیں بڑھانے کا موقع ملا کیونکہ اس کے لوگ وہاں نزدیک ہی موجود تھے۔جیسے ہی ہمیں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے کام ملا ہمارے لئے تمام دروازے کھلتے چلے گئے۔

جب آپ کسی ایسے ڈیپارٹمنٹ میں پاؤں جمالیتے ہیں جس کے دفاتر دنیا بھر میں موجود ہوں تو آپ کو پھلنے پھولنے کے ویسے ہی مواقع مل جاتے ہیں جیسے کینسر کے خلیوں کو خون میں شامل ہونے پر ملتے ہیں۔

بلیک واٹر کو اپنی زندگی کا نادر موقع اس وقت میسر آیا جب مارچ 2003ء میں امریکی افواج بغداد میں داخل ہوئیں۔ جنرل سروسز ایڈمنسٹریشن (GSA) کی فہرست میں شامل ہونے کی وجہ سے اور اپنے گہرے سیاسی و مذہبی روابط کے باعث پرنس نے عراق میں وہ اہم ٹھیکہ حاصل کرلیا جس کے تحت اس نے بغداد میں بش انتظامیہ کے چوٹی کے اہلکار و سفیر پال بریمر کی حفاظت کے لئے باڈی گارڈز فراہم کرنا تھے۔ وائسرائے کہلانے والا بریمر آزاد منڈیوں کا کٹر حامی تھا اور پرنس کی طرح کیتھولک مسلک اختیار کر چکا تھا۔ وہ نیوکانز کے اس ایجنڈے کا بھی حامی تھا کہ امریکی فوجی قوت کو دنیا کو امریکی مفاد کے مطابق ڈھالنے کے لئے استعمال کیا جائے اور یہ سب کچھ جمہوریت کے نام پر کیا جائے۔ بریمر والے اس ٹھیکے کا مطلب تھا کہ پرنس اب اس ایلیٹ (Elite) نجی فوج کا سربراہ تھا جو میدان جنگ کی اولین صفوں میں موجود تھی۔ نارتھ کیرولینا کی نشانہ بازی کی تربیت گاہ کے مقابلے میں (جو کچھ سال پہلے بلیک واٹر کی پہچان تھی) اب یہ حال تھا کہ بلیک واٹر بش انتظامیہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اٹوٹ انگ تھی۔ بلیک واٹر کے صدر گیری جیکسن کے مطابق اس کمپنی کو ملنے والے کچھ ٹھیکے اس قدر خفیہ نوعیت کے ہوتے ہیں کہ ہم ایک حکومتی ادارے کے ٹھیکوں کی بابت کسی دوسرے حکومتی ادارے کو بھی کچھ بتا نہیں سکتے۔ عراق کرائے کے فوجیوں کے لئے عہد شباب ثابت ہوا تھا اور بلیک واٹر جلد ہی اس صنعت کی رجحان ساز کمپنی بن گئی تھی۔ مگر پرنس کی افواج کی عراق میں تعیناتی کے ایک سال سے بھی کم عرصے میں بلیک واٹر کے چار اہلکار ایک سنی علاقے میں مہم جوئی کے دوران مارے گئے۔ اس واقعے نے نہ صرف بلیک واٹر کو دنیا بھر میں بدنام کر ڈالا بلکہ امریکہ کے عراق پر قبضے اور عراقی مزاحمت کا رخ بھی بدل ڈالا۔ یہ سب فلوجہ نامی شہر میں ہوا۔

باب:3

بلیک واٹر سے پہلے کا فلوجہ

"اجنبیوں کو مہذب ہونا چاہئے" --- عراقی کہاوت

بلیک واٹر کے قدم عراق میں پہنچنے سے بہت پہلے --- ایک عشرے سے بھی زیادہ پہلے --- بلیک واٹر کے عمل دخل سے باہر حالات ایسا رُخ اختیار کر رہے تھے جس کے نتیجے میں 31 مارچ 2004ء کا واقعہ پیش آیا جب عراقی مزاحمت کاروں نے فلوجہ شہر کے وسط میں بلیک واٹر کے چار اہلکاروں کو دن دہاڑے فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ چار امریکیوں کی اس ہلاکت نے عراق میں امریکی جنگ کا رخ بدل ڈالا۔ یہ ہلاکتیں فلوجہ کے بار بار محاصرے کا سبب بنیں اور امریکہ کے خلاف عراقی مزاحمت کاروں کے لئے تو اس نے چابک کا کام کیا۔

بلیک واٹر کے اہلکاروں کی ہلاکت کو اگر ان تفصیلات سے شروع کیا جائے کہ اس خاص دن اس قافلے پر کیا بیتی یا اس واقعے سے چند روز قبل کے کیا حالات تھے تو ایک عشرے سے زیادہ پر محیط وہ تاریخ نظر انداز ہو جائے گی جو اس طرز کے واقعات کی آبیاری کر رہی تھی۔ کچھ لوگوں کے خیال میں تو یہ داستان اس سے بھی پہلے شروع ہوئی۔ یہ 1920ء میں برطانوی قبضے کے خلاف فلوجہ کے باسیوں کی شدید ترین مزاحمت سے شروع ہوئی جب فلوجہ کے باغیوں نے کم و بیش ایک ہزار برطانوی فوج ہلاک کر ڈالے تھے اور یہ واقعہ عراق پر امریکی قبضے سے کوئی ایک صدی قبل پیش آیا تھا۔ کہانی کہیں سے بھی شروع کریں یہ حقیقت ہے کہ فلوجہ شہر کو 2003ء کے امریکی حملے سے سب سے زیادہ متاثر ہونا پڑا۔ امریکی افواج نے متعدد بار اس شہر پر حملہ کیا ہزارہا شہریوں کو ہلاک اور

لاکھوں کو دربدر کیا۔ کئی بار غیر مسلح مظاہرین پر فائر کھولا گیا۔ حملہ آور امریکیوں نے اس باغی شہر کو نشان عبرت بنانے کی پوری کوشش کی۔ امریکی پریس، دانشوروں، پالیسی سازوں اور فوجی کمانڈروں کی نظر میں فلوجہ صدام کے حامی مزاحمت کاروں کا گڑھ تھا جو صدام حکومت گرائے جانے اور امریکی قبضہ ہو جانے پر برانگیختہ تھے۔ مگر تاریخ کو اس تنگ نظری پر مشتمل، نامکمل اور گمراہ کن طریقے پر پیش کرنے سے صرف امریکی مفادات ہی پورے ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ پلیٹزر پرائز (Pulitzer prize) جیتنے والے واشنگٹن پوسٹ کے نامہ نگار اینتھونی شادید نے لکھا ہے ''فلوجہ کے سابقہ حکومت سے تاریخی روابط کہانی کا صرف ایک حصہ ہیں۔ اس خطے کی تشکیل میں دیہی روایات اور قوم پرستی بھی شامل ہیں جنہیں مذہب کی قطعیت پسند تعبیر سے باہم مربوط کیا گیا ہو۔ شناخت اور اس سے وابستہ اقدار اپنے حقوق سے محرومی کا احساس ہونے پر شدت اختیار کر گئیں۔ اس بات کا ذرائع ابلاغ میں شاذ ہی ذکر ہوتا ہے کہ امریکی افواج کے عراق میں داخل ہونے، بلیک واٹر کے اہلکاروں کی ہلاکت اور شہر کے محاصروں سے پہلے اور نتیجتاً اس شہر کے عراقی مزاحمت کی علامت بننے سے قبل بھی فلوجہ کے شہری امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے ظلم و ستم کا مزا چکھ چکے تھے۔

1991ء کی جنگ خلیج کے دوران فلوجہ میں وہ قتل عام ہوا جسے کسی بھی جنگ کے دوران غلطی سے ہو جانے والی بمباری کے نتیجے میں ہونے والے سب سے بڑے جانی نقصانات میں سے ایک کہا جا سکتا ہے۔ اس جنگ کے بارے میں کہا گیا تھا کہ یہ ''اسمارٹ'' ہتھیاروں کے ذریعے جنگ کا آغاز ہے۔ 13 فروری 1991ء کو سہ پہر تین بجے کے فوراً بعد اتحادی طیارے گرجتے ہوئے شہر پر نمودار ہوئے اور فلوجہ کو بغداد جانے والی شاہراہ سے ملانے والے دریائے فرات پر تعمیر شدہ آہنی پل پر میزائل داغنے شروع کر دیئے۔ پل کو تباہ کرنے میں ناکام رہنے پر یہ طیارے اگلے گھنٹے میں پھر لوٹ آئے۔ ایک عینی شاہد کے مطابق یہ کل آٹھ طیارے تھے، چھ نے حصار بندی کی ہوئی تھی اور دو حملہ کر رہے تھے۔ برطانوی ٹورنیڈو جنگی طیاروں نے ٹھیک نشانے پر بیٹھنے والے متعدد لیزر گائیڈڈ میزائل داغے۔ مگر کم از کم تین اپنے ہدف تک پہنچنے میں ناکام رہے۔ ایک میزائل پل سے آٹھ سو گز دور گنجان آباد رہائشی علاقے کی ایک عمارت پر گرا۔ مقامی ہسپتال کے ذرائع کے مطابق اس روز 130 افراد ہلاک اور 80 زخمی ہوئے۔ ہلاک ہونے والوں میں کئی بچے بھی شامل تھے۔ اتحادی کمانڈر کیپٹن ڈیوڈ ہنڈرسن کے مطابق یہ واقعہ طیارے کے لیزر سسٹم میں خرابی کے باعث پیش آیا ورنہ پل کو اُڑانا تو جنگی حکمت عملی کے لحاظ سے درست اقدام تھا۔ اس

نے اور دوسرے اہلکاروں نے الزام لگایا کہ عراقی حکومت اس واقعہ کو پروپیگنڈا وار کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ ہمیں ان زیادتیوں کو بھی یاد کرنا چاہیے جو عراق نے ایرانیوں پر کیمیائی ہتھیاروں کے ذریعے کی تھیں اور جو انہوں نے خود اپنے ہم وطن کردوں پر کی تھیں۔ امدادی کارروائیوں کے دوران فلوجہ کے ایک باسی نے چلا کر صحافیوں سے کہا ''دیکھو بش نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے۔ اس کے خیال میں کوبت یہاں سے شروع ہوتا ہے''۔

یہ بمباری عمداً ہوئی ہو یا خطا اس واقعے کے دس سال بعد بھی عراقی اسے قتل عام کی حیثیت سے یاد رکھے ہوئے تھے اور اسی تناظر میں فلوجہ کے باسیوں نے ایک اور صدر بش کے عہد میں ہوتے نئے امریکی حملے کو دیکھا۔ فلوجہ کی سنی اکثریت پہلے ہی صدام حسین کی سب سے زیادہ وفادار سمجھی جاتی تھی اور صدام کے انقلابی گارڈز میں سے کئی ایک کا تعلق اسی شہر سے تھا۔ اگرچہ صدام حسین فلوجہ کو اپنی حکومت کا حامی سمجھتا تھا، عراقی حکومت فلوجہ کے ہسپتالوں اور کلینکوں کو امریکی اقتصادی پابندیوں کے اثرات بد سے نہیں بچا سکی تھی۔ انسانی حقوق کی مشہور علم بردار اور صدا صحرا (Voices in the Wilderness) کی بانی، کیتھی کیلی (Kathy kelly) کے مطابق ''ہم نے امریکی حملے سے قبل ہسپتال کے وارڈوں کا دورہ کیا تھا اور شیر خوار بچوں کو موت کے انتظار میں دیکھا تھا کیونکہ امریکی پابندیوں کی وجہ سے دوائیوں کی شدید قلت تھی۔ 1991ء کی جنگ خلیج کے بعد کیتھی متعدد بار عراق کا دورہ کر چکی تھی۔ 2003ء کے امریکی حملے سے پہلے جب اس نے برطانوی انسانی حقوق کے کارکنوں کے ہمراہ فلوجہ کا دورہ کیا تا کہ 1991ء کی بمباری کی بابت امریکہ اور برطانیہ کے قصوروار ہونے کا تعین کیا جا سکے اور بچ جانے والوں کے انٹرویو لئے جا سکیں۔ کیلی کچھ دیر کے لئے اپنے گروپ سے علیحدہ ہو گئی تھی۔ ایسے میں ایک آدمی نے اسے انگریزی میں مخاطب کیا'' او امریکیو اور یورپیو! آؤ میرے گھر آ کر دیکھو، ہمیں ایسا پانی میسر ہے جو تم اپنے جانوروں کو بھی پلانا پسند نہیں کرتے۔ بس ہمارے پاس یہی کچھ ہے۔ اب تم ہمارے بچوں کو دوبارہ مارنا چاہتا ہو۔ کم از کم تم میرے بیٹے کو تو نہیں مار سکتے۔ وہ تو بش کی پہلی جنگ میں مارا جا چکا ہے۔ کیلی کہتی ہے کہ جب اس کا غصہ سرد ہوا تو اس نے اسے اپنے گھر پر چائے کی دعوت دی۔ کیلی کے نزدیک یہ واقعہ اس بات کی شہادت ہے کہ فلوجہ جیسے شہر میں بھی دوستانہ تعلق قائم کرنا ممکن ہو سکتا ہے باوجود ان تکالیف کے جو عراقیوں نے برداشت کی ہیں۔ مگر اقتصادی پابندیاں جاری رکھتے ہوئے اور پرواز کے لئے ممنوعہ علاقوں پر بمباری کر کے ہم اس موقع کو بڑی تیزی سے کھو رہے

ہیں۔اپریل 2003ء میں امریکی فوج کے عراق میں داخلے نے اس آگ کے لئے تیل کا کام دیا جو فلوجہ میں بارہ سال قبل لگائی گئی تھی۔

امریکی افواج نے عراق پر حملے کے شروع ہی میں اپریل کے مہینے میں فلوجہ پر قبضہ کرلیا تھا مگر پھر جلد ہی وہاں سے چلے گئے تھے۔مقامی عراقیوں کا کہنا تھا کہ انہوں نے لڑے بغیر شہر امریکیوں کے حوالے کردیا تھا مگر اس شرط پر کہ وہ دو دن سے زیادہ شہر میں نہیں رُکیں گے۔عراق کے دوسرے علاقوں کی طرح فلوجہ کے لوگوں نے بھی خود کو منظم کرنا شروع کردیا تھا تاکہ وہ اپنے ملک کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کے نتائج کا جائزہ لے سکیں۔انہوں نے شہر کے لئے ایک نئی کونسل بھی بناڈالی تھی۔جیسے جیسے امریکی قبضہ وسیع ہوتا گیا اور امریکی کمانڈر مختلف علاقوں میں پھیلنے لگے،بیاسی ویں ایئر بورن ڈویژن فلوجہ میں داخل ہوگئی۔دیگر ہم وطنوں کی طرح فلوجہ کے باسیوں نے بھی قابض افواج کی فوری مزاحمت نہیں کی۔وہ سب کچھ دیکھتے اور انتظار کرتے رہے۔تاہم مزاحمت شروع ہونے میں دیر نہیں لگی کیونکہ امریکی فوجی گاڑیاں کثرت سے شہر میں گشت کرنے لگیں،چیک پوسٹوں پر مقامیوں کی تذلیل کی جانے لگی اور لوگوں کو یہ شکایت بھی ہونے لگی کہ امریکی فوجی ان کی خواتین کو گھورتے ہیں۔یہ شکایات بھی تھیں کہ امریکی فوجی گلیوں میں کھلے عام پیشاب کرتے پھرتے ہیں۔شہر میں اس بات پر اتفاق رائے پیدا ہورہا تھا کہ کم ازکم اقدام کے طور پر امریکیوں کو شہری حدود سے باہر نکل جانا چاہئے۔حالات کو بدتر ہونے میں کچھ ہی دن لگے۔25 اپریل کو امریکیوں نے حیّ نزال اسٹریٹ میں واقع القائد اسکول پر قبضہ کرلیا اور اس کی دومنزلہ عمارت کو فلوجہ میں اپنا ہیڈ کوارٹر بنالیا۔

اس اسکول پر قبضے نے جسے ابتدائی اور ثانوی دونوں درجوں کی تعلیم کے لئے استعمال کیا جاتا تھا شہر میں غصے کی لہر دوڑادی۔اس غصے کی متعدد وجوہات تھیں۔ایک یہ تھی کہ اساتذہ اور والدین بچوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ حالات معمول پر آرہے ہیں اور اسکول اس بات کی مرکزی علامت تھی۔اس کے علاوہ یہ افواہ تیزی سے پھیل رہی تھی کہ امریکی رات میں دیکھنے والی عینکوں کے ذریعے ان کے گھروں میں خواتین کو تاڑتے ہیں جب کہ وہ بے پردہ ہوتی ہیں۔مقامی قیادت نے ہفتہ اور اتوار کے روز امریکی فوجیوں سے کئی ملاقاتیں کیں اور ان پر زور دیا کہ وہ سکول خالی کردیں۔اتوار کا دن گزر گیا۔سوموار 25 اپریل کو صدام حسین کی چھیاسٹھویں سالگرہ کا دن تھا اور 150 امریکی فوجی ابھی تک سکول پر قابض تھے۔

اس رات جب کہ امریکی فوجیوں کی شہر میں موجودگی سے تناؤ میں اضافہ ہو رہا تھا، ایک مقامی مسجد کے امام نے امریکی قبضے کے خلاف تقریر کی اور سکول پر قبضے کی شدید مذمت کی۔ شہر میں امریکی افواج کی بھاری تعداد میں موجودگی کے باعث مقامی علماء لوگوں کو تلقین کر رہے تھے کہ وہ بہادری کا مظاہرہ کریں۔ نماز کے بعد لوگوں نے امریکی قبضے کے بعد کے پہلے منظم مظاہرے کے لئے جمع ہونا شروع کر دیا۔ امریکی ایک ہفتہ قبل جنوبی شہر موصل میں 10 مظاہرین کو ہلاک کر چکے تھے مگر اس سے فلوجہ کے شہریوں کے حوصلے پست نہیں پڑتے تھے۔ 28 اپریل کو شام ساڑھے چھ بجے لوگوں نے بعث پارٹی کے سابقہ ہیڈ کوارٹر کے باہر جمع ہونا شروع کر دیا۔ اس عمارت پر بھی امریکیوں نے قبضہ کر کے اپنی کمانڈ پوسٹ قائم کر رکھی تھی۔ اس سے اگلی عمارت میں امریکی حمایت یافتہ میئر کا دفتر تھا جہاں امریکی کمانڈر کی میٹنگ جاری تھی۔ ہجوم نے اللہ اکبر اور محمد رسول اللہ ﷺ کے نعرے بلند کئے اور یہ نعرے بھی لگائے کہ ہمیں نہ صدام چاہئے اور نہ امریکہ۔ فوجی اہلکاروں کا دعویٰ ہے کہ مجمع میں سے کچھ لوگ ہوائی فائرنگ کر رہے تھے (جو کہ عراق مظاہروں کی ایک عام روایت ہے)۔ تاہم عراقی عینی شاہدین کے مطابق کسی قسم کی کوئی فائرنگ نہیں ہوئی تھی۔ فلوجہ میں امریکی کمانڈر، لیفٹیننٹ کرنل ایرک نانٹز (Erik Nantz) کے کہنے کے مطابق ان کی طرف سے لاؤڈ اسپیکر پر عربی زبان میں اعلان کیا گیا کہ اس طرح کا مظاہرہ اشتعال انگیزی ہے اور اس سے سختی سے نپٹا جا سکتا ہے۔ اس موقع پر مجمع میئر کے دفتر سے ہٹ کر عراق کی سڑکوں پر جمع ہونے لگا اور لوگوں کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔ جب مجمع سکول تک پہنچا تو مظاہرین کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچی تھی۔ مجمع میں کسی نے صدام حسین کی بڑی سی تصویر اٹھا رکھی تھی جو قابضین کے خلاف مزاحمت کی علامت تھی۔ مظاہرین نعرے لگا رہے تھے ”لا الہ الا اللہ“ اور ”امریکہ اللہ کا دشمن ہے“ وہ یہ نعرہ بھی لگا رہے تھے کہ ”ہمیں نہ صدام چاہئے نہ بش، امریکیوں نے اپنا کام کر لیا ہے اس لئے اب وہ یہاں سے جائیں“۔

اس رات جو کچھ ہوا اس بابت امریکی قابض افواج اور فلوجہ کے لوگوں کے مؤقف میں واضح تضاد ہے۔ ذرائع ابلاغ کے مشہور لوگوں نے عراقیوں کے انٹرویو کئے اور ان کے مطابق کسی عراقی نے اسکول پر یا امریکی فوجیوں پر فائرنگ نہیں کی تھی۔ کچھ عراقیوں نے کہا کہ ہوائی فائرنگ کے اکا دکا واقعات ہوئے تھے؛ تاہم ہیومن رائٹس واچ نے جتنے بھی مظاہرین کا انٹرویو کیا سب نے یہی بتایا کہ مظاہرین میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار تھا ہی نہیں۔ کچھ نے یہ ضرور کہا کہ فلوجہ

کے دوسرے علاقوں میں تھوڑی بہت فائرنگ ہوئی تھی مگر سکول کے قرب و جوار میں بالکل بھی نہیں ہوئی۔ نائٹر نے دعویٰ کیا کہ مظاہرین مشتعل تھے اور سنگ باری کے ساتھ کچھ ہوائی فائرنگ بھی کر رہے تھے۔ اس نے کہا کہ ایک امریکی فوجی پتھر لگنے سے زخمی بھی ہو گیا تھا۔ اس کے دعویٰ کے مطابق اس کے بعد مظاہرین نے سکول پر فائرنگ بھی کی۔ امریکی کمانڈر کے مطابق اس کے فوجیوں نے پہلے دھواں پھیلانے والے بم پھینکے اور بعد میں انہیں فائرنگ کا جواب دینے کی بھی اجازت دے دی گئی۔ مظاہرین پر گولیوں کی بارش شروع کر دی گئی۔ امریکی کہتے ہیں کہ انہوں نے اندھیرے میں دیکھنے والی عینکیں پہن رکھی تھیں اور صرف گولیاں اگلنے والی بندوقوں پر ہی جوابی فائرنگ کر رہے تھے۔ عراقیوں کے مطابق ان کی فائرنگ ڈراوے کے لئے نہیں تھی بلکہ وہ باقاعدہ نشانہ لے کر لوگوں کو مار رہے تھے۔

چند لمحوں کے اندر ہی مظاہرین کا مجمع خون میں نہا گیا۔ بہت سے لوگوں نے زخمیوں کی، جن میں بچے بھی شامل تھے دل دہلانے والی منظر کشی کی ہے۔ زخمی سڑک پر گرے پڑے تھے اور ان کو بچانے کے لئے آنے والوں پر بھی فائرنگ کی جا رہی تھی۔ جب مجمع منتشر ہو گیا تب بھی زخمیوں کو اُٹھانے والوں کو تاک کر نشانہ بنایا جاتا رہا۔ معتاز فواد الظلیمی کے مطابق اس نے اپنے کزن سمیر علی الظلیمی کو خود امریکہ کا نشانہ بنتے دیکھا۔ ''سکول کی چھت پر چار امریکی تھے، میں نے انہیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان کے پاس ایک بڑی مشین گن تھی جس سے دس منٹ تک آٹو میٹک فائرنگ ہوتی رہی۔ کچھ لوگ زمین پر لیٹ گئے مگر جیسے ہی وہ اُٹھے ان پر دوبارہ فائرنگ کی گئی۔ ایمبولینس ڈرائیوروں کا کہنا ہے کہ امریکی انہیں بھی وہاں رکنے نہیں دے رہے تھے۔

37 سالہ احتشام شمس الدین کا کہنا ہے کہ وہ لوگ اس وقت اپنے گھر میں موجود تھے۔ اس کے شوہر نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی تاکہ بچے باہر نہ نکلیں تو اس دوران اسے بھی گولی لگی تھی یہ خاتون سکول کے نزدیک ہی رہائش پذیر ہیں اور اس رات خود انہیں بھی ٹانگ پر گولی لگی۔ اس فائرنگ میں تیرہ افراد ہلاک اور ستر زخمی ہوئے۔ ہلاک شدگان میں چھ بچے بھی شامل تھے۔ نائٹر کا کہنا ہے کہ ''ان کی فائرنگ بہت مختصر عرصے کی تھی اور خاص انہی لوگوں کو نشانہ بنایا گیا تھا جو فائرنگ کر رہے تھے۔ اگر چند دوسرے لوگ بھی زخمی ہوئے تو اس بات کا اسے افسوس ہے''۔ واقعے کے فوراً بعد جائے وقوعہ کا دورہ کرنے والے صحافیوں نے امریکی بیان کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ فلوجہ سے اپنے مراسلے میں ''دی انڈیپنڈنٹ'' لندن کے نمائندے فل ریوز (Phil

Reeves) نے لکھا:

''سکول کی عمارت کے سامنے والے حصے پر گولیوں کا ایک بھی نشان نہیں تھا جبکہ سامنے واقع گھروں پر مشین گن کی فائرنگ سے ہتھیلی کے سائز اور بال پین کی لمبائی جتنے گہرے گڑھے پڑے ہوئے تھے۔ جب اس بابت لیفٹیننٹ کرنل نانٹز سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ فائر سکول کو نہیں لگے بلکہ ہمارے فوجیوں کے سروں پر سے گزر رہے تھے۔ ہمیں گولیوں کے نشان دکھانے کے لئے لے جایا گیا جو ایک بالائی کھڑکی پر سوراخ کی صورت میں اور ایک دیوار پر رگڑ کے نشان کی صورت میں تھے مگر یہ سب عمارت کی دوسری جانب تھے۔

کچھ اور بھی پریشان کن سوالات ہیں۔ لیفٹیننٹ کرنل نانٹز (Nantz) کا کہنا ہے کہ سڑک کے پار واقع ایک گھر سے فوجیوں پر فائرنگ ہوئی۔ کئی ایک ہلکی مشین گنیں دکھائی گئیں جو امریکیوں کے مطابق فائرنگ کی جگہ پر پائی گئی تھیں۔ اگر یہ سچ ہے تو بھی یہ عراقیوں کا ایک خودکش مشن ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کوئی بھی حملہ آور چالیس فٹ دور ایک ہی مقررہ جگہ سے فائرنگ کر کے زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔

امریکیوں کا یہ دعویٰ کہ مظاہرین کے پاس 25 بندوقیں تھیں بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ حملہ آور یا تو واقعی مرنا چاہتے تھے یا وہ انتہائی احمق تھے کیونکہ عراقی گزشتہ چند ہفتوں میں یہ جان چکے تھے کہ اگر وہ کسی امریکی چیک پوسٹ پر اپنی گاڑی آنا فانا نہ روکیں تو ان پر فائرنگ ہو سکتی ہے''۔

ہیومن رائٹس واچ نے زمینی حقائق کی تفتیش سے یہ نتیجہ نکالا کہ ''عمارت کے جسمانی معائنے سے اس پر کسی موثر حملے کا کوئی نشان نہیں پایا گیا، جیسا کہ امریکی فوجیوں کا دعویٰ ہے۔ اس کے برخلاف سکول کے سامنے واقع گھروں پر گولیوں کے سو سے زیادہ نشانات تھے، چھوٹے ہتھیاروں کی گولیوں کے بھی اور مشین گن کی گولیوں کے بھی۔ نو میں سے سات گھروں پر گولیوں سے ہونے والے نقصانات بالکل واضح تھے اور چھ گھر ایسے تھے جن میں سے ہر ایک پر ایک درجن سے زیادہ راؤنڈز کے نشانات تھے۔۔۔ کسی بھی گھر کے اوپر والے حصے پر کوئی نشان نہیں تھا جبکہ

امریکی فوجیوں کے مطابق انہوں نے گھروں کی چھتوں پر موجود بندوق برداروں کو نشانہ بنایا تھا"۔

اگر امریکیوں کو کہنے کی حد تک بھی یہ اُمید تھی کہ وہ اہالیان فلوجہ کے دل و دماغ جیت لیں گے تو وہ اس خون میں لت پت رات کو دم توڑ گئی۔ اگلی صبح مقتولین کی تدفین اسلامی روایات کے مطابق کر دی گئی۔ ہسپتال کے ایمرجنسی روم' جہاں زخمیوں کے علاج معالجے کی کوششیں کی جارہی تھیں، کے باہر ایک خون آلودہ عراقی پرچم ٹنگا ہوا تھا۔ اس قتل عام کی خبر فلوجہ اور باقی عراق میں بہت تیزی سے پھیل رہی تھی۔ احمد حسین نے جو ہسپتال میں اپنے دم توڑتے بیٹے کے سرہانے بیٹھا تھا، اپنا عزم ظاہر کیا۔ "ہم اس واقعے پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔ یا تو وہ خود یہاں سے چلے جائیں ورنہ ہم انہیں نکال باہر کریں گے۔ بین الاقوامی پریس میں کچھ لوگ اس واقعے کا 1972ء کے "خونی اتوار" کے اس قتل عام سے موازنہ کر رہے تھے جب برطانوی افواج نے آئرلینڈ کے کیتھولک مظاہرین پر فائر کھول کر تیرہ افراد کو ہلاک کر ڈالا تھا۔ اور اس طرح آئرش ری پبلکن آرمی کے لئے منظم اور مشہور ہونا آسان بنادیا تھا۔

اگلے بدھ کو ایک ہزار کے قریب لوگ فلوجہ کی سڑکوں پر نکل آئے اور اس قتل عام کے خلاف اور امریکی فوجوں کے انخلاء کے لئے مظاہرہ کیا۔ وہ بعث پارٹی کے سابقہ ہیڈ کوارٹر کے سامنے اکھٹے ہو گئے۔ یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ "سڑک کا منظر پریشان کن تھا۔ امریکی فوجیوں نے عمارتوں کی چھتوں سے مظاہرین پر ہتھیار تانے ہوئے تھے اور آسمان پر لڑاکا اپاچی ہیلی کاپٹر اپنی گنوں کا رخ مظاہرین کی طرف کئے چکر لگا رہے تھے۔ اس مرتبہ بھی یہ مظاہرہ خون آشام ثابت ہوا۔ امریکیوں نے چار افراد کو ہلاک اور پندرہ کو زخمی کر دیا۔ اسکول کے واقعے کی طرح امریکیوں کا اس بار بھی یہی دعویٰ تھا کہ یہ کارروائی انہیں اپنے دفاع میں کرنا پڑی مگر بڑے بڑے ذرائع ابلاغ کے صحافیوں نے اس کی تردید کی۔ یو پی آئی کے فلوجہ میں نامہ نگار، پی۔ مچل پروتھیرو نے رپورٹ دی کہ "ہلاک یا زخمی ہونے والوں میں سے کسی کے پاس بھی کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ نہ ہی مظاہرین میں سے کسی نے کسی ہتھیار کی نمائش کی"۔

واشنگٹن پوسٹ نے جن افراد کا انٹرویو کیا ان کے مطابق امریکی فوجی سڑکوں پر گشت کرتے ہوئے شہریوں کی زندگیوں کا خیال کئے بغیر فائرنگ کرتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا فلسطین میں ہوتا ہے۔ جغرافیہ کے پروفیسر احمد تعبیر صاحب کے مطابق، جس کے دو بھتیجے امریکیوں کے ہاتھوں زخمی ہو چکے تھے، اسے اس قسم کے واقعات کا یقین نہیں آ سکتا تھا اگر وہ خود اپنی آنکھوں

سے نہ دیکھ لیتا۔ ایک مقتول کے کفن دفن کا انتظام کرتے ہوئے سنی عالم شیخ تعلید العیساوی نے امریکیوں پر طنز کرتے ہوئے کہا ''ہم سمجھتے تھے کہ آزاد لوگوں کو مظاہروں کی اجازت ہوتی ہے مگر گولیوں کی بوچھاڑ نے ہمیں بتایا کہ ہم آزاد نہیں ہیں۔ کیا آزادی کی دو اقسام ہیں، ایک تمہارے لئے اور دوسری ہمارے لئے''۔ شہر بھر میں عام لوگوں کے جذبات اسی قسم کے تھے۔ شہر کے ایک باسی فالح ابراہیم نے سینکڑوں دوسرے افراد کے ہمراہ دو جنازے قبرستان لے جاتے ہوئے کہا ''کیا بش کے نزدیک آزادی اس چیز کا نام ہے۔ نہ ہمیں بش چاہئے اور نہ اس کی دی ہوئی آزادی۔''

قتل عام کے اس دوسرے واقعے کے چند گھنٹے بعد ڈیفنس سیکرٹری ڈونلڈ رمز فیلڈ عراق پہنچا اور بصرہ ائیر پورٹ پر صحافیوں کو بیان دیا ''اہم بات یہ ہے کہ ذہین اور پر جوش لوگوں کی بڑی تعداد کو پنجہ استبداد سے آزاد کرا لیا گیا ہے اور یہ بہت اچھی بات ہے۔'' ادھر فلوجہ میں امریکی فوجیوں نے قائد سکول خالی کر دیا تھا اور اپنا ہیڈ کوارٹر بعث پارٹی کے سابقہ ہیڈ کوارٹر کی عمارت میں منتقل کر دیا تھا۔ نزدیک ہی ایک بینر لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا ''امریکی قاتلو! جلد یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ ہم تمہیں دھکے دے کر نکال باہر کریں گے''۔

اسی دن صدام حسین کا جو ابھی تک روپوش تھا ایک خط مشتہر کیا گیا جس میں عراقیوں سے کہا گیا تھا ''اور سب کچھ بھول جائیں، قابضین کی مزاحمت کریں۔ ہماری اولین ترجیح ان کافر، مجرم اور بزدل قابضین کو نکال باہر کرنا ہے۔ کوئی معزز عراقی دشمن کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ ایسا تو صرف غدار اور سازشی لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ اسی اثناء میں وائٹ ہاؤس سے اعلان ہوا کہ اگلے دن صدر بش امریکی بحریہ کے جہاز ابراہم لنکن سے لڑائی کے خاتمے اور مشن کی تکمیل کا اعلان کریں گے۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ لڑائی تو اب شروع ہوئی تھی اور گزشتہ اڑتالیس گھنٹوں کے واقعات فیصلہ کن کردار ادا کرنے والے تھے۔ اس رات فلوجہ میں امریکی ہیڈ کوارٹرز پر ایک گرنیڈ پھینکا گیا جس سے سات امریکی فوجی زخمی ہوئے۔ مزید خون خرابہ روکنے کی کوشش میں فلوجہ کی جامع مسجد کے امام جمال شاکر محمود امریکی نمائندوں سے ملے۔ انہوں نے بتایا کہ امریکیوں کے خیال میں شہر کی حفاظت کے لئے ان کی فوج کی وہاں ضرورت تھی مگر ہم نے انہیں جواب دیا کہ ہم اپنی حفاظت خود کر لیں گے۔ ایک مقامی قائد محمد فرحان، کے مطابق ''فلوجہ کے لوگ جان گئے تھے کہ ان کے شہر پر مکمل قبضہ ہو چکا ہے۔ قتل عام کے بعد ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ امریکی ہمیں آزاد کرانے نہیں بلکہ ہم

پر قبضہ کرنے اور ہمیں مارنے کے لئے آئے ہیں۔

امریکی قتل عام کی داستان فلوجہ، عراق اور تمام عرب دنیا تک پھیلنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ چند ہفتوں کے اندر عوامی گانے ریڈیو پر نشر ہونے لگے جن میں فلوجہ والوں کی مزاحمت اور بہادری کی تعریف کی گئی تھی۔ مارکیٹوں میں ایسی ڈی وی ڈی (DVD) فروخت ہونے لگیں جن میں قتل عام کے بعد کے مناظر کے ساتھ ساتھ مزاحمت کاروں کے امریکی گشت کاروں پر حملے اور عربی فلموں کے بہادری کے مناظر شامل تھے۔ ایک DVD میں "بلیک ہاک ڈاؤن" نامی فلم سے امریکی فوجیوں کی صومالیہ میں ہلاکت کے مناظر شامل تھے جس کے پس منظر میں فلوجہ کے ایک گلوکار سابع الھاشم کی آواز میں یہ بول شامل تھے "اہل فلوجہ ان کے فوجیوں پر حملہ کرو۔ ان کے زخمی فوجیوں کو بچانے والا کوئی بھی نہیں ہوگا۔ بش تجھے فلوجہ میں کون لایا ہے۔ ہم تجھے مشروب موت پیش کریں گے۔ ہاشم کے ایک اور گانے کے بول تھے "جب اہالیان فلوجہ دشمن پر جھپٹتے ہیں تو وہ بھیڑیوں کی مانند لگتے ہیں"۔

یہ سب باتیں کسی پیش گوئی کی طرح ایک سال سے بھی کم عرصے میں اس وقت پوری ہوگئیں جب بلیک واٹر کے چار اہلکار فلوجہ شہر سے گزر رہے تھے۔ اسی دوران واشنگٹن ڈی۔ سی میں دہشت گردی کا ماہر ایک نیو کنزرویٹو ایل۔ پال بریمر، بغداد روانگی کی تیاری کر رہا تھا جہاں اسے مقبوضہ ملک کی حکمرانی کرنا تھی۔ ایرک پرنس عنقریب اس اہم شخصیت کی حفاظت کے لئے اپنے نجی فوجی بطور باڈی گارڈ عراق بھیجنے والا تھا۔

باب:4

بغداد میں بش اہلکاروں کی حفاظت

ایل۔ پال بریمر۔III 12 مئی 2003ء کو بغداد پہنچا اور دجلہ کنارے واقع صدام حسین کے محل کا رخ کیا۔ امریکی نگران اعلیٰ کی حیثیت سے اپنے ایک سالہ دور میں اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے پورے ملک کو دنیا بھر میں امریکا مخالف مزاحمت کا مرکز بنا دیا اور ایک ایسا نظام حکومت قائم کیا کہ ملک میں لوٹ کھسوٹ اور رشوت کا دور دورہ ہو گیا۔ اس کے دور کے خاتمے پر ایک جامع آڈٹ سے، جو امریکہ کے انسپکٹر جنرل برائے عراق نے کیا تھا، معلوم ہوا کہ عراقی تعمیر نو کی مد میں نو ارب ڈالر کی رقم کا کوئی حساب کتاب نہیں پایا جاتا۔ بریمر نے اس بے ضابطگی کا جواب یہ دیا کہ آڈٹ کا معیار غیر ضروری طور پر سخت تھا۔

ایرک پرنس کی طرح بریمر بھی اپنا پرانا مسلک چھوڑ کر قدامت پرست کیتھولک بن چکا تھا۔ اس نے سرکاری نوکری کا آغاز ری پبلکن انتظامیہ کے تحت کیا تھا اور وہ دائیں بازو کے انجیلی فرقے اور نیو کنزرویٹو دونوں میں یکساں مقبول تھا۔ 1970ء کی دہائی کے وسط میں وہ سیکرٹری آف اسٹیٹ ہنری کسنجر کا معاون تھا۔ ریگن انتظامیہ میں اس نے الیگزینڈر ہیگ کے ساتھ، جو ایک طاقتور سیکرٹری آف اسٹیٹ تھا، بطور ایگزیکٹو سیکرٹری اور اسپیشل اسسٹنٹ کام کیا۔ ریگن کی وسطی امریکہ میں فوجی جنگوں کے دور عروج میں اسے ترقی دے کر سفیر عمومی برائے دہشت گردی بنا دیا گیا۔ 1980ء کے اواخر میں بریمر نے حکومتی نوکری چھوڑ کر ہنری کسنجر کی فرم کسنجر اینڈ ایسوسی ایٹس کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ بریمر دہشت گردی کے متعلق امور میں ماہر تھا اور اس حیثیت سے نیو کنزرویٹو حلقے میں پسند کیا جاتا تھا۔ یہ اسی کے تصورات تھے جن کی بنیاد پر ''دہشت گردی

کے خلاف جنگ'' شروع کی گئی اور ڈیپارٹمنٹ آف ہوم لینڈ سیکیورٹی کا قیام عمل میں آیا۔ 9/11 سے ایک برس قبل اس نے سی آئی اے کی ان ہدایات کے بارے میں احتجاج کیا تھا جن کے تحت دہشت گرد جاسوس بھرتی کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی تھی۔ جب 9/11 کا واقعہ پیش آیا تو بریمر پہلے ہی سے ''انسداد دہشت گردی'' گروپ کا حصہ تھا۔ کیونکہ 1999ء میں ہاؤس اسپیکر ڈینس ہیس ٹرٹ (Dennis Hastert) نے اسے نیشنل کونسل آف ٹیررازم کا چیرمین بنا دیا تھا۔حملوں کے وقت بریمر عظیم انشورنس فرم مارش اینڈ میک لینان کا سینئر مشیر برائے امور سیاسی و متوقع خطرات تھا۔ اس فرم کا ہیڈ کوارٹر ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں تھا جہاں اس کے 1700 کارکن کام کرتے تھے جن میں سے 295 ان حملوں میں مارے گئے تھے۔

9/11 کے اڑتالیس گھنٹوں بعد بریمر نے وال اسٹریٹ جرنل میں لکھا'' ہماری انتقامی کارروائی گزشتہ عشرے کی کاروائیوں کی طرح لنگڑی لولی نہیں ہونی چاہئے۔ وہ تو صرف ڈراوا دینے والی باتیں تھیں۔ اس مرتبہ دہشت گردوں اور ان کی پشت پناہی کرنے والوں کو کچل دینا ضروری ہوگیا ہے۔اس کا مطلب ہے ہمیں ایک یا زائد ممالک سے جنگ لڑنا پڑے گی اور یہ ایک لمبی اور اصل جنگ ہوگی، محض ٹی۔وی پر دکھائی جانے والی قسم کی نہیں ہوگی۔جیسا کہ جنگوں میں ہوتا ہے،شہری بھی مارے جائیں گے۔ ہم کچھ لڑائیاں جیتیں گے اور کچھ ہاریں گے۔ پہلے سے زیادہ امریکی مارے جائیں گے۔مگر آخر کار ہم غالب رہیں گے جیسا کہ ہم ہمیشہ کرتے ہیں۔ہمیں بین الاقوامی حمایت حاصل کرنے کی احمقانہ روش ترک کرنا ہوگی۔آج تو بہت سی اقوام ہم سے ہمدردی جتا رہی ہیں مگر ہمیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے حقیقی دوست کون ہیں۔ انہی دنوں اس نے فوکس نیوز پر کہا'' مجھے امید ہے ہم عنقریب سمجھ جائیں گے کہ جو ملک دہشت گردی میں ملوث ہے یا دہشت گردوں کو پناہ گاہیں فراہم کرتا ہے اسے اس کی بھاری قیمت چکانا ہوگی۔

9/11 کے ایک ماہ بعد بریمر مارش اینڈ میک لینان کی ایک نئی ڈویژن کا سربراہ بن گیا جس کا کام کثیر القومی کمپنیوں کو دہشت گردی کے خطرے کے خلاف انشورنس فراہم کرنا تھا۔ اس ڈویژن کا نام تھا کرائسس کنسلٹنگ پریکٹس۔نومبر 2001ء میں اس نے ''بین الاقوامی بزنس کے لئے نئے خطرات'' کے نام سے ایک مقالہ لکھا۔اس میں اس نے لکھا کہ آزاد تجارت کی وجہ سے کارکنوں کی تعداد کم کرنا پڑتی ہے۔ منڈی کو بیرونی تجارت کے لئے کھول دینے کی وجہ سے مقامی پرچون فروشوں اور تجارتی اجارہ داری پر بہت دباؤ پڑ جاتا ہے۔ ان عوامل کی وجہ سے

آمدنیوں میں تفاوت بڑھتا ہے جو سماجی بے چینی کا باعث بنتا ہے۔ ان سب کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ امریکی کاروباری اداروں پر حملے ہوں، دہشت گردی کی شکل میں یا حکومتوں کی طرف سے نجکاری کا عمل الٹ دینے یا کاروباری مراعات واپس لے لینے کی شکل میں۔ کلین (Klein) بریمر کو کمپیوٹر ہیکر سے تشبیہ دیتا ہے جو کمپنیوں کی ویب سائیٹوں کو پہلے خراب کرتا ہے اور پھر خود کو نیٹ ورک سیکیورٹی اسپشلسٹ کے طور پر پیش کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے چند ماہ بعد بریمر اپنی کمپنیوں کو ٹیررازم انشورنش بیچنا شروع کر دے جنہیں اس نے خود عراق میں خوش آمدید کہا تھا۔ بریمر کے بغداد پہنچنے کے کچھ ہی عرصہ بعد مارش اینڈ میک لینان میں اس کے سابقہ باس، جیفری گرین برگ نے اعلان کیا کہ "2002ء مارش کے لئے ایک بہترین سال تھا کیونکہ اس دوران کاروباری آمدن میں 31 فیصد اضافہ ہوا۔۔۔ مارش کو خطرات کا تجزیہ کرنے اور اپنے کلائینٹس کو رسک مینجمنٹ پروگرام تیار کرنے میں مدد دینے کی مہارت کی بہت ڈیمانڈ رہی۔۔۔ ہمارے امکان اس سے بہتر کبھی نہیں رہے۔"

وسط اپریل 2005ء میں ڈک چینی کے اس وقت چیف آف اسٹاف آئی۔ لیوس، "سکوٹر" لبی اور ڈپٹی ڈیفنس سیکرٹری پال ولفووٹز نے بریمر سے رابطہ کیا تھا اور اسے مقبوضہ عراق کا انتظام سنبھالنے کی دعوت دی تھی۔ مئی کے وسط میں بریمر بغداد میں تھا۔ اس کی تعیناتی جو بطور ڈائریکٹر آف ری کنسٹرکشن اینڈ ہیومینیٹیرین اسسٹنس اور بطور سربراہ کولیشن پروویژنل اتھارٹی تھی فوراً ہی متنازعہ ہو گئی ان لوگوں کے نزدیک بھی جو پہلے اس کے ساتھ کام کرتے رہے تھے۔ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ایک سابقہ سینئر اہلکار نے جو بریمر کے ساتھ کام کر چکا تھا، اسے انتہائی ابن الوقت شخصیت قرار دیا اور کہا کہ اسے تو عراق کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں ہے۔ کلین کہتا ہے کہ بش انتظامیہ نے اسے اس لئے نہیں منتخب کیا تھا کہ وہ عراقی امور کا ماہر ہے بلکہ اس لئے کیا تھا کہ وہ امریکی ملٹی نیشنل کمپنیوں کو عراق میں کثیر منافع کمانے کے مواقع فراہم کرے گا۔ ہنری کسنجر نے بھی اس بات کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ بریمر اس کام کے لئے واقعی بہترین انتخاب ہے۔

بریمر نے جے۔ گارنر کی جگہ لی تھی جو عراق میں افغانستان جیسی کٹھ پتلی حکومت قائم کرنا اور امریکیوں کا وہاں مستقل قیام چاہتا تھا۔ مگر وہ امریکی کمپنیوں کے لئے نفع اندوزی کے مواقع فراہم کرنے میں بریمر جتنا پرجوش نہیں تھا۔ اکثر تجزیہ کاروں کے خیال میں گارنر ایک فوجی تھا، نظریہ ساز نہیں تھا۔ واشنگٹن پوسٹ نے بریمر کو پینٹاگون کے نیوکنزرویٹو ونگ سے تعلق رکھنے والا پختہ

کار شکر اقرار دیا۔ یہ حقیقت اور واضح ہوگئی جب ڈک چینی نے اپنے اسپیشل اسسٹنٹ، برائن میک کروماک کو بریمر کا معاون بنا کر بغداد بھیجا۔ کہا جاتا ہے کہ بریمر عراق کی داخلی ریاست کے بارے میں جلاوطن سیاست دان احمد شلابی کی رائے پر بہت زیادہ انحصار کرنے لگا تھا۔ بریمر کے بغداد پہنچتے ہی عراقیوں نے اسے ایک اور صدام سمجھنا شروع کر دیا تھا کیونکہ وہ بادشاہوں کی طرح فرمان جاری کرنے لگا تھا جس سے عراقیوں کی یہ اُمید ختم ہوگئی تھی کہ وہ خود اپنی حکومت بنائیں گے۔ بریمر نے عراق پہنچتے ہی کہا تھا ''قبضہ ایک بدنما لفظ ہے، مگر حقیقت تو یہی ہے''۔

عراق میں ایک سالہ قیام کے دوران بریمر ایک ایسا وائسرائے تھا جس کا موازنہ صدام حسین سے کیا جا سکتا ہے۔ وہ بروکس براوز کا کوٹ اور ٹمبر لینڈ کے جوتے استعمال کرتا۔ اس نے خود کو مختار کل کے طور پر پیش کیا اور عراقی اسے صدام جیسا ڈکٹیٹر ہی سمجھتے تھے۔ بریمر کا سب سے پہلا سرکاری اقدام یہ تھا کہ عراقی فوج کو تحلیل کر دیا اور بعث پارٹی کے اثرات کو مٹانا چاہا جس کا مطلب عراق میں یہ تھا کہ ملک کے بہترین دماغوں کو تعمیر نو اور سیاست میں حصہ لینے سے محروم کر دیا جائے کیونکہ بعث پارٹی کی رکنیت صدام دور میں اہم عہدے حاصل کرنے کے لئے ضروری تھی۔ بریمر کے حکمنامہ نمبر 1 کے ذریعے ہزاروں سکول ٹیچرز، ڈاکٹروں، نرسوں اور دیگر ملازمین کو فارغ کر دیا گیا جس سے عوام کے غم و غصے اور مایوسی میں بہت اضافہ ہوا۔ عراقیوں کے نزدیک بریمر کا مخصوص طبقات کو اس طرح ہدف بنانے کا عمل بالکل صدام دور جیسا تھا۔ بریمر کے اس اقدام سے عراقیوں کو یہ پیغام دیا گیا کہ انہیں اپنے مستقبل کا تعین خود کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ بریمر کا حکمنامہ نمبر 2 سرکاری افواج کی تحلیل کے بارے میں تھا جس کے تحت چار لاکھ عراقی فوجیوں کو بلا پنشن گھر بھیج دیا گیا۔ ایک عرب تجزیہ نگار کے مطابق ''ایک عراقی فوجی کی ماہانہ اجرت پچاس ڈالر تھی۔ ان فوجیوں اور ان کے اہل خانہ کو ایک سال خوراک فراہم کرنے کا خرچہ امریکی قبضے کے صرف تین دن کے اخراجات کے برابر تھا۔ اگر آپ کسی کو فاقوں ماریں گے تو وہ بھی آپ کو گولی مارنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔'' جنگ عراق پر اپنی کتاب ''نائٹ ڈراز نیئر (Night Draws Near) میں پلٹزر (Pultizer) انعام یافتہ واشنگٹن پوسٹ کے نامہ نگار انتھونی شادید نے لکھا ہے ''بریمر کے فیصلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ساڑھے تین لاکھ سے زائد افسر اور جوان گلیوں میں دھکیل دیئے گئے جو گوریلا جنگ کے بھرتی کاروں کے لئے ایک ذخیرہ بن گئے۔ (ان کے پاس دس لاکھ سے زائد ہتھیار اور ہر قسم کا گولہ بارود تھا جو انہیں ملک کے سو سے زیادہ غیر محفوظ اسلحہ

گوداموں سے بآسانی دستیاب تھا)۔ بریمر کے احکامات کے تحت کچھ فوجیوں کو ایک ماہ کی اضافی تنخواہ دی گئی مگر کمانڈرز کو کچھ بھی نہ ملا۔ بریمر کا حکمنامہ جاری ہوتے ہی سابقہ فوجیوں نے مقبوضہ دفاتر کے سامنے بڑے بڑے مظاہرے شروع کر دیئے۔ ایک عراقی لیفٹیننٹ کرنل احمد محمد کے مطابق جو بصرہ میں مظاہرے کی قیادت کر رہا تھا ''اگر ہم نے مقابلے کا فیصلہ کیا ہوتا تو جنگ ابھی جاری ہوتی اور امریکہ و برطانیہ یوں ہمارے محلات پر قبضہ کئے نہ بیٹھے ہوتے۔ وہ ہماری گلیوں میں بھی نہ آپاتے، ہم نے انہیں آنے دیا''۔ احمد محمد نے متنبہ کیا کہ ''ہمارے پاس بندوقیں ہیں۔ اگر ہمیں تنخواہیں نہ ملیں اور ہمارے بچے بلبلائے تو ہم ان بندوقوں کی آوازیں ضرور سنائیں گے''۔ ایک اور عراقی کمانڈر، میجر عصام حسین النعیم نے عزم ظاہر کیا کہ ''ہم قابضین پر نئے حملوں کی قیادت کریں گے اور ہمیں یقین ہے کہ عوام ہمارے ساتھ ہوں گے''۔

بریمر نے صورت حال کو مزید ابتر یوں کیا کہ براہ راست انتخابات کے بجائے ایک 35 رکنی عراقی ایڈوائزری کونسل قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا جس میں اسے ویٹو کا حق اور تمام اختیارات حاصل ہوں۔ بریمر نے بہت سے سنی گروہوں اور مقتدیٰ الصدر کے حامیوں کو اس کونسل سے باہر رکھا باوجود اس کے کہ ان دونوں کے پاس عراق کے اہم حلقوں کی نمائندگی تھی۔ عراق کے ہونے والے وزیر اعظم ابراہیم الجعفری نے کہا کہ ان قوتوں کو باہر رکھ کر انہیں تشدد کا راستہ اختیار کرنے پر اکسایا جا رہا ہے۔ بریمر کی آمد کے ایک ماہ بعد ہی عراقی فوجی بغاوت کے بارے میں گفتگو کرنے لگے تھے۔ قبائلی سردار ریاض الاسدی نے ان امریکی اہلکاروں سے ملاقات کے بعد جنہوں نے یہ بریمر منصوبہ تیار کیا تھا، اعلان کیا کہ ''عراق کے لوگ ٹائم بم کی طرح ہیں جو امریکیوں کے چہرے اُڑا دیں گے اگر انہوں نے اپنا قبضہ ختم نہ کیا تو'' اسدی نے کہا کہ ''اب تک عراقی لوگوں نے جنگ نہیں کی ہے، صرف صدام کے حامی ہی لڑے ہیں' اگر یہ لوگ لڑنے کا فیصلہ کر لیں تو امریکہ مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔'' بریمر ان عراقی آوازوں کو بالکل نظر انداز کرتا رہا بلکہ اس طرح کے اشتعال انگیز بیان دینے لگا۔ ''ہم ان سے لڑیں گے، ان پر اپنی مرضی مسلط کریں گے، انہیں گرفتار کریں گے اور ضرورت پڑنے پر ہلاک بھی کریں گے۔ یہاں تک کہ ہم ملک میں امن وامان بحال کر دیں۔''

بریمر نے اپنی مذہبی تاثرات بھی کبھی نہیں چھپائے۔ انتہا پسند عیسائی جنرل جیری بوائے کن، کی تحریر سے اقتباس کرتے ہوئے اس نے آسمانی رہنمائی کی بابت کہا ''مجھے اس بابت

کوئی شک نہیں کہ میں خدا کی مدد کے بغیر اس مشن میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ یہ کام اتنا بڑا اور پیچیدہ ہے کہ کوئی بھی فرد واحد یا افراد کا گروپ اسے بآسانی مکمل نہیں کرسکتا۔ ہمیں خدا کی مدد چاہئے اور ہم یہ اس سے مستقلاً مانگ رہے ہیں"۔ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا اس کا خاندانی مشغلہ لگتا ہے۔ بریمر کا بھائی 2006ء کے کانگریس کے انتخابات میں امیدوار تھا۔ اس نے بھی اپنی مہم کے دوران کہا تھا "میں واشنگٹن میں خدا کا نمائندہ بننا چاہتا ہوں"۔ اپنی اس ناکام مہم کے دوران ڈنکن بریمر نے عراق میں اپنے بھائی کے کردار کو خارجہ امور میں اپنی مہارت کی شہادت کے طور پر پیش کیا۔ اپنی مہم کے دوران اس نے مزید کہا "میں چاہتا ہوں کہ اسلامی جہادی دنیا کے بارے میں ہمارا مطمع نظر اپنائیں اور فائدے میں رہیں۔ میں کہتا ہوں کہ وہ اپنا نکتہ نظر اور اسلام کے بارے میں اپنی تشریح کو چھوڑ دیں تاکہ دنیا میں امن قائم ہوسکے۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ بدھ مت اختیار کریں، یا کوئی اور لیکن اگر ایسا مذہب ہوسکتا ہے تو، "امن پسند اسلام کو بطور مذہب اپنائیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے موجودہ مذہبی نظریات ترک کردیں"۔

بریمر کی عصبیت صرف مذہب تک محدود نہیں تھی۔ اس نے عراق پہنچتے ہی نیو کنزرویٹو ایجنڈے پر عمل درآمد شروع کردیا اور دو ہفتوں کے اندر ہی اعلان کردیا کہ "عراق بزنس کے لئے تیار ہے"۔ اس کے منصوبے کا مرکزی نکتہ عراق کی تیل کی صنعت کی تیز رفتار نجکاری تھا۔ کلین (Klein) جس نے بریمر کے دور اقتدار میں عراق کا سفر کیا تھا، اور جس نے اس کے طرز حکومت اور مرتبہ اثرات پر تفصیل سے لکھا، کہتا ہے۔

> بریمر نے ایسے قوانین وضع کئے جن میں ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کو بے حد فراخدلانہ مواقع دیئے گئے۔ حکمنامہ نمبر 37 کے ذریعے کارپوریٹ ٹیکس کی شرح 40 فیصد سے کم کرکے 15 فیصد کردی گئی۔ حکمنامہ نمبر 39 کے ذریعے غیر ملکی کمپنیوں کو عراق کے قدرتی وسائل کے شعبے میں 100 فیصد ملکیت کا حق دیا گیا۔ مزید برآں انہیں اجازت دی گئی کہ سو فیصد منافع ملک سے باہر لے جاسکیں۔ یہ بھی اجازت دی گئی کہ یہ کمپنیاں چالیس سالہ لیز ایگریمنٹ کرسکتی ہیں۔ حکمنامہ نمبر 40 کے تحت غیر ملکی بینکوں کو عراق میں بزنس کرنے کے لئے اسی طرح کی فراخدلانہ پیش کش کی گئی۔ صدام حسین کی اقتصادی پالیسیوں میں سے صرف ایک باقی رکھی گئی جو

ٹریڈ یونینز پر پابندی اور اجتماعی سودے بازی کی بابت تھی۔

یہ وہ مراعات ہیں جن کا ملٹی نیشنل کمپنیاں دنیا بھر کی حکومتوں سے مطالبہ کرتی رہتی ہیں۔ مگر جہاں باقی ملکوں میں یہ مراعات ایک حد تک ہی دی جاتی ہیں، پال بریمر نے عراق میں یہ سب بیک وقت عطا کر دیں۔ راتوں رات عراق دنیا کے سب سے تنہا ملک کے بجائے اس کی سب سے بڑی کھلی منڈی بن گیا۔

ماہر اقتصادیات جیف میڈرک (Jeff Madrick) نے نیو یارک ٹائمز میں لکھا ''مرکزی دھارے کے کسی بھی ماہر اقتصادیات کے معیار کے مطابق بریمر کا اقتصادی منصوبہ انتہا پسندی پر مبنی، بلکہ مبہوت کن ہے۔ اس پلان کے تحت مٹھی بھر غیر ملکی بینک عراق کے بینکنگ سسٹم پر قابض ہو جائیں گے''۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر یہی مناسب تھا کہ بریمر کی حفاظت امریکی یا عراقی سیکیورٹی اہلکاروں کے سپرد نہ کی جائے بلکہ کسی کرائے کے فوجیوں کی کمپنی کو دی جائے اور کسی ایسے دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے عیسائی کو دی جائے جس نے لاکھوں ڈالر ری پبلکن پارٹی کی انتخابی مہم میں جھونکے ہوں۔

اگست کے وسط تک، جب بریمر کو بغداد آئے تین ماہ ہو چکے تھے، امریکی افواج پر مزاحمت کاروں کے حملے ایک روزمرہ کا معمول بن چکے تھے۔ بریمر نے 12 اگست کو کہا ''ہمیں ملک میں دہشت گردوں سے بہت خطرہ ہے اور ہم اس معاملے کو بہت سنجیدگی سے لے رہے ہیں''۔ جیسا کہ اشتعال انگیز واقعات پیش آنے پر گزشتہ برسوں میں ہوا تھا، عراق کی بگڑتی ہوئی صورت حال نے بھی بلیک واٹر کو کمائی کے مواقع فراہم کر دیئے۔ 28 اگست 2003ء کو بلیک واٹر کو بلا مقابلہ 27.7 ملین ڈالر کا ٹھیکہ دے دیا گیا جس کے تحت اس نے بریمر کے لئے ذاتی حفاظت اور ہیلی کاپٹرز کا بندوبست کرنا تھا۔

بلیک واٹر کے کرائے کے فوجیوں کی بریمر کی حفاظت کے لئے دستیابی اس کی انہی نیو لبرل پالیسیوں کی وجہ سے ممکن ہوئی تھی جن کی وکالت وہ تمام عمر کرتا رہا تھا اور جن پر وہ اب عراق میں عمل درآمد بھی کر رہا تھا۔

عراق میں ذاتی حفاظتی گارڈ کی عمومی تنخواہ اب تک 300 ڈالر یومیہ تھی مگر، فور چون

میگزین کے مطابق جب بلیک واٹر نے بھرتی شروع کی تو یہ بڑھ کر 600ڈالر یومیہ ہوگئی۔ بلیک واٹر اپنے بریمر پراجیکٹ کو ''ٹرن کی سیکیورٹی پیکیج'' کا نام دیتی ہے۔ کمپنی کے نائب صدر کرس ٹیلر کے الفاظ میں ''یہ کوئی افسروں کی حفاظت کا عام سا کام نہیں تھا'' اس کے لئے خاص قسم کی حفاظتی تدابیر درکار تھیں جن پر ہر جگہ عمل درآمد ہو سکے۔ اس لئے بلیک واٹر نے حفاظت اور دفاع پر مشتمل ایک خصوصی پروگرام بنایا تا کہ ایمبسڈر بریمر اور اس کے بعد آنے والے تمام سفیروں کی بخوبی حفاظت کی جا سکے۔ کمپنی نے بریمر کو 36 ذاتی حفاظتی ماہرین، دو عدد K-9 ٹیمیں اور تین MD-350 بوئنگ ہیلی کاپٹر مع پائیلٹ فراہم کیے تا کہ وہ عراق بھر میں گھوم سکے۔ بریمر کنٹریکٹ کی وجہ سے بلیک واٹر کا درجہ سرکاری طور پر بڑھا کر ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' میں پریٹورین گارڈ کے مساوی کر دیا تھا اور اس سے نجی عسکری ٹھیکے داروں پر بہت سے بند دروا ہو گئے تھے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ بلیک واٹر کو مزید امریکی اہلکاروں کی حفاظت کے ٹھیکے بھی حاصل ہو گئے۔ بلیک واٹر سیکیورٹی ڈویژن کی نئی ویب سائٹ میں اس کے حفاظتی گارڈوں کو بریمر، کولن پاؤل اور برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر کی حفاظت پر مامور دکھایا گیا ہے۔

بریمر کی حفاظت پر مامور ہونے والے بلیک واٹر کے آدمی اپنے ساتھ مخصوص امریکی انداز لائے تھے۔ یہ گارڈ تراشیدہ باڈی بلڈرز لگتے تھے اور بدہیت، بڑے شیشوں والے دھوپ کے چشمے پہنتے تھے۔ کئی ایک کی چگی ڈاڑھیاں بھی تھیں۔ یہ خاکی لباس میں ملبوس ہوتے یا بلیک واٹر کے ٹریڈ مارک والی ٹی۔شرٹیں زیب تن کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی کسی بھدی شبیہ کی طرح لگتا، کوئی ایکشن فلم کا ہیرو اور کوئی پیشہ ور پہلوان۔ ان کے بال چھوٹے کٹے ہوئے ہوتے اور انہوں نے ہلکی مشین گنز اٹھائی ہوتی تھیں۔ یہ صحافیوں پر حکم چلاتے اور عراقی کاروں کو سڑک سے ہٹنے کا حکم دیتے اور اگر کوئی کار بلیک واٹر کے کارواں کے راستے میں حائل ہوتی تو اس پر گولیاں برساتے۔ آپ بلیک واٹر کے اہلکاروں کو اسلحہ سے لیس، کیمرہ چھیننے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ٹی۔وی پر دیکھتے ہیں۔ بلیک واٹر کے ایک اہلکار جو بریمر کے جانشین جان نیگروپونٹے کی حفاظت پر مامور تھا، کے مطابق اس کی ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ میں اپنا چہرہ الجزیرہ پر دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

بلیک واٹر کے اکثر کاروانوں پر اسلحے سے لیس ہیلی کاپٹرز منڈلا رہے ہوتے ہیں تا کہ زمین والوں کو چڑانے والی تنبیہ کرتے رہیں۔ کرنل تھامس ایکس۔ ہیمس (Thomas X. Hammes) کے مطابق، جسے عراق کی بریمر کے ہاتھوں تحلیل شدہ فوج کو دوبارہ بنانے کا کام

سونپا گیا تھا۔ ''یہ جہاں جاتے ہیں لوگوں کو اپنا دشمن بنا لیتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں عراقیوں کے ہمراہ ٹرک پر سوار کہیں جا رہا تھا تو انہوں نے ہمیں سڑک چھوڑنے کو کہا۔ ہمیں ڈرایا دھمکایا گیا۔ مگر وہ اپنا فریضہ سرانجام دے رہے تھے، انہیں اسی کام کو تو پیسے ملتے ہیں۔ یہ شہر سے باہر جانے والے ہر راستے پر اپنے دشمن پیدا کرتے رہتے ہیں۔ بلیک واٹر کا تحکمانہ انداز شورش سے نپٹنے کے اولین اصول کی خلاف ورزی ہے، ایسے موقع پر آپ نئے دشمن نہیں پیدا کرتے۔ وہ ہمارا ہی کنٹریکٹ پورا کر رہے تھے اور اسی انداز سے کر رہے تھے جیسے انہیں کہا گیا تھا مگر اس کی وجہ سے ہماری بغاوت کو فرو کرنے کی کوششیں متاثر ہو رہی تھیں''۔ عراق میں ایک انٹیلی جینس آفیسر نے ٹائم میگزین کو بتایا'' وہ بلیک واٹر کے اہلکار۔۔۔ وہ اوکلے (Oakley) مارکہ دھوپ کے چشمے لگائے، کار کی کھڑکیوں سے بندوقیں باہر نکالے سڑکوں پر گھومتے رہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ پر بندوقیں تان لی تھیں اور میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ ذرا سوچیں ایک فلوجہ کا باسی اس کو کس طرح دیکھتا ہوگا''۔

ٹھیکے داروں کے قانون سے بالاتر ہونے کا ایک سنگین واقعہ، جس میں مبینہ طور پر بلیک واٹر کے اہلکار ملوث تھے، مئی 2004ء میں پیش آیا۔ لاس اینجلس ٹائمز کے نامہ نگار ٹی۔ کرسچین ملر نے اس واقعے کی اچھی طرح تحقیق کر کے اسے رپورٹ کیا ہے۔ بغداد میں امریکی سفارت خانے کا ترجمان، رابرٹ جے۔ کالاہان، اپنی تعیناتی کا دورانیہ پورا کر کے واپس لوٹنے والا تھا اور مختلف صحافیوں اور میڈیا کے اداروں کو الوداع کہنے کے لئے عراقی دارالخلافے کا چکر لگا رہا تھا۔ دوسرے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اہلکاروں کی طرح اس نے بھی اس مقصد کے لئے بلیک واٹر کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں۔ میڈیا کی ایک عمارت سے واپسی پر جب پانچ گاڑیوں کا یہ کاروان بغداد کے مصباح نامی علاقے کی کشادہ سڑک پر مڑا تو، ملر کے مطابق ایک بتیس سالہ عراقی ٹرک ڈرائیور، جو اس وقت ٹیکسی چلا رہا تھا، اس سڑک سے گزر رہا تھا۔ اس نے جب بغلی سڑک سے کاروان ادھر آتے دیکھا تو اپنی ٹیکسی روکنے کی نیت سے آہستہ کر لی اور ابھی وہ کاروان سے پچاس فٹ دور ہی تھا کہ بلیک واٹر نے اس پر فائر کھول دیا۔ اسے کندھے پر گولی لگی اور عقبی نشست پر بیٹھے یعس المعمد یاسری کو سینے پر گولی لگی جس سے وہ جان بحق ہو گیا۔ یہ حملہ بغیر کسی وارننگ کے بالکل اچانک کیا گیا تھا۔

ملر نے کہا، پس منظر میں، ''ایک امریکی اہل کار نے کہا کہ ایمبیسی کے اہل کاروں نے گولیاں چلانے جانے کے واقعے کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قافلے میں موجود بلیک

واٹر کے دو ملازمین نے حطاب کو انتباہ کرنے کے لئے درست طور پر اقدامات نہیں کیئے کہ وہ پیچھے رہتا۔ اس کے بجائے انہوں نے قبل از وقت فائر کھول دیا۔'' اہل کار نے کہا کہ دونوں کو نوکری سے برخاست کر کے گھر روانہ کر دیا گیا ہے۔ یہ باتیں لکھتے وقت تک ان پر مقدمہ نہیں چلایا گیا تھا۔ ملر نے عراق میں موجود نجی فوجی ٹھیکیداروں کے ملوث ہونے کے واقعات پر مبنی سینکڑوں صفحات پر مشتمل رپورٹیں کھول لیں۔ اس نے رپورٹ دی کہ تقریباً دو سو واقعات میں سے 11 فیصد کے قریب رپوٹوں میں نجی ٹھیکیدار سویلین گاڑیوں پر فائرنگ میں ملوث پائے گئے تھے اور اکثر کیسوں میں عراقی کاروں کی طرف سے ٹھیکیداروں پر کوئی فائرنگ نہیں کی گئی''۔

بلیک واٹر کا انداز بریمر کے عراقی مشن سے پوری طرح مطابقت رکھتا تھا۔ بریمر کو صرف ذاتی حفاظت کے لیے ہی بلیک واٹر کی ضرورت نہیں تھی بلکہ ان تمام خطرات سے نپٹنے کے لیے بھی تھی جو اسے آزاد منڈی کی تجربہ گاہ میں' جسے وہ عراق میں چلا رہا تھا' درپیش تھے۔ اس لئے بلیک واٹر عراق میں نئے کاروبار کے بارے میں فکرمند تھی۔ اگر بریمر مر جاتا تو بلیک واٹر کی ساکھ متاثر ہوتی۔ اگر بلیک واٹر ایک بڑے (جیسے بریمر) کو کھو دیتی تو وہ کاروبار سے باہر ہوتی۔ کیا وہ نہیں ہوتی؟'' کومی حامیس نے پوچھا۔ ''کیا تم خود کو بلیک واٹر کا حصہ سمجھ سکتے ہو جو یہ کہتے ہوئے ایک نیا معاہدہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ' ہم نے تقریباً چار ماہ عراق میں غیر معمولی خدمات سرانجام دی ہیں' اور پھر تم مارے جاؤ اور تم کمپنی کے CEO ہو جو نئے لوگوں کی بھرتی اور تحفظ کے لیے کام کر رہا ہو۔ بحیثیت کمپنی تم کہہ سکتے ہو کہ میں کسی اور کو اس کام کے لیے ملازمت پر رکھ لوں گا۔ بلیک واٹر کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی بھی اہم فرد مارا جاتا ہے تو وہ کاروبار سے باہر ہو سکتی ہے۔ جبکہ فوج کے لئے ایسا کچھ نہیں ہے اگر بنیادی فرد مارا جائے گا تو بحث مباحثہ تو کچھ وقت تک ہو گا مگر کسی کا کاروبار بند نہ ہو گا۔''

بلیک واٹر کے لئے پال بریمر کا زندہ رہنا بہت ضروری ہے وہ اس سے اپنی مارکیٹنگ کی ناقابل یقین مہم چلا سکتی ہے۔ اگر ہم عراق میں سب سے زیادہ نفرت کئے گئے شخص کی حفاظت کر سکتے ہیں تو ہم کہیں بھی کسی کی بھی حفاظت کر سکتے ہیں۔ سچ مچ۔ ایک سال سے بھی کم عرصے میں۔ اسامہ بن لادن ایک آڈیو ٹیپ جاری کرتا ہے جس میں بریمر کو قتل کرنے پر انعام کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اسامہ بن لادن نے مئی 2004ء میں اعلان کیا کہ''امریکہ نے مجاہدین کو قتل کرنے والوں کے لیے بڑے بڑے انعام رکھے ہیں۔ ہم القاعدہ کی طرف سے اعلان کرتے ہیں کہ' ان شاءاللہ'

ہم بریمر امریکی چیف کمانڈر یا اس کے نائب کو مارنے والے کو 10 کلوگرام سونا انعام میں دیں گے۔'' مزاحمت کاروں نے بھی مبینہ طور پر 50,000 ڈالر اس شخص کو دینے کا اعلان کیا جو بلیک واٹر کے کسی گارڈ کو قتل کر دے گا۔ ''یہاں ہمارے سروں کی قیمتیں لگی ہوئی ہیں''۔ سابق بلیک واٹر کے ٹھیکیدار کیپ ہارٹ نے یاد کیا۔ ''ہم سب جانتے تھے''۔

بریمر نے جلد ہی یہ بات کہہ دی تھی جب بلیک واٹر نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالی۔ رمز فیلڈ کی درخواست پر امریکہ کی خفیہ سروس نے میری سیکیورٹی کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ میں دنیا میں کہیں بھی سب سے زیادہ دھمکایا جانے والا امریکی عہدیدار رہوں۔۔ اس رپورٹ کو بلیک واٹر نے سنجیدگی سے لیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ محل کے عراقی حجاموں میں سے ایک کو میرے قتل کے لئے کرایہ پر لیا گیا تھا تا کہ وہ دورانِ حجامت مجھے ہلاک کر دے۔ اس کے بعد بلیک واٹر نے بریمر کو محل کے ایک گھر میں منتقل کر دیا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں قوسے حسین کی ساس رہتی تھی۔

دسمبر 2003ء میں جب بلیک واٹر کو بریمر کی حفاظت کرتے ہوئے صرف چند ماہ ہی ہوئے تھے اس پر مزاحمت کاروں کی طرف سے پہلا حملہ ہوا۔ یہ 6 دسمبر کی رات کا واقعہ ہے جب بریمر وزیر دفاع رمز فیلڈ کو بغداد ائیر پورٹ پر الوداع کہہ کر آیا تھا۔ یہ رات 11 بجے کے بعد کی بات ہے۔ ہم گرین زون کی طرف جا رہے تھے اور ہمیں پوری سیکیورٹی حاصل تھی۔ ہمارے اوپر دو ہیلی کاپٹر اُڑ رہے تھے جن میں بلیک واٹر کے نشانچی بیٹھے ہوئے تھے۔ بریمر اور میک کورمیک (بریمر کا مددگار) یہ بات چیت کر رہے تھے کہ آیا بریمر کو ڈیووس سوئٹزر لینڈ میں عالمی معاشی فورم میں شرکت کرنی چاہئے۔ بریمر سوچ رہا تھا کہ ''وہ اب اسکینگ (برف پر پھسلنے کا کھیل) سے لطف اندوز ہو سکے گا'' جب ایک کان کو بہرہ کر دینے والا دھماکہ ہوا۔ جس کے بعد ایک خودکار بندوق سے فائر کیا گیا۔ قافلے کے آگے رہنمائی کرنے والی گاڑی کے ٹائر پر فائر کیا گیا جس سے اس کا پہیہ پھٹ گیا تھا۔ اور مزاحمت کار AK-47 سے حملہ کر رہے تھے۔ بریمر کے مطابق اس کی گاڑی SUV کی سائیڈ کی کھڑکی پر ایک گولی لگی تھی، ہم پر گھات لگا کر حملہ ہوا تھا۔ ''یہ ایک انتہائی منظم طریقے سے قتل کرنے کی ایک ماہر کوشش تھی''۔ بریمر نے لکھا میں تھوڑا گھوما اور پیچھے دیکھا۔ گاڑی کا پچھلا شیشہ پھٹ گیا تھا۔ اور اب AK کے راؤنڈ (گولیاں) کھلے ہوئے مستطیل میں سے کوڑے برسا رہے تھے''۔

بریمر کے دفتر نے جان بوجھ کر حملے کی خبر چھپائی تھی۔ دو ہفتے بعد جب گھات لگا کر حملہ کرنے کی خبر رس کر امریکی پریس تک جا پہنچی تو بریمر کو بصرہ شہر میں ایک پریس کانفرنس کا سامنا کرنا پڑا۔ ''ہاں یہ درست ہے'' اس نے رپورٹروں کو بتایا۔ ''جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہ کامیاب نہ ہوسکا۔ خوش قسمتی سے میں ابھی تک زندہ ہوں اور یہاں آپ کے سامنے موجود ہوں۔'' قطع نظر اس سے کہ بریمر کا کہنا تھا کہ یہ ایک انتہائی منظم قاتلانہ حملے کی کوشش تھی اس وقت اس کے ترجمانوں نے یہ خیال مسترد کردیا کہ حملے کا نشانہ بریمر تھا۔ ہوسکتا ہے انہوں نے بات کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے ایسا کہہ دیا ہو۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ ایک عام حملہ تھا جس کا نشانہ بریمر نہیں تھا۔ جب حملہ آشکار ہوگیا تو بریمر کے ترجمان ڈین سینور نے بلیک واٹر کو سراہا۔ سفیر بریمر کے پاس بہت مکمل اور بھرپور سیکیورٹی فورسز اور میکنیزم موجود ہے جب بھی کوئی حرکت ہوتی ہے یہ سیکیورٹی فورسز اور میکنیزم بھی روبہ عمل ہوجاتے ہیں۔ ہمیں ان دونوں پہ بہت اعتماد ہے۔ اور اس خاص قصے میں انہوں نے کام کیا۔

بریمر عراق میں سفر کرتا رہا۔ اس کی پالیسیاں، اس کے باڈی گارڈوں اور دوسرے ٹھیکیداروں کا سلوک اور ان کا کسی قانون کے تحت پکڑ میں نہ آنا ایسی باتیں تھیں جنہوں نے عراقیوں کو ناراض کردیا۔ اس دوران وہ یہ کوشش کرتا رہا کہ عراقی اسے دوسرے صدام کا درجہ دے دیں۔ اس نے بغداد محل کی تزئین و آرائش پر خاصی بڑی رقم خرچ کی اور صدام کے چار بڑے مجسموں کے بڑے بڑے سر محل کے کمپاؤنڈ سے اُٹھوانے کے لئے اس نے 27000 ڈالر کی رقم خرچ کی۔ پہلے سر کے ہٹائے جانے کے وقت بریمر نے کہا ''میں انہیں گزشتہ چھ ماہ سے دیکھ رہا تھا۔ اب ان کے لڑکنے کا وقت آگیا ہے''۔ عراق میں سویلین آبادی کا بنیادی ڈھانچہ لڑکھڑا رہا تھا اس وقت رقم کو مناسب طریقے سے خرچ کرنے کی ضرورت تھی مگر بریمر کے ترجمان اس اسراف کو قانونی تقاضا سمجھتے تھے۔

بریمر کی حفاظت کرنے کے عرصے میں بلیک واٹر عوام کی نگاہوں سے زیادہ تر پوشیدہ ہی رہی۔ میڈیا کی رپورٹ میں کبھی کبھار ہی بلیک واٹر کا تذکرہ آتا۔ اس کے بجائے یہ کہا جاتا کہ یہ بریمر کے باڈی گارڈ ہیں۔ بعض دفعہ انہیں خفیہ سروس کے ایجنٹ کہا جاتا۔ مگر درحقیقت یہ بلیک واٹر عراق میں کرائے کے فوجیوں کے لئے نقطہ آغاز تھا۔

جب بلیک واٹر نے بریمر کی حفاظت کا ٹھیکہ حاصل کرلیا تو عراق میں کرائے کے

فوجیوں کی آمد شروع ہوگئی۔ کنٹرول رسکس گروپ، ڈین کارپ، ارینیز، ایجز، آرمر گروپ ہارٹ، کرول۔ اور اسٹیل فاؤنڈیشن جیسی کمپنیوں نے، جن میں سے کئی پہلے ہی سے عراق میں کام کر رہی تھیں، وہاں دھڑا دھڑ کرائے کے فوجی تعینات کرنے شروع کر دیئے اور جارحانہ انداز میں بین الاقوامی طور پر ریکروٹنگ شروع کر دی۔ کرائے کے فوجی یا نجی ٹھیکیدار عراق میں مختلف کام انجام دیتے۔ امریکی مفادات کی حفاظت، تیل کے کنوؤں کی حفاظت، اور سرکاری عمارات، امریکی قبضے کی اتھارٹی یا برطانوی حکومت کے مفادات کی دیکھ بھال وغیرہ۔ بہت زیادہ معاوضہ پانے والوں میں سابق اسپیشل فورسز کے لوگ، نیوی کی سیلز SEALS، ڈیلٹا فورس، گرین بیرٹس، رینجرز اور میرین، برٹش SAS، آئرش رینجرز اور آسٹریلین SAS تھے، ان کے بعد نیپالی گورکھے سربین کمانڈو اور فجی کے دستے تھے، اسی دوران جب دنیا بھر کے سیکیورٹی اداروں تک یہ بات پہنچی کہ عراق میں سیکیورٹی کے کاموں میں بہت پیسہ ہے تو پیشہ ور فوجی فوج کی نوکریاں چھوڑ کر نجی کمپنیوں کی ملازمتوں میں چلے گئے۔ یوں فوجوں سے لوگ نکلتے گئے اور نجی کمپنیاں آباد ہوتی چلی گئیں۔ خصوصی فورسز کے لوگ بھی پیسے کی اس دوڑ سے متاثر ہونے لگے تو انہوں نے بھی عراق میں کام ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ پھر ایک وقت یہ بھی آیا کہ فوج کی ایک ہفتے کی تنخواہ عراق میں تعینات کرائے کے فوجی کی ایک دن کی تنخواہ برابر ہوگئی۔ اس طرح کئی لوگ حسد میں مبتلا ہو گئے۔ بلیک واٹر کے ایک سابقہ کرائے کے فوجی، کیلی کیپ ہارٹ کے مطابق ''آپ ان کی آنکھوں میں دیکھ سکتے ہیں جب وہ ہماری آنکھوں میں دیکھ رہے ہوتے ہیں یا ہمارے بارے میں سرگوشیاں کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ہم سے حسد کرتے ہیں۔ انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ بھی یہی کام کر رہے ہیں مگر انہیں بہت کم معاوضہ مل رہا ہے۔''

ان پیشہ وروں کے علاوہ وہاں کچھ ایسے لوگ بھی داخل ہو گئے تھے جو اپنے ہم پیشہ لوگوں سے کم پیسے لے کر کام کر رہے تھے اور اندھا دھند کام چلا رہے تھے۔ ان میں جنوبی افریقہ کی سابق ساؤتھ افریقن نسلی عصبیت پسند فورسز، کچھ بدنام زمانہ کوویت (Koevoet) سے جو بظاہر جنوبی افریقہ کے کرائے کے فوجی مخالف قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عراق میں داخل ہوئے بھی شامل تھے۔ نومبر 2003ء تک امریکہ عراق میں کام کرنے کی خواہشمند کمپنیوں کو صاف صاف بتا رہا تھا کہ عراق میں کاروبار کرنا ہے تو اپنی مسلح سیکیورٹی فورسز کو ساتھ لے کر جائیں۔

جب جون 2004ء میں بریمر نے عراق چھوڑا تو اس وقت 25,000 نجی سپاہی ملک کی سرحد کے اندر تھے اوراس وقت تک عراق ''وحشی مغرب'' کے نام سے جانا جارہا تھا جہاں کوئی قانون نافذ کرنے والا نہ ہو۔فوجی جو قابض ملک میں باضابطہ طور پر کرائے پر حاصل کیے گئے انہیں دو بلین ڈالر کے ٹھیکے پر لیا گیا تھا۔ یہ ٹھیکہ بریمر کے دورِ حکمرانی کے آخری سال کا تھا۔ یہ رقم عراق میں تعمیرِ نو کے بجٹ کے تیس فی صد سے زیادہ تھی۔ ظاہر ہے اس رقم میں ان کرائے کے فوجیوں کی تنخواہیں اور ٹھیکے شامل نہیں تھے جو نجی ادارے کرائے پر لیتے ہیں۔ اکنامسٹ میگزین کے مطابق عراق پر امریکی قبضے نے برطانوی ملٹری کمپنیوں کی چاندی کردی۔ جنگ سے پہلے ان کی آمدنی 320 ملین ڈالر تھی جو 2004ء میں 1.6 بلین ڈالر ہوگئی۔ میگزین کے ایک ذریعے (Source) نے کہا کہ ''عراق میں موجود سابق خصوصی ہوائی سروس کے کرائے پر کام کرنے والے افراد کی تعداد وہاں حاضر سروس سپاہیوں سے زیادہ ہے۔ سپاہیوں کی تعداد برطانیہ کے حاضر سروس فوجیوں کی تعداد سے بھی تجاوز کر چکی ہے۔ برطانوی فرم ایرنیز نے عراق میں ایک سال میں چودہ ہزار افراد پر مشتمل نجی فوج بنالی ہے۔ سٹاف نے مقامی افراد بھرتی کیے گئے ہیں جو احمد شلابی کی ''آزاد عراق'' فورسز کے ممبر ہیں اور جن کی کمانڈ کمپنی کے سابق عہدے دار کر رہے ہیں۔'' ان میں سے بعض جنوبی افریقہ کے کرائے کے فوجی تھے۔ حفاظت کے لیے زیادہ مطالبہ اور کام کرنے والے غیر ملکیوں کے روزانہ مارے جانے کے خوف نے کرائے کے فوجیوں کی ضرورت اور اہمیت کو اور زیادہ اجاگر کر دیا تھا۔ ہر آنے والا وقت عراق میں کرائے کے فوجیوں کی تعداد میں اضافہ کر رہا ہے۔ امریکہ کو اُس وقت صدام کا پُرامن ملک عراق برا لگتا تھا مگر شائد اب نہیں۔

ان فورسز نے عراق میں کیا کیا؟ انہوں نے کتنے لوگوں کو قتل کیا' ان میں سے کتنے زخمی ہوئے اور کتنے موت سے ہمکنار۔ یہ تمام سوال غیر حل شدہ ہیں اور ان کا جواب شائد کبھی بھی نہ دیا جا سکے کیونکہ اللہ کے سوا کوئی بھی حقیقت نہیں جانتا۔ ان سطور کے لکھنے تک کسی بھی نجی ملٹری ٹھیکیدار پر عراق میں کیے گئے جرائم پر کوئی بھی مقدمہ نہیں چلا۔ بعض دفعہ ان ٹھیکے داروں کی احمقانہ جرأت کے سبب آج بھی کہانیاں عراق سے نکل جاتی ہیں۔ ایسے ہی ایک کیس میں جس میں بلیک واٹر کا ایک ٹھیکیدار ملوث تھا وہ شیخی بگھار رہا تھا کہ اس نے ایک عراقی کو قتل کرنے کے لیے قانونی اسلحہ استعمال کیا تھا۔

بلیک واٹر کے بریمر کی حفاظت کا ٹھیکہ حاصل کرنے کے ایک ماہ بعد، ستمبر 2003ء کے وسط میں بلیک واٹر کی چار افراد پر مشتمل ٹیم اپنی گاڑی میں کچی سڑک پر بغداد سے شمال کی طرف جا رہی تھی۔ کہ ان پر گھات لگا کر حملہ کر دیا گیا۔ اُس وقت وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں تھے۔ اُس صبح بلیک واٹر کے ایک ٹھیکے دار بین تھامس نے اپنی M-4 مشین گن طاقتور تجرباتی گولیوں سے بھر لی تھی۔ یہ اسلحہ امریکی فوجیوں کے استعمال کے لیے نہیں منظور کیا گیا تھا۔ یہ اسلحہ بکتر بند گاڑیوں میں چھید کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا اور زیادہ اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان راؤنڈز کو اے پی ایل پی (APLP) کہا جاتا تھا۔ یہ سان انتونیو کی کمپنی RBCD کی بنایا ہوا تھا۔ دی آرمی ٹائمز کے مطابق "یہ گولیاں مرکب دھاتوں سے بنائی گئی تھیں۔ یہ فولاد اور دوسرے سخت نشانوں میں سے گزر جائیں گی مگر انسان کے ٹانگوں اور بازوؤں کے دھڑ میں سے نہیں۔ مصور کی مٹی کے آٹھ انچ موٹے بلاک میں سے حتیٰ کہ چند تہوں والی موٹی خشک دیوار میں سے بھی گزر سکتی ہیں لیکن انسانی جسم میں سے گزرنے کی بجائے یہ اسے پاش پاش کر دیتی ہیں اور ایسے زخم لگاتی ہیں جو ٹھیک نہیں ہو سکتے۔ ان تجرباتی گولیوں کی تقسیم کار کنساس کی ایک کمپنی لی ماس ہے جو تسلیم کرتی ہے کہ اس نے کمپنی سے رابطہ قائم کرنے کے بعد تھامس کو کچھ گولیاں دی تھیں۔ تھامس نے کہا کہ اس دن شارٹ گن کے استعمال کے دوران اُس نے ایک عراقی حملہ آور پر APLP راؤنڈ فائر کیا جو اس کے کولہوں پر لگا۔ گولی نے اس کو فوراً ہی ختم کر دیا۔ وہ اس کے کولہوں میں داخل ہوگئی اور اس کے معدے کے بائیں جانب نیچے کی طرف والے حصہ میں ہر چیز تباہ کر دی۔ ہر چیز پھٹ گئی تھی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کو چھوٹی سی دھماکہ خیز چیز سے ضرب لگائی گئی ہو۔ کسی نے یقین نہیں کیا کہ یہ آدمی کولہے میں گولی لگنے سے ہلاک ہوا ہے' میں نے ہر قسم کا اسلحہ استعمال کر کے دیکھا ہے لیکن جو بات APLP میں ہے وہ کسی میں نہ تھی۔ جو کچھ اس دن میرے عراقی مظلوم کے ساتھ ہوا وہ کسی دوسرے اسلحے سے نہیں ہو سکتا تھا۔ جب گولیاں چلانے کے بعد تھامس اپنی بیس پر واپس پہنچا تو اس نے کہا" اس کے ساتھی ان گولیوں کے لیے لڑ رہے تھے۔ دن کے اختتام پر ہم سے ہر ایک نے پانچ گولیاں لے لیں۔ بس یہی کچھ ہمارے پاس بچا تھا۔

ان گولیوں پہ کانگریس میں بہت بحث ہوئی۔ اس کے بنانے والے اور لابی ایسٹ چال چل رہے ہیں کہ اسے امریکی فوج کے استعمال کے لیے منظور کروالیں۔ وہ اسے قومی سلامتی کے لیے ایک مسئلہ قرار دے رہے تھے۔ جب تھامس مبینہ طور پر عراقی کو قتل کر چکا تو ایسا لگتا تھا کہ

وہ ایک تنخواہ دار ترجمان ہے ان گولیوں کے اس اشتہار میں جس میں اس نے کام کیا۔ وہ گولیوں کے لیے بنائے گئے اشتہار میں کہہ رہا تھا کہ "جب میں عراق واپس جاؤں گا تو اپنے ساتھ لی ماس بارود لے کر جاؤں گا اور میں نے اپنے بہت سے ساتھیوں اور دوستوں سے انہیں یہ گولیاں دینے کا کہا ہے۔ عراق سے چھٹی پر آنے کے بعد اس نے ایک انٹرویو لینے والے کو بتایا کہ "یہ صرف برے لوگوں کو مارنے کے لیے ہے عام لوگوں کے لیے بالکل نہیں۔ خصوصی آپریشنوں کے لیے میں اس کے علاوہ کچھ نہیں لے کر جاؤں گا۔"

آرمڈ فورس جرنل نے ٹامس کے تجربے کو کافی جان کے لکھا "پینٹاگون کے اہلکاروں کے لیے یہ کافی وجہ ہے کہ وہ اس بات پر اصرار کریں کہ سپیشل آپریشنز کمانڈ اس دھاتی مرکب سے بنے اسلحہ کا حقیقی تجربہ شروع کریں۔

کرائے کے فوجی ملک میں آزادانہ گھوم رہے تھے اور کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں تھا کہ بھاری اسلحہ سے لیس یہ لوگ کون ہیں۔ اکثر بنا کسی یونیفارم کے یہ فورسز گھومتی ہیں۔ ایک سال قبل بریمر نے ان کا رتبہ بتایا۔ اس نے ایک حکمنامہ جاری کیا جس میں ان کی حیثیت بتائی گئی۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ لوگ کسی بھی عراقی قانونی کارروائی سے مستثنیٰ ہوں گے۔ ان کے ہاتھوں زخمی ہونے یا مارا جانے والا کسی عدالت میں انصاف کے حصول کے لیے نہیں جا سکے گا۔ کئی عراقی اور صحافی غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ آزادانہ گھومنے والے مسلح افراد کا تعلق سی آئی اے یا اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسی موساد سے ہے اور اسی تاثر نے عراقیوں کو ان پر حملہ کرنے پر مجبور کیا۔ کرائے کے فوجیوں کے عمل اور ساکھ نے اصل امریکی انٹیلی جنس افسروں کو ناراض کر دیا جو محسوس کرتے تھے کہ کرائے کے ان فوجیوں نے خود ان کی سلامتی کو اس ملک میں خطرے میں ڈال دیا ہے۔ 2003ء خاتمے کے قریب تھا۔ زیادہ تر عراق کھنڈر بن چکا تھا۔ عراق کی تعمیر نو پر جو پیسہ عراقی تیل سے لگتا تھا وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا جبکہ کرائے کے فوجیوں کے لیے سکیورٹی کے نام پر بہت پیسہ تھا۔ "کرائے کے فوجیوں" کی کمپنیوں کے لیے کاروبار خوب زوروں پر چل رہا تھا۔ 2004ء کے اوائل میں عراق کے حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے تھے جس کا مطلب تھا نجی فوجی کمپنیوں کے لیے اور زیادہ کاروبار۔

فروری 2004ء میں بریمر کا دفتر ایک ایسے کام میں مصروف ہو گیا جو نا قابل یقین حد تک غلط اندازہ یا حقیقت سے منہ چھپانا لگتا تھا۔ واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹ کے مطابق "اس وقت امریکی اہل کار مختلف کمپنیوں کو عراق کی تعمیر نو میں حصہ لینے اور وہاں جا کر کام کرنے کی ترغیب دے

رہے تھے۔ ٹھیکے داروں کے لیے سیکیورٹی کوئی مسئلہ نہیں ہے خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنایا گیا ہے۔ درحقیقت مغربی ٹھیکے دار نشانہ نہیں ہیں۔ CPA کے ڈائریکٹر برائے پرائیویٹ سیکٹر ڈیویلپمنٹ ٹام فولے نے 11 فروری کو واشنگٹن میں منعقد ہونے والی کامرس ڈیپارٹمنٹ کانفرنس میں موجود سینکڑوں متوقع سرمایہ کاروں سے خطاب میں کہا کہ ''عراق میں غیر ملکی سرمایہ کاروں کو نشانہ نہیں بنایا جاتا۔ میڈیا نے مختلف معاملات کے متعلق بلاوجہ اور حد درجہ مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ ایک طرف تو وہ یہ یقین دہانیاں کروا رہا تھا اور دوسری طرف وہ زور دے رہا تھا کہ ''خطرات تو شوقیہ طور پر تو اوپر سے چھلانگ لگانے یا موٹر سائیکل چلانے میں بھی بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن ہم سب انہیں بہت آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔'' مارچ 2004ء کے وسط تک کرائے کے فوجی فراہم کرنیوالی اپنی خدمات کی مانگ میں زبردست اضافے کے مزے لے رہی تھیں۔ امریکی فرم کسٹر بیٹلز' جسے بغداد ائیر پورٹ کی حفاظت کا ٹھیکہ دیا گیا تھا کے مائیک بیٹلز کا کہنا تھا کہ سیکیورٹی رکھنے کے لیے جو کچھ جون 2003ء میں ادا کرنا پڑتا تھا وہ آج کے مقابلے میں بالکل ذرا سا تھا۔

18 مارچ کو یہ خبر عام ہو گئی کہ امریکی حکومت چار مربع میل پر محیط گرین زون جس میں تمیں ہزار سے زائد لوگ رہائش پذیر تھے' کی حفاظت کے لیے ایک پرائیویٹ سیکورٹی کمپنی سے 100 ملین ڈالر کا معاہدہ کرنیوالی تھی۔ ''پیش کش مطلوب ہے'' کی دستاویز میں کہا گیا کہ ''موجودہ اور متوقع خطرات کے پیش نظر اور متحدہ افواج پر کیے گئے حالیہ حملوں کی وجہ سے ہمیں تجارتی بنیادوں پر سیکیورٹی فراہم کرنے والوں کی ضرورت ہے جو پوری ذمہ داری سے یہ کام کر سکیں جو سرکاری افواج اپنی قلت تعداد کے باعث نہیں کر پا رہیں۔'' پال بریمر اور بلیک واٹر کے درمیان معاہدہ نے بلیک واٹر کے حوصلے اور بڑھا دیئے۔ عراق کے خراب حالات بلیک واٹر کے لیے اچھے ثابت ہوئے۔ اس نے اپنے کئی نئے دفاتر بغداد' عمان اور کویت میں کھول لیے۔ اس نے میکلین ورجینا میں اپنے ہیڈ کوارٹرز بنا لیے تاکہ اس میں کمپنی اور حکومت کے باہمی تعلقات کا ایک شعبہ قائم کیا جا سکے۔ ان منصوبوں پر کام جاری تھا کہ بلیک واٹر کے مالی منفعت والے کاروبار کو جنگی علاقوں میں اور زیادہ پھیلایا جائے تاکہ مزید منافع حاصل ہو۔ ایسے میں چار امریکی نجی ٹھیکے داروں کی فلوجہ میں موت اور عراق میں شعلے بھڑک اٹھنے سے بلیک واٹر کا مستقبل مزید تابناک ہو گیا۔

باب 5:

بلیک واٹر کے بدقسمت فوجیوں کا جنگ پر جانا

2004ء کے اوائل تک بلیک واٹر عراق میں اپنے قدم مضبوطی سے جما چکی تھی جبکہ ایرک پرنس، گیری جیکسن اور بلیک واٹر کے دوسرے منتظمین جارحانہ طور پر اپنے پھلتے پھولتے کاروبار کے لئے نئی منڈیاں اور رابطے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ اس کے آدمی عراق پر امریکی قبضے کے سربراہ اور عراق میں سی پی اے (CPA) کے چند علاقائی دفاتر کی حفاظت پر اس طرح مامور تھے کہ بلیک واٹر کو اہم رابطوں کے لئے نمایاں مقام حاصل رہے۔ اس کی افواج عراق میں تیزی سے پنپتے ہوئے سیکیورٹی کے کاروبار سے رشک اور حسد کا شکار تھیں اور اس کی وجہ ملک میں ہر لحظہ بگڑتی ہوئی سلامتی کی حالت تھی۔ جنوری 2004ء میں فائنانشل ٹائمز (Financial Times) نے لکھا "ٹھیکے دار کہتے ہیں کہ صرف پچھلے دو ماہ میں سویلین اور فوجی قافلوں پہ 500 سے زائد حملے ہو چکے ہیں"۔ اس ماہ بلیک واٹر کے منتظم پیٹرک ٹوہے (Patrick Toohey) نے عراق میں کاروبار کرنے والوں کو مشورہ دیا کہ آپ لوگوں کو سیکیورٹی کی مد میں 25 فیصد اضافی اخراجات رکھنے ہوں گے۔ بعض نے اس کا موازنہ عراق میں کرائے کے فوجیوں کے کاروبار اور الاسکن سونے کی بھرمار اور اوکے کورل سے کرنا شروع کر دیا۔

ٹائمز آف لندن (Times of London) نے اس بات کو یوں کہا کہ عراق میں جنگ کے بعد کاروبار تیل نہیں بلکہ سلامتی (سیکیورٹی) ہے۔ راتوں رات ایسا ہوتا کہ مرتا ہوا کوئی کاروباری ادارہ تاریکی سے نمودار ہوتا اور پھلنے پھولنے لگتا اور اس پھلنے پھولنے کا سہرا بلیک واٹر کے سر جاتا۔ اپنے کاروبار کو وسعت دینے اور منافع کو بڑھتا ہوا دیکھنے والی بے چین کمپنی فوراً ایسا اشتہار دے دیتی کہ اسے ایسے انتہائی تربیت یافتہ سابقہ خصوصی فوجی درکار ہیں جو عراق میں

خدمات انجام دے سکیں۔ کمپنی موزوں افراد کو ایسی پرکشش تنخواہ کی پیشکش کرتی جو نہ صرف بنیادی فوجی تنخواہ کو شرما دیتی بلکہ کسی بھی کام میں ملنے والی تنخواہ سے زیادہ ہوتی۔ بلیک واٹر کے ساتھ کام کرنے والا ٹھیکیدار ایک دن میں 600 سے 800 ڈالر بنا لیتا تھا اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ۔اس کے علاوہ کمپنی مختصر مدت کے معاہدے کی پیشکش بھی کرتی۔ دو ماہ کے معاہدے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ چند دنوں میں ہی قسمت کی یاوری ہو جائے گی اور اچھا پیسہ بنایا جا سکے گا۔ بعض حالتوں میں اگر ٹھیکیدار چاہتے تو زیادہ مدت کے لئے معاہدے کی توسیع کروا لیتے۔ اس کے علاوہ کام کے خواہش مند کرائے کے فوجیوں کو ٹیکس میں بہت زیادہ چھوٹ دینے کی پیشکش بھی کی جاتی۔

پیشے کی نج کاری' جنگ لڑنے میں دلچسپی رکھنے والوں کو جو ریٹائر ہو کر روزمرہ کی اکتاہٹ بھری زندگی بسر کر رہے تھے مائل کر رہی تھی' کہ وہ میدان جنگ میں واپس آ کر اپنی اعلیٰ شہرت، ناموری اور کامرانی کے دنوں کی یاد کو دہشت گردی کے خلاف لڑی جانے والی عالمی جنگ کے جھنڈے تلے لڑ کر تازہ کر سکتے ہیں۔ نیوی کے سابق SEAL اسٹیونیش (Steve Nash) نے کہا کہ "یہ ہے جو آپ کرتے ہیں" وہ کہتا ہے کہ "فرض کریں آپ زندگی کے بیس سال تیز رفتار کشتیوں کو چلانے اور ہوائی جہاز سے کودنے میں صرف کرتے ہیں اور پھر اچانک آپ انشورنس کی پالیسیاں بیچنی شروع کر دیتے ہیں تو یہ ایک مشکل کام ہوگا"۔ ڈین بولینز (Dan Boelens) مشی گن کا ایک پچپن سالہ پولیس آفیسر جو خود کو اسلحہ کا ماہر گردانتا ہے بلیک واٹر کے ساتھ اس لئے عراق چلا گیا کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ کوئی ولولہ انگیز کام کرنے کا "یہ میری زندگی کا آخری موقع تھا"۔ اس کا کہنا تھا کہ "میں دباؤ میں آ کر خون میں ایڈرینالین کی وجہ سے ہونے والی ہیجان خیزی پسند کرتا ہوں"۔ سابقہ SEAL عہدے دار ڈیل میک کلیلان' Dale McClellan جو امریکہ کی بلیک واٹر کے اصل بانیوں میں سے ایک ہے کا کہنا ہے کہ "اگر کوئی شخص فوج یا سول ادارے میں ایک سال تک ہونے والی کمائی ایک ماہ میں کر رہا ہو تو پھر اس کے لئے ایسی نوکری کو چھوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے"۔ "ہم میں سے اکثر بندوق کی گولیوں کا نشانہ بن کر زندگی ہارتے رہے ہیں"۔ ان کی مہارتیں، شہری جنگ، لوہے کی چادروں کو کاٹنا اور گلی کوچوں اور تنگ گلیوں میں دوبدو لڑائی' سب سویلین دنیا میں بیکار ہیں۔ میک کیلین کہتا ہے کہ "مزید اس میں ایک اضافی فائدہ بھی ہے اور وہ ہے اس میں حاصل ہونے والی شہرت۔"

ایک دوسرے سابق سیل، کرٹس ولیم کا کہنا ہے کہ "آپ کو کسی اور کام کی تربیت دی ہی نہیں جاتی۔ ایڈرینالین کا خون میں گردش کرنا ایک نشہ بن جاتا ہے اور یہ معاملہ ایسا ہے جو کبھی نہیں ختم ہوتا یعنی ہیجان انگیزی چلتی رہتی ہے"۔ خصوصی افواج کے بہت سے سپاہیوں نے جنہوں نے 1990ء کے "زمانہ امن" خدمات سرانجام دیں مختلف ادوار کی کھلی جنگ سے خود کو لٹا ہوا محسوس کیا۔ وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کو اپنی ناموری کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ولیمز (Williams) کا کہنا تھا کہ "ہمیں اپنے ملک کے دفاع کے لئے بہترین منتخب کردہ افراد کے طور پر تربیت دی جاتی ہے۔ ہم وہ ہیں جو واپس جا کر بُرے افراد کو قتل کر دینا چاہتے ہیں۔" بلیک واٹر کے ایک ٹھیکیدار، جس نے افغانستان میں خدمات انجام دیں، نے اقرار کیا کہ "اگرچہ پیسہ ایک بڑا عنصر یا عامل ہے لیکن یہ سب کچھ نہیں"۔ بلیک واٹر کی ترغیب سے عراق جانے والے 38 سالہ سیل اسکاٹ، ایچ ہیلونسٹن کا کہنا تھا کہ "9/11 کے واقعے کے بعد میں کچھ بدلہ لینا چاہتا تھا"۔

سانولی رنگت والا خوش تراش جی۔ آئی جو (G.I. Joe) اور متناسب ساخت کا جسم رکھنے والا ہیلونسٹن، واقعی فوج کے لئے ایک چلتا پھرتا اشتہار تھا۔ ایک مرتبہ اس کی بنا قمیص کے ساحل سمندر پر سب سے آگے دوڑتے ہوئے بنائی گئی تصویر نیوی کے پروموشنل کیلنڈر کے سرورق کی زینت بھی بنی، ری پبلکنز (Republicans) کے ایک قابل فخر خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا دادا ایلی ہو روٹ (Elihu Root) ایک زمانہ میں امریکہ کا وزیر جنگ رہ چکا تھا اور 1912ء کا نوبل انعام یافتہ تھا۔ ہیلونسٹن ابھی سات سال کا ہی کا تھا کہ اس کے والد فوت ہو گئے اس نے اپنے چھوٹے بھائی جیسن Jason کو پروان چڑھانے میں مدد دی۔ اسکاٹ ہیلونسٹن ہر طرح سے ایک نمونہ کا سپاہی اور ایتھلیٹ تھا۔ اس نے سترہ سال کی عمر میں نیوی کے سخت SEALS پروگرام کو مکمل کر کے نئی تاریخ رقم کی۔ اس نے SEALS میں بارہ سال گزارے جن میں سے چار سال تک وہ انسٹرکٹر رہا۔ ہیلونسٹن کا کہنا تھا کہ "آزاد دنیا میں یہ ایک طویل ترین اور مشکل سے مکمل ہونے والی تربیت تھی"۔ سیل پروگرام کے زیر سمندر پیراکی کے بنیادی اسکول کی تربیت پر اس کا کہنا تھا کہ "جب آپ اسے کامیابی سے مکمل کر لیتے ہیں تو آپ خود سے یہ کہتے ہیں کہ ارے بھئی! میں سب کچھ کر سکتا ہوں" لیکن خصوصی افواج کے دوسرے سابق فوجیوں کی طرح 1994ء میں فوج سے فراغت کے بعد ہیلونسٹن نے بھی اس بات کی جدوجہد کی کہ 1994ء میں فوج سے فراغت کے بعد اسے اپنی زندگی کس طرح گزارنی ہوگی۔ اس کی لڑنے

کی صلاحیتیں پوری طرح اس حقیقی دنیا میں کام نہ آسکیں اور اسے اس بات سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ وہ کسی کے لئے کرائے کا فوجی بن سکے۔ اس کا اصل مقصد چاک و چوبند رہنا تھا۔ اس نے اپنی کمپنی ایمفیبئن ایتھلیٹکس کے لیے کئی ایک ویڈیوز بنائیں جن میں چاک و چوبند رہنے کی تربیت دی گئی تھی۔ اس کی آرزو تھی کہ چاک و چوبند رکھنے کا اپنا ذاتی سنٹر بنا سکے۔

یہ 1990ء کی بات ہے جب ہیلونسٹن نے ہالی وڈ میں اپنی قسمت آزمائی کی۔ اس نے ڈیمی مور (Demi Moore) کو SEALS پر مبنی ایک فلم کے لئے تربیت دی۔ جی۔ آئی۔ جین' جان ٹراولٹا کی فلم "فیس آف" کی مشیر تھی۔ اور فلم میں مختلف سٹنٹس کرنے کے لئے ڈپلیکیٹ کے طور پر کام بھی کیا۔ اس نے Reality TV پہ اپنے کام کا مظاہرہ کیا جس میں ایک نمایاں کردار بھی شامل تھا جو خصوصی افواج کے فوجی شو Combat Missions میں پیش کیا گیا جو مارک برنٹ نے پیش کیا۔ ایک نقاد نے ہیلونسٹن کو شو میں غصیل شخص کا مزاج رکھنے والا بتایا جو ولن کے طور پر بہت نمایاں رہا۔ "وہ بہت جذباتی ہے اور وہ چیزوں کو ایک خاص نظر سے دیکھ کر ان کا مطالعہ کر کے اپنے اوپر کردار کو طاری کرتا ہے" برنیٹ نے ہیلونسٹن کے بارے میں بتایا۔ "لیکن آپ کو کیا پتا؟ اس پر ایک گن لاد دیجئے اور اسے میدان جنگ میں بھیج دیجئے۔ آپ اسے اپنی طرف رکھنا چاہیں گے۔ وہ نیوی کا ایک عظیم SEAL ہے اور امریکہ کے بہترین ایتھلیٹکس میں سے ایک" دوسری سیریز "آدمی بمقابلہ درندہ" میں ہیلونسٹن مقابلے میں حصہ لینے والا واحد شخص تھا جس نے ایک درندے کو شکست دی۔ اس کا مقابلہ ایک چیمپینزی سے تھا جسے بالآخر اس نے پچھاڑ دیا۔

بات کوشش میں کمی کی نہیں تھی نہ ہی اداکاری کی' اداکاری ہیلونسٹن کے لئے ریت میں سے سونا چھاننے کے مترادف تھی۔ وہ تو مسلسل کوشش میں لگا ہوا تھا تاکہ بالآخر اپنی صلاحیت منوا سکے۔ "پیسہ اچھا تھا لیکن یہ کبھی بھی کافی نہ ہوا"۔ یہ بات اسکی والدہ کیٹی ہیلونسٹن ڈینیجل کو یاد تھی۔ اس کی بیوی پیٹریشیا (Patricia) اس سے طلاق لے چکی تھی۔ مگر وہ بدستور اس کی اور دو بچوں کائل اور کیلسے کی مالی معاونت کرتا رہا۔ ہیلونسٹن مقروض بھی تھا جب اس نے یہ سنا کہ SEAL کے انگوروں کے باغ سے وہ رس نچوڑ سکتا ہے اور ایک بہت اچھی آمدنی حاصل کر سکتا ہے۔ اسے بس باڈی گارڈ کا کام کرنا تھا جس میں خاص خطرہ نہیں تھا۔ اسے ڈائینکارپ (Dyncorp) کی جانب سے افغان صدر حامد کرزئی کی حفاظت کرنے کے کام کی پیشکش ہوئی

لیکن چونکہ معاہدہ سال بھر کا تھا لہٰذا اس نے انکار کر دیا کیونکہ ہیلونسٹن اپنے بچوں کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ پھر جب 2005ء کے اواخر میں اسے پتہ چلا کہ بلیک واٹر کام دے رہی ہے اور اس کی تعیناتی صرف دو ماہ کے لئے ہوگی اسے یہ خیال اچھا لگا اور اس نے کام کرنے کی حامی بھر لی۔ اسکاٹ کی ماں نے کہا کہ اس نے اس موقع کو اس طرح لیا جو اس کی زندگی بدل سکتا تھا۔ اس کی ماں کا کہنا ہے کہ وہ بولا "میں وہاں جاؤں گا، کچھ پیسہ بناؤں گا، ہو سکتا ہے بہت اچھا پیسہ بن جائے تا کہ میرے حالات بدل جائیں۔ پھر میں واپس آ کر اپنا نیا کام کروں گا۔ میں اپنے بچوں سے بس چند ماہ دور رہوں گا"۔ اس کی ماں کا کہنا تھا کہ یہی وجہ تھی کہ اس نے بلیک واٹر کا انتخاب کیا۔

جب اسکاٹ ہیلونسٹن اپنے خاندان یا دوستوں سے اس کے متعلق بات کرتا تو وہ لوگوں کو بتاتا کہ میں عراق میں موجود امریکی سفیر کی حفاظت کے لئے جا رہا ہوں۔ بیرونی نجی سیکیورٹی کی دنیا میں آخر بلیک واٹر اسی طرح کا کام کرنے کے لئے تو مشہور تھی۔ مزید یہ کہ کمپنی کو ہیلونسٹن کی طرح سابق SEAL کے تربیت یافتہ افراد چلا رہے تھے۔ وہ گھر اور عراق میں موجود اپنے ساتھیوں کے درمیان گردش کرتا رہتا تھا۔ ہیلونسٹن کے ایک دوست مارک ڈیوائن جو نیوی سیل کا ریزرو فوجی تھا اور جسے ہیلونسٹن نے تربیت دی تھی کا کہنا تھا کہ "ہیلونسٹن کے پاس ایک جنگجو کا دماغ تھا"۔ وہ عراق میں ساٹھ ہزار ڈالر بنانا چاہتا تھا اور دیکھنا رہتا تھا کہ وہ جس طرز پر تربیت پا چکا تھا اس قسم کے ایکشن کرنے کا اسے موقع مل سکے جو "امن کے سالوں" میں SEAL میں رہتے ہوئے دیکھنے کو نہیں ملا۔ "جب آپ کھیل میں شامل نہیں ہوتے تو آپ اپنے آپ کو کچھ ایسا تصور کرتے ہیں جیسے کوئی جانور پنجرے میں قید کر دیا گیا ہو۔ جیسے آپ ساری عمر توفٹ بال کے کھلاڑی کی تربیت حاصل کرتے رہے لیکن آپ کو کھیل میں شامل ہونے کے لئے کپڑے نہیں مل رہے"۔ ڈیوائن نے کہا۔ ہیلونسٹن کے بھائی جیسن کا کہنا تھا کہ "اگرچہ ہیلونسٹن نے SEAL کے طور پر خفیہ آپریشنوں میں حصہ لیا لیکن اسے یہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا خطرناک نہیں تھا جس سے مقاصد پورے ہوتے ہوں۔ وہ بعض اوقات ایسا محسوس کرتا کہ جیسے س نے اپنے ملک کا دفاع اور خدمت کی ہی نہیں کیونکہ اس نے اتنے خطرے کا سامنا کبھی نہیں کیا۔" جیکسن ہیلونسٹن نے کہا کہ "اسی وجہ سے عراق گیا تھا۔" اس کے عراق جانے سے دو دن قبل ڈیوائن نے اس سے گفتگو کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ "یہ اسکاٹ کے لئے آخری الوداعی سلام تھا۔ اور اس کے مطابق یہ اکھاڑے میں اترنے کا اس کے لئے آخری موقع تھا"۔ جہاں تک

عراق میں تعیناتی میں خطرے کا سوال تھا تو اس پر ڈیوائن کا کہنا تھا کہ "اس کے محسوسات اس طرح کے تھے کہ اگر تمہارا وقت پورا ہو چکا ہے تو تمہارے نام کی بندوق کی گولی ضرور کہیں نزدیک ہی موجود ہو گی۔"

اگر کیتی ہیلونسٹن ڈینجل کے بس میں ہوتا تو اس کا بیٹا کبھی بھی عراق نہ گیا ہوتا۔ اسے یاد پڑتا ہے کہ "ہم نے اس سے عراق نہ جانے پر کافی بحث کی تھی۔ میرا خیال ہے ہم افغانستان چلے جاتے لیکن مجھے کبھی یہ خیال نہ آیا کہ ہم عراق جائیں گے۔ اسکاٹ کے خیال میں صدام حسین القاعدہ کے ساتھ ملوث تھا۔ وہ جو کچھ کر رہا تھا اس پہ اسے یقین بھی تھا"۔ کسی سفیر کی حفاظت یا دوسرے کسی امریکی سرکاری اہلکار کی حفاظت، یہی وہ کام نہیں تھے جو اسکاٹی کو عراق میں کرنا تھے بلکہ اس سے بڑھ کر بھی بہت کچھ کرنا تھا۔

مارچ 2004ء کے اوائل میں ہیلونسٹن مایوک Moyock، نارتھ کیرولینا میں واقع بلیک واٹر کے ٹریننگ سینٹر کے ویرانے میں پہنچا جہاں اسے عراق میں تعیناتی سے قبل دو ہفتے کی تربیت حاصل کرنی تھی۔ یہاں اسے SEAL کے سابق اور دیگر خصوصی آپریشنوں کے لوگوں کے درمیان رہنا تھا۔ کمپاؤنڈ میں پہلے بیچ کے کچھ امریکی کرائے کے فوجی بھی تھے۔ بلیک واٹر نے چلی کے کمانڈو بھی بھرتی کئے تھے جو اوگستو پنوشے کے ظالمانہ دور کے تربیت یافتہ تھے جنہیں چند دن قبل بلیک واٹر بذریعہ پرواز شمالی کیرولینا لائی تھی۔ ہیلونسٹن کی طرح ان کو بھی عراق میں تیزی سے بڑھتے ہوئے نجی افواج کے حصے کے طور پر تعینات کیا جانا تھا۔ اس وقت بلیک واٹر کے صدر گیری جیکسن نے کہا "ہم پیشہ ور افراد کو ڈھونڈنے کے لئے زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا علاقہ چھان ماریں گے۔ چلی کے کمانڈو بہت زیادہ پیشہ ور ہیں اور وہ بلیک واٹر کے نظام کے لئے پوری طرح موزوں ہیں"۔

اسکاٹ ہیلونسٹن کے نارتھ کیرولینا پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد ہی گڑبڑ کا آغاز ہو گیا۔ بلیک واٹر میں تربیت دینے والوں میں سے ایک شخص کو لوگ شریک (Shrek) کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کو یہ نام ایک کارٹون مووی کے کردار سے اس کی مشابہت کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ ہیلونسٹن ہر طرح سے بلیک واٹر کے لئے کام کرنے کے لئے پُرجوش تھا اور عملی طور پر آگے کی جانب بڑھ رہا تھا، مگر تربیت کے کچھ ہی دیر بعد اس نے ایک ای میل میں بلیک واٹر انتظامیہ کو از روئے دعویٰ بتایا کہ اس کے اور شریک کے درمیان تنازعہ کھڑا ہو گیا ہے۔ دوسری باتوں کے علاوہ ہیلونسٹن نے

دعویٰ کیا کہ شریک ایک غیر پیشہ ور منیجر ہے اور اس نے شریک کو ایسا ظاہر کیا کہ جب دوران تربیت ہیلونسٹن اس سے سوالات کرتا تھا تو وہ دفاعی انداز اختیار کر لیتا تھا'' ہیلونسٹن کا دعویٰ تھا کہ کلاس میں میری شرکت کے دوران میں نے ایسی ناقدانہ رائے دی جس سے کسی طور پر شریک کا غلط ہونا ثابت نہیں ہوتا تھا لیکن یہ تجربہ تھا جو میں نے اس وقت حاصل کیا جب میں ریاست کے شعبے کا سرٹیفکیٹ کورس کر رہا تھا۔'' ہیلونسٹن نے مزید دعویٰ کیا کہ چونکہ شریک نے اس کی رائے اور تجاویز پر ردعمل ظاہر کیا تھا لہٰذا اس نے اپنی رائے دینا بند کر دی۔ نارتھ کیرولینا میں تربیت کے بعد ہیلونسٹن اور شریک کویت میں ایک ساتھ تعینات ہو گئے۔ وہ مارچ کے وسط میں چلی کے کمانڈوز کی اس ٹیم کے ساتھ کویت گئے جنہیں حال ہی میں بلیک واٹر نے ٹھیکے پر لیا تھا۔

اگرچہ ہیل ونسٹن اور شریک کے درمیان تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے تاہم کویت میں تعیناتی ہیلونسٹن کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی کیونکہ اس کے Reality TV کے شو کومبیٹ مشنز (Combat Misions) کے دو دوست جان اور کیتھی پوٹر بلیک واٹر کے آپریشنوں کو چلانے میں اس کے ساتھ تھے۔'' میں نے اسکاٹ کے ساتھ کویت پہنچنے کے کچھ دیر بعد اس کے ساتھ ایک ہفتہ گزارا جو اس کے عراق جانے سے کچھ دیر قبل کی بات ہے'' کیتھی پوٹر نے یاد کرتے ہوئے کہا جو بلیک واٹر کے کویت آپریشنز چلا رہی تھی جبکہ اس کا شوہر بغداد میں تھا۔'' ہم اس قابل تھے کہ اس کے خاندان، زندگی اور ملنے والے اسباق اور تجربات کے بارے میں کچھ شاندار باتیں کر سکیں۔ اسکاٹ پہلے کے مقابلے میں بالکل تبدیل ہو چکا تھا'' وہ ہیلونسٹن کو ایسی خوشی سے تعبیر کرتی تھی جو ہر وقت ساتھ رہتی ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا کہ اس کی کسی بات یا جملہ کہنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس نہیں رہی ہوتی تھی۔

اس کا پسندیدہ جملہ (جو وہ ہر موقع پر دہراتا تھا)'' میں یہاں آنے پر بے انتہا خوش ہوں۔'' بقول کیتھی اس کی یہ بات سن کر نہ صرف مجھے ہنسی آجاتی بلکہ آس پاس کے دیگر افراد کے چہروں پر بھی مسکراہٹ چھا جاتی۔

کیتھی پوٹر نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ' جب بلیک واٹر کے دوسرے لوگ منفی خیالات، تضحیک آمیز رویہ، عورتوں سے تعصب اور رقت طلب ظاہری انداز رکھتے تھے اس وقت ہیلونسٹن نے میری مدد کی اور میرے لئے ایک ڈھال کا کام کیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد ہیلونسٹن کے لئے حالات بہت خراب ہو گئے۔''

جب وہ مشرق وسطیٰ کے لئے روانہ ہوا تو اس کے گھر والوں نے سوچا کہ وہ پال بریمر کی حفاظت کے لئے جارہا ہے۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ انتہائی کم درجے کا خوشنما کام کرنے آیا تھا۔ زیادہ کاروباری طاقت کے حصول کے لئے بلیک واٹر نے ایک کویتی کمپنی کے ساتھ اشتراک کرلیا جس کا نام ریجنسی ہوٹل اینڈ ہاسپٹل تھا۔ دونوں فرموں نے مل کر یورسٹ سپورٹ سروسز (ESS) کے ساتھ ایک سیکیورٹی کا معاہدہ کیا تھا۔ یہ کمپنی ہالی برٹن کی ذیلی ٹھیکیدار تھی جس کا کام امریکی فوج کو باورچی خانے کا سامان مہیا کرنے والے فوجی قافلوں کی حفاظت تھا۔ بلیک واٹر اور ریجنسی نے کافی تگ و دو کے بعد ESS کنٹریکٹ ایک دوسری فرم کنٹرول رسک گروپ (CRG) سے شدید مقابلے کے بعد حاصل کیا تھا اور وہ اس بات کے خواہشمند تھے کہ (ESS) سے مالی منفعت والے مزید کنٹریکٹ حاصل کرسکیں۔ اس کے دوسرے شعبوں میں عراق میں تعمیراتی کاموں کی دیکھ بھال کا شعبہ بھی شامل تھا۔ بلیک واٹر فوری طور پر ٹیموں کو اس بات پر مجبور کر رہی تھی کہ فوراً فوجی قافلوں کی حفاظت کا کام شروع کردیں اور ان تفاصیل میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ ہیلونسٹن کو انجام کار عراق میں اپنی ذمہ داریاں نبھانی تھیں۔ اسی دوران اس کی لاعلمی میں پردے کے پیچھے خفیہ کاروباری معاملات طے کئے جارہے تھے۔ ریلے نیوز اینڈ آبزرور کے مطابق بلیک واٹر اپنے آدمیوں کو 600 ڈالر روزانہ کی ادائیگی کررہی تھی اور ریجنسی کو 815 ڈالر کا بل پیش کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ اخبار نے یہ خبر دی کہ:

> "بلیک واٹر علیحدہ سے بھی ریجنسی کو اپنے بالائی اخراجات اور عراق میں آنے والی لاگت کا بل دیتی تھی جس میں انشورنس، رہائش، کھانا، سفر، ہتھیار، اسلحہ، گاڑیاں، دفتر کی جگہ اور اس کا ساز وسامان، منتظمہ سپورٹ، ٹیکس اور ڈیوٹیاں وغیرہ شامل ہوتیں۔ بعد میں ریجنسی ESS کو ان سب خدمات کے لئے ایک نامعلوم رقم کا بل پیش کرتی"۔

کیتھی پوٹر نے نیوز اینڈ آبزرور کو بتایا کہ ریجنسی ای ایس ایس (ESS) کو جو نرخ دیتی وہ مثال کے طور پر 1500 ڈالر فی آدمی فی دن کے حساب سے ہوتے پھر بلیک واٹر کو بتاتی کہ اس نے (ESS) کو 1200 ڈالر کا ریٹ دیا ہے۔ بلیک واٹر ریجنسی کے اپنے معاہدے کے تحت (ESS) نے ہیلی برٹن کی ذیلی شاخ KBR کا حوالہ دیا، بظاہر یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ بلیک واٹر ESS کے ساتھ KBR کے ذیلی معاہدے کے تحت کام کررہی ہے۔ نیوز اینڈ آبزرور

نے خبر دی کہ ESS بلیک واٹر کی خدمات کا استعمال کرنے کے عوض اپنا بل KBR کو پیش کرتی اور نتیجتاً KBR وفاقی حکومت کو ان ہی خدمات کے استعمال کے عوض ایک نا معلوم رقم کا بل پیش کرتی۔ کے بی آر / ہیلی برٹن نے یہ پالیسی بنائی تھی کہ وہ اپنے ذیلی ٹھیکیداروں کے نام نہیں بتائیں گی۔ ان کا کہنا تھا کہ "وہ ان خدمات سے واقف نہیں ہیں" جو بلیک واٹر نے ESS کو مہیا کیں۔ بعد میں یہ تنازعہ کانگریس کی انکوائری کا خاص سبب بنا۔

بلیک واٹر / ریجنسی اور ESS کے مابین معاہدہ 8 مارچ 2004ء کو طے پایا۔ یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ عراقی سرزمین میں کارروائیوں کا خطرہ "تسلسل سے خطرناک ہی رہے گا"۔ لہذا اس بات کی ضرورت ہے کہ سیکیورٹی مشن پہ مامور گاڑیوں میں کم از کم تین آدمیوں کی ضرورت ہو گی۔ جبکہ ESS کی نقل وحرکت کو طاقت فراہم کرنے کے لئے ایک وقت میں کم از کم دو بکتر بند گاڑیاں درکار ہوں گی۔ لیکن 12 مارچ 2004ء کو بلیک واٹر اور ریجنسی کے مابین ایک ذیلی معاہدہ طے پایا جس میں سیکیورٹی کی وہ شقیں شامل تھیں جو اصل معاہدے جیسی تھیں ماسوائے ایک لفظ "بکتر بند" کے جسے معاہدے سے حذف کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے بلیک واٹر کے 1.5 ملین ڈالر بچ گئے تھے۔

جان پوٹر نے بیانیہ طور پر اس حذف شدہ لفظ کو بلیک واٹر اور ریجنسی کی انتظامیہ کے سامنے پیش کیا مگر انہوں نے یہ معاملہ نظر انداز کر دیا کیونکہ مزید التوا بلیک واٹر / ریجنسی کو ESS کی طرف سے رکاوٹ ڈالنے کے خدشے کے سبب منافع کمانے سے روک سکتا تھا۔ اور وہ اس بات کے لئے پرجوش تھے کہ ESS کو متاثر کر کے مزید ٹھیکے حاصل کئے جائیں۔ "ریجنسی جس چیز کی پرواہ کرتی تھی وہ تھی پیسہ" کیتھی پوٹر نے کہا کہ "وہ لوگوں کی زندگیوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے" لیکن بکتر بند گاڑیوں کے بغیر ہی منصوبے پر کام شروع کرنے کی ذمے دار بلیک واٹر ہی ہے جیسا کہ نیوز اور آبزرور نے خبر شائع کی کہ "معاہدے کی رو سے بلیک واٹر کو مکمل کنٹرول حاصل تھا کہ فوجی دستے کب اور کس طرح حرکت کریں گے۔ اس بات کا دارومدار بلیک واٹر کی اپنی صوابدید اور خطرے کی نوعیت پر تھا۔ کیتھی پوٹر نے کہا کہ "بلیک واٹر نے مشن شروع کرنے کی حتمی منظوری دے دی۔ 24 مارچ کو بلیک واٹر نے جان پوٹر کو پروگرام مینجر کے عہدے سے برخواست کر دیا اور اس کی جگہ مبینہ طور پر جسٹن مک قون Justin Mc Quown کو رکھ لیا۔ ہیلونسٹن خاندان کے وکلاء نے بیان کیا کہ یہ وہ آدمی تھا جسے سب شریک (Shrek) کے نام سے جانتے تھے جس

کے ساتھ ہیلونسٹن کا نارتھ کیرولینا میں ٹکراؤ ہوا تھا۔ Mc Quown نے اپنے وکیل کی معرفت انٹرویو دینے سے انکار کر دیا۔ کویت میں موجود ہیلونسٹن تک یہ بات پہنچ گئی کہ کیتھی اور جان پوٹر کو ہٹا دیا گیا ہے۔ اس پر ہیلونسٹن نے لکھا کہ "ایک بات جو میں جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ کیتھی اور جان پوٹر دونوں نے اس کام کو دل و جان سے اپنی پوری توانائیاں صرف کرتے ہوئے کیا تھا۔ میری یہ رائے ہے کہ چاہے ان کی غلطی کتنی بڑی کیوں نہ ہو انہیں نوکری سے نکالنا نہیں چاہئے تھا۔

اسی اثناء میں ہیلونسٹن کو بلیک واٹر ٹیم میں شامل کرنے سے قبل اسے کویت میں کچھ ادھر ادھر کیا گیا اور پھر عراق میں چند دنوں میں تعینات کر دیا گیا۔ اس نے لکھا کہ ہم نے آخری دو دن کام کرتے ہوئے گزارے، ہم کھانے کے لئے جاتے، ایک دوسرے کو جاننے کی کوشش کرتے اور ایک دوسرے کے ساتھ عمومی طور پر جڑ کر رہنے کی کوشش کرتے۔ اس نے 27 مارچ 2004ء کو لکھا کہ "ہمیں بتایا گیا ہے کہ آج سے دو دنوں بعد ہمیں ایک بس کو اپنی حفاظت میں لے کر بغداد جانا ہوگا۔" ہیلونسٹن نے لکھا کہ وہ اور اس کی نئی ٹیم رات کا کھانا کھانے کے لئے کویت میں باہر نکلے تاکہ آپس میں رشتوں کو مضبوط کر سکیں بعد ازاں ہم ایک حقہ بار میں گئے۔ اس اثناء میں عجیب و غریب واقعات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس کا آغاز رات تقریباً 10 بجے ہیلونسٹن کے موبائل پہ آنے والی کال سے ہوا۔" اس رات موصول ہونی والی کال میں مجھ سے کہا گیا تھا کہ کیا میں صبح 5 بجے ایک نئے ٹیم لیڈر کے ساتھ روانہ ہو سکتا ہوں۔ اس نے لکھا کہ "سچی بات یہ ہے کہ میرے پاس پھلوں کا ایک مشروب تھا اور پائپ کا سرا میرے منہ میں تھا۔ میں اچھا محسوس کر رہا تھا اور مجھ پر غنودگی سی طاری تھی اور میرا جواب تھا کہ نہیں۔ میرا سامان بندھا ہوا نہیں تھا اور میں روانہ ہونا نہیں چاہ رہا تھا۔"

ہیلونسٹن نے کہا کہ وہ کویت میں اپنے کمرے میں واپس گیا اور اس کا ٹیم لیڈر جسٹن سے بات کرنے چلا گیا۔ "وہ مجھے ٹیم ممبر کے طور پر کھونا نہیں چاہتا تھا اور میرا خیال ہے کہ اس نے محسوس کیا کہ کوئی خفیہ ایجنڈا ہے۔ چلو دیکھتے ہیں شائد ہم اسکاٹ کی طبیعت درست کر سکیں"۔

ہیلونسٹن کی ای میل کے مطابق رات گئے پھر سے معاملات خراب ہونے شروع ہو گئے۔ اس کا کہنا تھا کہ "شریک یا کوئی اور شخص اس کے ہوٹل کے کمرے میں آئے تاکہ میرا سامنا کر سکیں۔ شریک کے ساتھ موجود آدمی نے مجھے "بزدل" کہا اور اس طرح کھڑا ہو گیا کہ جیسے لڑنا

چاہتا ہو۔ جسٹن نے بھی ایسا ہی کیا۔ میں نے اپنی دستی بندوق نکال لی اور یہ بزدل آگے پیچھے ہونے لگا۔ مجھے خیال گزرا کہ اب یہ ہو کے رہے گا۔ میرے کمرے کے ساتھی کرس (Chris) نے جمود کو توڑا اور جسٹن نے کہا کہ ہمیں نوکری سے برخاست کر دیا گیا ہے اور کل تم ہوائی جہاز پر واپسی کے لیے سوار ہو جاؤ گے۔ ہم نے خوشگوار الفاظ کا تبادلہ کیا اور نتیجتاً وہ میری پستول مجھ سے لے لیتا ہے۔ ہیلونسٹن کے خاندان نے بعد میں بتایا کہ میک کوان نے دھمکی دی تھی کہ اگر ہیلونسٹن کل صبح تک نئی ٹیم کے ساتھ نہیں نکلا تو وہ نوکری سے نکال دیا جائے گا۔ اس رات کو ہونے والے تنازعے کے باوجود ہیلونسٹن نے جلد ہی خود کو عراق میں پایا۔ میک کوان کے وکیل نے بتایا کہ اس کا موکل اس مشن کی پلاننگ اور اس پر عمل کرنے میں کسی طرح شامل نہیں تھا۔ جس پر ہیلونسٹن کو چند دن بعد عراق بھیجا گیا۔ جو ای میل ہیلونسٹن نے اپنی عراق میں تعیناتی سے ایک رات قبل ارسال کی تھی وہ بلیک واٹر کے مالک، صدر اور اوپر کی انتظامیہ کے نام تھی۔ اس کا عنوان تھا ''انتہائی غیر پیشہ ورانہ بات'' یہ آخری ای میل تھی جو اسکاٹ ہیلونسٹن بھیج سکا۔

باب:6

گھات لگا کر حملہ

Rehan Ahmed
http://www.rehanahmed.com

مارچ 2004ء کے وسط میں جب اسکاٹ ہیلونسٹن مشرق وسطیٰ پہنچا تو اس وقت فلوجہ کی صورت حال خاصی خراب ہو چکی تھی۔ اپریل 2003ء میں حیٔ نزال اسٹریٹ پر واقع سکول کے باہر قتل عام کے بعد امریکی افواج شہر کے باہر چلی گئیں تھیں۔ جس طرح مقتدیٰ الصدر کے شیعہ ساتھیوں نے بغداد میں صدر شہر کے حصہ کو سنبھالا ہوا تھا اسی طرح فلوجہ کے شہریوں نے بھی اپنے آپ کو منظم کر لیا تھا اور امریکی فوجوں کے شہر میں داخل ہونے سے قبل شہر میں نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے مقامی طور پر سول انتظامیہ کی کونسل قائم کر کے ایک میجر اور میئر (Mayor) کو مقرر کر دیا تھا اور انہیں مطلوبہ اختیارات سونپ دیئے تھے۔ ہیومن رائٹس واچ کے مطابق "مختلف قبائل نے شہر کے اثاثہ جات کی ذمہ داری سنبھال لی تھی جیسے بینک اور سرکاری دفاتر۔ ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جو قبیلہ الفلوجہ ہسپتال کا ذمہ دار تھا اس نے فوری طور پر مسلح افراد کا ایک دستہ تشکیل دیا تھا تا کہ کسی غیر متوقع فوری حملہ سے ہسپتال کے علاقے کو بچایا جا سکے۔ مقامی اماموں نے اعلانات کر دیئے کہ شہری قانون کا احترام کریں۔ یہ حکمت عملی جزوی طور پر اس لئے کامیاب رہی کہ شہری آبادی خاندانوں کی صورت میں فلوجہ میں رہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ الفلوجہ میں لوٹ مار اور توڑ پھوڑ اور تباہی کے کوئی ظاہری آثار نہیں تھے۔ جبکہ بغداد میں یہ سب کچھ ہو چکا تھا۔ وہ امریکی افواج یا اس کے اتحادی عراقی فوج کے ساتھ کسی قسم کا تعاون پسند نہیں کرتے تھے اور ایک غصیلا مزاج رکھتے تھے۔ جنوری 2004ء میں میجر جنرل چارلس سوانیک جو فوج کی بیاسیویں ایئر بورن ڈویژن کا کمانڈر تھا نے کہا کہ "اس علاقے میں کامیابی کا حصول انتہائی آسان ہے۔" اس نے وضاحت کی

کہ ''ہم نے موڑ کاٹ لیا ہے اب ہم برق رفتاری سے سیدھے آگے بڑھتے جائیں گے۔

لیکن سوانیک کی افواج بڑے پیمانے پر شہر کے گردونواح میں مصروف کار تھیں۔ بریمر اور دیگر امریکی عہدیدار خاصے خوف زدہ تھے۔ نتیجتاً مقامی ملیشیا گشت کرتی پھرتی تھی۔ فلوجہ کے ایک دکاندار سعد حالیوی نے لیڈر سکول کے قتل عام اور امریکی فوج کے شہر سے نکل کر اس کے مضافات میں جانے کے ہفتوں بعد بتایا کہ ''عراقی اس مدت کو صرف عارضی جنگ بندی سمجھتے ہیں' وہ انجام کار ایک آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑیں گے۔ ہمیں قبضہ کرنے والوں نے ظلم اور نفرت پر مجبور کر دیا ہے۔'' فروری میں دن کے وقت ایک انتہائی منظم حملے میں مزاحمت کاروں نے فلوجہ میں امریکہ کی پشت پناہ عراقی پولیس کے سینٹر پر دھاوا بول دیا جس میں 23 افسر مارے گئے اور درجنوں قیدی رہا کروالئے گئے۔ اگلے ماہ ملیشیا بے باکانہ اور کھلے طور پر گشت کر رہی تھی اور پورے عراق میں قابضین کے خلاف نفرت بڑھتی جا رہی تھی۔ امریکہ نے فیصلہ کیا کہ شہر کو ایک مثال بنا دیا جائے ''حالات اس وقت تک بہتر نہیں ہوں گے جب تک آپ فلوجہ کو صاف نہیں کر دیتے'' بریمر نے وضاحت کی کہ'' اگلے نوے دنوں میں (اقتدار کی قانونی منتقلی کے بعد) یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اس کا اظہار کریں کہ ہم کیا چاہتے ہیں''۔

24 مارچ کو پہلی میرین برق رفتار فوج نے بیاسیویں ایئر بورن سے شہر سنبھالنے کی ذمہ داری لے لی اور فوراً ہی فلوجہ کے قبضہ مخالف مکینوں پر امریکہ کی بالادستی قائم کرنی شروع کر دی۔ کچھ دن قبل میرین کمانڈر میجر جنرل جیمز میٹس نے انتقال اقتدار کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فلوجہ اور اکثریتی صوبے انبار کے دیگر علاقوں میں اپنی حکمت عملی بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ'' ہم عراقیوں کے لئے' جو اپنے ملک کو یکجا دیکھنا چاہتے ہیں' اُمید رکھتے ہیں کہ ہم ان کے بہترین دوست ثابت ہوں گے''۔ ''اور جو غیر ملکی لڑاکا فوجوں اور سابق حکومت کے لوگوں سے جنگ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں افسوس ہوگا۔ ہم ان سے بہت بُری طرح پیش آئیں گے۔۔۔۔

اگر وہ جنگ کرنا چاہیں گے تو ہم بھی جنگ کریں گے''۔ ایک سال سے بھی کم عرصہ گزرا تھا جب میٹس نے اپنے عراق اور افغانستان میں گزارے ہوئے وقت کے بارے میں سامعین کو بتایا کہ'' دراصل ان سے جنگ کرنا ایک دلچسپ کام ہے۔ کچھ لوگوں کو مار دینا بھی دلچسپ کام ہے۔ مجھے دنگا کرنا اچھا لگتا ہے اور میں تمہارے شانہ بشانہ جنگ کروں گا۔

جونہی میٹس (Mattis) کی افواج نے فلوجہ کا قبضہ لیا تو ایسوسی ایٹڈ پریس نے

اندورن شہر سے خبر دی کہ ''امریکی فوجیں باغیوں کو شکست دینے کے لئے کسی بھی شخص کو جو مشکوک ہو نہیں بخش رہی ہیں۔ اگرچہ فلوجہ کے باشندے امریکی فوج کی موجودگی سے رعب و دہشت میں مبتلا ہو گئے تھے تاہم انہیں یقین تھا کہ بالآخر امریکی کمانڈو مزاحمت پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ آنے والے امریکی دستوں کے لئے اپنے پیغام میں میٹس نے کہا کہ ''فلوجہ کا مشن دوسری عالمی جنگ اور ویت نام کی جنگ جیسا ہی ہے''۔ ہمیں دنگا کرنا ہوگا۔ یہ ہمارا امتحان ہے، یہ ہمارے لئے گواڈل کی نہر، چوزن کا تالاب اور ہو شہر کی مانند ہے۔ آپ تاریخ لکھتے جا رہے ہیں۔ فلوجہ کے سینئر قبائلی سردار نے واشنگٹن پوسٹ کو بتایا کہ ''اگر یہ کشت و خون کو روکنا چاہتے ہیں تو انہیں شہر سے باہر رہنا ہوگا اور عراقیوں کو اجازت دینا ہوگی کہ وہ شہر میں امن و امان برقرار رکھیں''۔ اپنی آمد کے دو دن بعد ہی امریکی میرین مزدوروں کے رہائشی علاقے العسکری میں عراقیوں سے جنگ میں اُلجھ گئے تھے جو گھنٹوں جاری رہی۔ آخر میں ایک میرین مارا گیا اور سات زخمی ہوئے۔ اس لڑائی میں پندرہ عراقی ABC نیوز کا ایک کیمرہ مین اور ایک دو سالہ بچہ بھی زندگی ہار بیٹھے۔ امریکی میرین کے اس کریک ڈاؤن کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ ''بہت سے باشندے یہ کہنے لگے کہ ہم نے سال بھر میں امریکی فوجوں میں جو کچھ دیکھا یہ اس سے مختلف تھا۔'' فلوجہ میں امریکی میرین کی جارحیت سے عراقیوں کے سامنے چھ انتہائی سخت باتوں کا انتخاب تھا: یہ کہ وہ غیر ملکی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیں، اپنے گھروں سے بھاگ جائیں یا مزاحمت کریں۔ کچھ لوگ اپنے گھر چھوڑ کر چلے گئے مگر جوں جوں شہری ہلاکتیں زیادہ ہوتی گئیں توں توں فلوجہ کے لوگ نڈر ہوتے چلے گئے۔

اسی دوران ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے سنیوں کی مزاحمت کے شعلوں کو یک لخت بھڑکا دیا۔ یہ واقعہ عراق میں نہیں بلکہ فلسطین میں پیش آیا۔ غزہ میں اسرائیلی فوج نے حماس کے روحانی رہنما شیخ احمد یاسین کو کھلے عام قتل کر دیا۔ وہ اس وقت اپنی وہیل چیئر پر بیٹھے نماز فجر پڑھ کے واپس آ رہے تھے یہ واقعہ 22 مارچ 2004ء کو پیش آیا۔ ایک اسرائیلی گن شپ ہیلی کاپٹر نے احمد یاسین اور ان کے اردگرد موجود کم از کم آدھا درجن افراد پر آگ برساتا ہوا میزائل فائر کر کے انہیں بربریت سے قتل کر ڈالا۔ خاص طور پر نشانہ بنا کر قتل کرنے کے اس واقعے سے دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہو گئے اور ہر اس جگہ جہاں مسلمان، خصوصاً سنی مسلمان، موجود تھے انہیں غضبناک کر دیا۔ فلوجہ اس کی ایک مثال تھا۔ اس بہیمانہ قتل کے فوراً بعد 1500 سے زائد مسلمان جمع ہوئے اور ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی سنیوں کے لیڈروں نے کہا کہ شیخ احمد یاسین کی شہادت ہمیں اس

بات پر مجبور کرتی ہے کہ تمام غیر ملکی فوجوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا جائے۔ فلوجہ میں عام ہڑتال کے طور پر دکانیں، سکول، سرکاری دفاتر سب بند کروا دیئے گئے۔ بہت سے عراقیوں کا خیال تھا کہ عراق پر امریکی قبضہ دراصل اس خطے میں عظیم تر اسرائیل بنانے کے امریکی ایجنڈے کا حصہ ہے۔ فلسطین پر اسرائیلی قبضہ اور عراق پر امریکی حملہ ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں لگتی تھیں۔ الفلوجہ کے ایک رہائشی چونسٹھ سالہ مصلح المدفی کا کہنا تھا کہ ''وہیل چیئر پر ایک معذور بوڑھے کا قتل جس کا واحد ہتھیار اس کی اپنے وطن کو آزاد کروانے کی شدید خواہش تھی، اسرائیل کی ایسی بزدلانہ حرکت تھی جو یہ ظاہر کرتی تھی کہ اسرائیلی اور امریکی دونوں ہی امن نہیں چاہتے۔

شیخ احمد یاسین کی شہادت ایسے وقت ہوئی تھی جبکہ امریکی میرین نے فلوجہ پر جارحانہ قبضہ کیا تھا۔ اس نے اس یقین کو پختہ کر دیا کہ اسرائیل اور امریکہ کا اس معاملے میں باہمی گٹھ جوڑ ہے۔ عام عراقیوں کا خیال تھا کہ نجی سیکیورٹی ٹھیکیدار موساد یا سی آئی اے کے لوگ ہیں۔

جیسے جیسے امریکی میرین فلوجہ میں پھیلتے گئے فلوجہ کے رہائشیوں نے ''ہر گھر پر حملے اور ظالمانہ گرفتاریوں کی خبریں دینا شروع کر دیں۔ اگر امریکی میرین کسی گھر میں ایک سے زیادہ بالغ مرد دیکھتے وہ ان میں سے ایک کو پکڑ لیتے''۔ فلوجہ کے ایک رہائشی خالد کا کہنا تھا کہ ''وہ میرین ہمیں تباہ کر رہے ہیں اور وہ فلوجہ میں بہت سختی کر رہے ہیں۔'' 27 مارچ بروز ہفتہ کو میرین نے ایک بیان جاری کیا کہ ''وہ جارحانہ حملوں میں مصروف ہیں تاکہ لوگوں کے لئے محفوظ اور مستحکم ماحول بنایا جا سکے''۔ انہوں نے مزید کہا تھا کہ ''کچھ لوگوں نے لڑنے کا کہہ کر اپنی قسمت کا فیصلہ کیا ہے ہم ان سے لڑیں گے اور انہیں تباہ کر دیں گے''۔ امریکی میرین نے شہر میں داخل ہونے والے مرکزی راستوں کو ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور سڑک کے اطراف میں خندقیں کھود کر بند کر دیا تھا۔ فوج کے پڑوس میں اس طرح کے بینر نمودار ہونے شروع ہو گئے جن پر اس طرح کے نعرے درج تھے'' عراقی مزاحمت پائندہ باد'' ''عراق کے معزز مزاحمت کار زندہ باد''۔ اور ''سر اُٹھا کے جیو تم فلوجہ میں ہو'' جیسے ہی امریکیوں نے فلوجہ پر قبضے کی مہم کو آگے بڑھایا ویسے ہی کئی شہری فلوجہ سے نقل مکانی کر گئے۔ ''جو کچھ امریکی ہمارے ساتھ کر رہے ہیں اس سے ہماری قابل فخر جدوجہد کمزور نہیں پڑے گی''۔ یہ بات بغداد کی المستنصر یہ یونیورسٹی کے 24 سالہ مطالعہ عربی میں گریجویٹ سعدی حمادی نے بتائی۔ اس کا کہنا تھا کہ ہمارے لئے امریکی بھی اسرائیلیوں کی طرح ہیں۔ امریکیوں نے یہ اعلانات کرنے شروع کر دیئے کہ ان کے ہمسایہ علاقے میدان جنگ میں تبدیل ہو جائیں

گے اگر دہشت گردوں نے فلوجہ نہیں چھوڑا۔ اس وقت تک کئی خاندان اپنے گھر چھوڑ چکے تھے۔

''سردیوں تک امریکی افواج فلوجہ سے نکل چکی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ عراقی افواج پر بھروسہ کرتی ہیں کہ وہ ان کے لئے کام کریں گی اور اس دوران وہ خود متحرک نہیں رہیں گی''۔ نیو یارک ٹائمز کے بیرونی نامہ نگار جون برنز نے اس وقت یہ رپورٹ بھیجی تھی۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا تھا کہ ''امریکی میرین جنہوں نے ابھی پچھلے ہفتے 82 ویں ایئر بورن ڈویژن سے فلوجہ کے علاقے کے حاکمانہ اختیارات لئے تھے نے کام کرنے کا طریقہ بدل دیا تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ فلوجہ واپس جا کر پوری طاقت سے باغیوں کی سرکوبی کی جائے۔ جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہر طرف جنگیں شروع ہو گئیں جن میں متعدد میرین مارے گئے۔ بہت سے عراقی شہری بھی مارے گئے جن میں سے 16 صرف ایک دن میں یعنی گزشتہ جمعہ کو ہلاک ہوئے۔ پہلی میرین ڈویژن کے چیف آپریشنز آفیسر کلارک لیتھمین نے پوچھا کہ ''آپ چاہتے ہیں کہ فسادیوں کو محفوظ ٹھکانہ فراہم کریں یا آپ چاہتے ہیں کہ ان سے سختی سے نمٹیں اور انہیں باہر نکلنے پر مجبور کریں۔'' واشنگٹن پوسٹ کے دفاعی نامہ نگار تھامس رکس کے مطابق ''شہر میں میرین کا گشت ان کو شہر سے واقف کرتا جا رہا تھا اور وہ جان بوجھ کر حالات کو خراب کر رہے تھے۔ شہر میں باغی جواب دینے کے لئے تیاریاں کر رہے تھے جن میں دکانیں بند کرنے کی وارننگ، سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کرنا، اور کھڑی ہوئی کاروں کے پیچھے گھات لگا کر بیٹھنا وغیرہ شامل تھا۔ حتیٰ کہ 30 مارچ 2004ء کو بریگیڈیئر جنرل مارک کیمٹ نے رپورٹروں کو بتایا کہ ''ابھی تک میرین فلوجہ میں ہونے والی باتوں سے خوش ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اپنے کام کو جاری رکھیں گے تاکہ ایک محفوظ ماحول بن سکے اور وہ عراق کے اس صوبے کی تعمیر نو کر سکیں''۔ درحقیقت امریکہ ایک ایسی اشتعال انگیزی کو جنم دے رہا تھا جس کی زد میں بلیک واٹر کا اسکاٹ ہیلونسٹن اور تین دیگر کرایہ کے فوجی چوبیس گھنٹوں سے بھی کم مدت میں آنے والے تھے۔

ذبح کی ہوئی بھیڑ کی طرح

جیری زوو کو دہشت گردی کے خلاف جنگ شروع ہونے سے کئی سال قبل ایک امریکی سپاہی تھا۔ اس نے 19 سال کی عمر میں امریکی فوج میں شمولیت اختیار کی اور پھر اس نے ترقی

کرتے ہوئے خصوصی افواج میں اپنی جگہ بنالی۔ بالآخر وہ فوج کا رینجر بن گیا۔ یہ کروشین امریکی اپنی مرضی وخواہش سے اپنے والدین کے وطن یوگوسلاویہ میں تعینات تھا۔ 1990ء کے وسط میں جب سول وار چھڑی ہوئی تھی اس وقت اس کے خاندان کے مطابق وہ خفیہ کاروائیوں میں مصروف تھا۔ وہ آزاد خیال، ضدی اور حوصلہ مند قسم کا شخص تھا۔ یوگوسلاویہ کے بعد اس نے ایلیٹ گرین بیرٹ کی تربیت حاصل کی لیکن اسے کبھی بھی ٹیم کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ 1997ء میں زووکو نے فوج کو خیر باد کہہ دیا۔ اس کی ماں ڈینیکا زووکو نے یاد کرتے ہوئے کہا کہ ”اس نے حکومت کے لئے خدا جانے کیا کیا تھا جس کے متعلق وہ ہمیں بتاتا نہیں تھا۔ ہمیں نہیں پتہ وہ کیا بات تھی۔ مجھے آج تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کیا کرتا رہا تھا۔ اس نے ایک دفعہ مجھے چاندی کے ڈالر کے برابر تانبے کے چند ٹوکن دکھائے تھے جو اس نے کہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ ان لوگوں کو جو جاننا چاہتے ہوں گے کہ وہ کون ہے انہیں دکھائے گا۔ اس کی ماں نے اپنے بیٹے جیری کے ساتھ ہونے والی گفتگو یاد کرتے ہوئے کہا کہ اس نے کہا تھا کہ ”امی۔ فوج کا رینجر (Ranger) بننا آسان ہے کیونکہ یہ ایک جسمانی کام ہے۔ لیکن خصوصی افواج میں شامل ہونا آپ کی ذہانت پر مبنی ہے“۔

1998ء میں زووکو نجی سیکیورٹی کمپنیوں کی ایک ایسی دنیا میں داخل ہو گیا جس کے بارے میں عوام عموماً کچھ نہیں جانتے ان میں سے ایک سب سے بڑی کمپنی ڈائن کارپ (Dyn Corp) نے اس کی خدمات حاصل کرلیں۔ اسے خلیج عرب کی ریاست قطر میں رکھا گیا۔ جہاں وہ امریکی سفارت خانے میں کام کر رہا تھا وہیں اس نے عربی سیکھی۔ یہ کام اتنا بڑھا کہ وہ ایک پیشہ ور نجی سپاہی کے طور پر کام کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ وہ متحدہ عرب امارات میں خوب گھوما پھرا اور وہاں خاصی کنجوسی سے اپنی رقم خرچ کرتا رہا۔ جب کبھی اس کی ماں ڈینیکا زووکو اپنے بیٹے سے یہ پوچھتی وہ ان غیر ملکی جگہوں میں کیا کرتا پھر رہا ہے۔ تو وہ اپنی ماں کو ہمیشہ وہی بات بتاتا کہ ”وہ صرف سفارت خانے کی دیکھ بھال اور اس کے باورچی خانے میں کام کر رہا ہے“۔ اس نے اپنی ماں کو ہمیشہ یہی بتایا کہ وہ اپنی ملازمت کے دوران پورے سات سال صرف باورچی خانے میں ہی رہا۔ پھر اس کی ماں کا لہجہ بدل جاتا اور وہ شک بھرے لہجے میں کہتی کہ ”اب مجھے پتہ چل گیا ہے کہ وہ واقعی باورچی خانے میں کام نہیں کر رہا تھا“ جب امریکی فوجوں نے عراق پر قبضہ کیا تو اگست 2003ء کے اواخر میں زووکو نے ورجینیا سے متعلق ملٹری پروفیشنل ریسورسز انکارپوریٹڈ میں نوکری کرلی۔ جہاں

اس کا کام عراقی فوج کے سپاہیوں کو تربیت دینا تھا۔ اس کے عراق جانے سے چند ماہ پہلے کا ذکر ہے کہ زدوکو کی ماں نے اس سے پوچھا کہ کہیں تم کوئی کرائے کے فوجی یا اس قسم کی کوئی چیز تو نہیں بن گئے ہو۔ تم کہیں اپنی زندگی کو کسی دوسرے کے لئے خطرے میں تو نہیں ڈالتے ہو؟'' اس نے کہا ''امی میں اپنی زندگی خطرے میں نہیں ڈال رہا بلکہ میں تو عراقیوں کو تربیت دینے جا رہا ہوں۔''

زدوکو کی نوکری کچھ عرصہ ہی چلی کیونکہ بہت سے عراقی رنگروٹ چند ماہ پہلے ہونے والے رمضان کے وقفے کے بعد کبھی واپس نہیں آئے۔ زدوکو کو بلیک واٹر نے جو عراق میں تعیناتی کے لئے جارحانہ انداز میں لوگوں کو بھرتی کرنے میں مصروف تھی اپنے یہاں ملازم رکھ لیا۔ یہ نوکری زدوکو کے لئے دو پہیے والی ایسی گھوڑا گاڑی ملنے کی مانند تھی جس میں دو ہی افراد سوار ہوتے ہیں۔ خصوصاً اس لئے کہ اس کا ساتھی، ویس باٹالونا جو ہوائی کا ایک سخت جان فوجی رینجر تھا اور پانامہ میں 1989ء میں اور صومالیہ میں 1993ء میں اس کے ساتھ رہا تھا، اب بھی اس کے ساتھ تھا۔ عراقی فوجیوں کو تربیت دینے کا دورانیہ اگرچہ کم ہی تھا تاہم دونوں کی خوب نبھی۔ جب ٹریننگ کا کام الگ حصوں میں تقسیم ہو گیا تو انجام کار فروری 2004ء میں باٹالونا کو واپس عراق بلا لیا گیا اور زدوکو کو بلیک واٹر نے لے لیا۔ انہی دنوں مجھے جیری نے ٹیلی فون کیا'' زدوکو کی ماں نے بتایا'' وہ سنجیدہ تھا۔ اس نے کہا کہ آپ کو کچھ لکھنا ہو گا۔ میں نے کہا وہ کیا ہے؟ کہنے لگا کہ یہ ایک انشورنس پالیسی کا نمبر ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اگر مجھے انشورنس پالیسی کا نمبر ہی لکھنا ہو گا تو تمہیں پھر گھر واپسی کی راہ لینا ہو گی اور میں نے ٹیلی فون بند کر دیا''۔ ڈیبکا زدوکو نے اپنے دوسرے بیٹے کو بھی یہ ہدایات دیں کہ اگر جیری کال کرے تو اس کو وہی بات کہے جو اس نے زدوکو سے کی تھی'' یہ پہلی دفعہ تھی جب ہم نے جیری سے بحث کی تھی اور اسے گھر آنے کو کہا تھا''۔ اس نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ بلیک واٹر کے لئے کام کر رہا ہے۔ ڈیبکا نے کہا'' جب جیری نے دوسری دفعہ کال کی تو اس نے کہا کہ وہ ایسٹر کے تہوار کے رات کے کھانے پر گھر پر ہو گا۔ وہ سب گر جا جائیں گے اور وہ خاندانی کاروبار سنبھالے گا۔

لیکن ایسٹر سے چند ہفتے پہلے 30 مارچ کی صبح زدوکو اور باٹالونا بلیک واٹر کے ایک اور کرایہ کے فوجی، ٹینیسی کے اڑتیس سالہ مائیک ٹیگ کے ساتھ بلیک واٹر کی ایک ٹیم میں شامل ہو گئے۔

ٹیگ فوج کا بارہ سالہ تجربہ کار تھا جو ریزرو فوجی ہونے سے قبل پاناما اور گرنیڈا میں رہ چکا تھا اور ماضی قریب میں اس نے 9/11 کے بعد اپنا وقت افغانستان میں گزارنے پر کانسی کا تمغہ

حاصل کیا تھا۔ افغانستان سے فارغ ہونے کے بعد اس نے واپس امریکہ آ کر کم آمدنی والی سیکیورٹی کی ملازمت کر لی۔ یہ بات اس وقت کی ہے جب کہ اس نے زیادہ مالی فائدہ اُٹھانے کے لئے عراق میں بلیک واٹر کی ملازمت اختیار نہیں کی تھی۔ اس کے دوست جون منیش نے ٹائم میگزین کو بتایا کہ ''یہ اس قسم کا کام تھا جو مائیک پسند کرتا تھا، وہ ایک سپاہی ہونے کے ساتھ ساتھ جنگجو بھی تھا'' اس دن ٹیگ نے عراق سے اپنے ایک دوست کو ایک ای میل بھیجی جس میں کہا گیا تھا کہ وہ عراق سے محبت کرتا ہے اور وہ اپنی نئی ملنے والی چھ اعداد پر مشتمل تنخواہ سے بہت پر جوش اور مسرور ہے۔ اس ملغوبہ ٹیم کا چوتھا نمبر وہ چہرہ تھا جسے زوو کو اور باٹالونا نے بغداد میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ SEAL کا سابق اہلکار اسکاٹ ہیلوسٹن تھا۔ ان کا کام ان چند ٹرکوں کی حفاظت تھا جو فلوجہ کے قریب سے باورچی خانے کا سامان لیتے اور پھر ایک فوجی بیس پر اُتار دیتے۔ یہ بلیک واٹر کے نئے معاہدوں، میں سے پہلا تھا جس کے تحت ای ایس ایس ESS کے کیٹرنگ (کھانے پینے کا سامان) کے قافلوں کی حفاظت کرنا تھی۔ مشن سے پہلے باٹالونا نے اپنے ایک دوست سے شکایت کی کہ گروپ نے اس سے پہلے کبھی بھی ساتھ کام نہیں کیا ہے اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ تھی کہ صرف ادھوری ٹیم کو مہم پر بھیجا گیا۔ بقیہ دو اشخاص کو بلیک واٹر کے کمپاؤنڈ میں لکھت پڑھت کی خدمات کے لئے روک لیا گیا۔ پھر ایک بات یہ ہوئی کہ انہیں بکتر بند گاڑیوں کے بجائے عام گاڑیاں دی گئیں۔ ان آدمیوں کو دو عدد جیپیں دی گئیں جن کی پچھلی جانب سٹیل کی ایک ایک چادر لگا کر انہیں قابل گزارا بنایا گیا تھا۔

30 مارچ 2004ء اسکاٹ ہیلوسٹن کے لئے عراق میں کام کرنے کا پہلا حقیقی دن تھا۔ اس نے اپنے آپ کو مٹسوبشی کی ایک سرخ جیپ میں اسٹیرنگ وہیل کے پیچھے بیٹھا ہوا پایا۔ جیپ پر اسرار ہیبت ناک اور خالی مغربی عراقی صحرا میں دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ اس کے برابر میں ٹیگ بیٹھا ہوا تھا۔ باقی لوگوں سے ہیلوسٹن صرف ایک دن پہلے ملا تھا۔ دنیا کے خطرناک ترین علاقوں میں سے ایک میں اس طرح کی تعیناتی کے لئے یہ کوئی اچھا طریقہ نہیں تھا۔ پیچھے آنے والی نزدیکی سیاہ پیجارو کو بھاری بھرکم جیری زوو کو چلا رہا تھا اس کے برابر میں اڑتالیس سالہ باٹالونا تھا جو اس گروپ کا سب سے زیادہ عمر رسیدہ شخص تھا۔ آج وہ جس کام کے لئے جا رہے تھے اس کا تعلق کسی بھی پال بریمر یا سفارتی سیکیورٹی سے نہیں تھا بلکہ انہوں نے سچ مچ اپنی زندگی کو چند کانٹوں، چمچوں، برتنوں اور دیگچیوں کے لئے داؤ پر لگا دیا تھا۔ ان آدمیوں کو روزانہ 600 ڈالر اس لئے نہیں دیئے جا رہے

تھے کہ انہوں نے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دینا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ کام صحیح طور پر انجام پائے اور ان کے کام کی لاج رہے۔ آج اگر باورچی خانے کا سامان تھا تو کل سفیر کی حفاظت بھی ہو سکتی تھی۔

ماضی پر نظر ڈالیں تو ہر طرح کی وجوہات تھیں جن کی بنا پر وہ چاروں اس مشن پر نہ جاتے۔ پہلی بات یہ کہ ان کی ٹیم پوری نہیں تھی، دو افراد کم تھے۔ سی آئی اے اور اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا کہنا تھا کہ وہ کہیں بھی چار افراد کو دشمن کے علاقے میں نہیں بھیجیں گے جہاں یہ لوگ جا رہے تھے۔ ایسے علاقے میں بھیجے جانے والے افراد کی کم از کم تعداد چھ ہونی چاہئے۔ اگر ان کی تعداد پوری ہوتی تو تیسرے شخص کے پاس ایک بھاری SAW مشین گن ہونی چاہئے تھی جو 180 درجے زاویہ پر گھوم سکے تاکہ کسی بھی حملہ آور خصوصاً پیچھے سے حملہ کرنے والے کو مار گرا سکے۔ فلوجہ جانے سے چند دن قبل ہیلوسٹن نے اپنی سابقہ بیوی ٹریسیا کو ای میل میں لکھا کہ میں ایک متعین کردہ ڈرائیور ہوں اور میں اپنے ساتھیوں پر بہت زیادہ انحصار کرتا ہوں کہ وہ جنگی میدان کا انتخاب کریں'' تیسرے آدمی کی غیر موجودگی کا مطلب یہ تھا کہ مسافر کو گاڑی چلانے کے ساتھ ساتھ ہونے والے حملوں سے اپنا دفاع بھی خود ہی کرنا ہے۔ یہ لوگ محفوظ گاڑیوں میں زیادہ بہتر رہتے بجائے اس کے انہیں وہ گاڑیاں دی گئیں جو عام طور پر غیر ملکی ٹھیکیدار زیادہ استعمال کرتے [illegible] جنہیں عراق میں عموماً ''گولیوں کے مقناطیس'' کہا جاتا ہے۔ ان آدمیوں کو مشن [illegible] پہ انہیں سفر کرنا تھا اس کے بارے میں آنے والے ممکنہ خطرات کی [illegible] علاقے کی طرفوں کا اچھی طرح جائزہ لینا چاہئے تھا۔ مگر کہا جاتا ہے کہ مشن بہت جلد بازی میں ترتیب دیا گیا۔ ان تمام باتوں پہ مقدم یہ بات ہے کہ ہیلوسٹن کو اس خطرناک علاقہ میں جس میں وہ سفر کرنے والا تھا اس دن کسی مناسب نقشے کی مدد کے بغیر بھیج دیا گیا۔ ان سب باتوں کو مد نظر رکھ کر ان چاروں کو یہ کہہ دینا چاہیے تھا کہ اس صورت حال سے ہم مطمئن نہیں اور ہم کسی طور پر بھی نہیں جا رہے۔ آخر کو وہ فوج کے حاضر سروس جوان نہیں تھے کہ جنہیں حکم عدولی پہ کسی کورٹ مارشل کا خطرہ ہوتا۔ آخر میں زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ وہ انکار پہ اپنی ساکھ کھو بیٹھتے اور اپنی تنخواہ کے چیک کھو دیتے۔ ہیلوسٹن کے دوست اور سابق بلیک واٹر کے ملازم کیتھی پاٹر نے نیوز اینڈ آبزرور کو بتایا کہ ''وہ مشن پہ ہرگز نہ جاتے'' لیکن یہ لوگ دھن کے پکے ہوتے ہیں اور ہر قسم کے حالات میں اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔

سو وہ مغربی عراق کے خاموش صحرا میں اُترتے چلے گئے۔ یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ ان

آدمیوں نے راستے میں آنے والی مشکلات پہ بات نہ کی ہوگی۔ ان دنوں غیر عراقیوں کے لئے فلوجہ کے نزدیک کہیں بھی جانا ایک خطرناک کام تھا اور یہ بات جاننے کے لئے انہیں کسی انٹیلی جینس کی ضرورت نہیں تھی۔ امریکی میرین شہر میں بڑی جارحانہ مہم کے وسط میں تھے اور فوج کا کوئی بھی صحیح الدماغ شخص صرف چار آدمیوں اور بنا کسی بڑے آتشیں اسلحے کے فلوجہ کی طرف جانے کی جرأت نہیں کرتا تھا، بلیک واٹر کی انتظامیہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی۔ اپنے ESS کے ساتھ معاہدے میں بلیک واٹر نے یہ بات واضح کردی تھی کہ جس قسم کے خطرات فلوجہ، الرمادی، التاجی، اور الحلہ میں ہیں' حالیہ واقعات کے پیش نظر جن میں سویلین افراد تشدد کا نشانہ بنے' وہاں جانے والی ہر گاڑی میں سیکیورٹی کے کم از تین اہلکار ہونے چاہئیں۔

موجودہ اور آنے والے وقت میں حالات یونہی رہیں گے اور خطرہ اسی طرح سر پر منڈلاتا رہے گا لہٰذا مشن کو کامیابی اور پوری طرح انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ مشن پر جانے والوں کی ٹیم کم از کم چھ افراد پر مشتمل ہو۔ اس خاص مشن سے پہلے ہی فلوجہ کے حالات قابو سے باہر تھے۔ شہر میں امریکی فوجیوں پر گھات لگا کر حملے ہو رہے تھے۔ سویلین مارے جا رہے تھے اور یہ بات مشہور ہوتی جا رہی تھی کہ مسجدوں کا شہر فوراً ہی مزاحمتی شہر بنتا جا رہا ہے۔ بلیک واٹر کے چاروں آدمیوں کے فلوجہ جانے سے ایک دن قبل امریکی میرین کا ایک قافلہ شہر کے نزدیک بچھائی گئی باوردی سرنگ سے ٹکرا گیا تھا۔ چند ہی لمحوں میں مزاحمتی جنگجو حادثے کا شکار ہونے والی گاڑی کے قریب پہنچ گئے تھے اور انہوں نے AK-47 گن کا فائر کھول دیا تھا جس سے ایک میرین ہلاک اور دو زخمی ہو گئے تھے۔ اگلی صبح جب ہیلونسٹن اور اس کے ساتھی فلوجہ کی طرف نکلے تو میرین نے شہر سے بغداد جانے والی شاہراہ بند کر دی تھی۔ گزشتہ گیارہ دنوں میں شہر کے گرد نو میرین ہلاک ہو چکے تھے گزشتہ چند ماہ سے حالات بظاہر پر سکون تھے مگر صدموں اور تکالیف کے ملبے میں ایک دیو انگڑائیاں لے رہا تھا اور ہیلونسٹن اور بلیک واٹر کے دیگر تین ٹھیکیدار اس کا شکار بننے والے تھے۔

ان کی قسمت میں لکھا تھا (یا شاید ان کے پاس کوئی نقشہ نہیں تھا) کہ 30 مارچ کی رات ہیلونسٹن اور دیگر تین راستہ گم کر بیٹھیں۔ علاقہ میں موجود امریکی فوج سے رابطہ کئے بغیر وہ تکون میں کچھ دیر چلتے رہے۔ وہ ایک میرین بیس' جسے حال ہی میں کیمپ فلوجہ کا نام دیا گیا تھا' کیمپ تک پہنچ گئے اور آگے جانے سے پہلے وہاں رات بسر کرنے کا انتظام کر لیا۔ عراق میں یہ بات مشہور ہے کہ بہت سے حاضر سروس فوجی کرائے کے فوجیوں سے دل میں حسد رکھتے تھے۔ اکثر سپاہی یہ جانتے

تھے کہ ہیلونسٹن اور اس کے دیگر ساتھی ایک دن میں جتنا کما لیتے ہیں اسے کمانے کے لئے انہیں پورا ہفتہ درکار رہتا ہے۔تو یہ بات تعجب خیز نہیں تھی کہ بلیک واٹر کے آدمی اس فوجی بیس یا فلوجہ کیمپ میں مہمان خصوصی نہیں رہے ہوں گے۔اس کے باوجود چاروں آدمی وہاں آدھمکے اور ان کے ساتھ ہی کھاتے پیتے رہے۔فلوجہ کیمپ کا ایک میرین آفیسر ان سے ناراض تھا اور اس نے انہیں ''کاؤ بوائز'' کا خطاب دیا اور کہا کہ بلیک واٹر کے آدمیوں نے کمانڈروں یا بیس میں موجود کسی دوسرے فرد کو اس معاملے کی اطلاع نہیں دی کہ ان کا مشن کیا ہے۔ان کے نکلنے سے ایک دن قبل کسی وقت ہیلونسٹن نے اپنی ماں کو فون کیا جس نے بتایا کہ وہ اپنے بیٹے کے وہاں ہونے سے خود کو بیمار محسوس کر رہی تھی۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے اپنی ماں کو کئی دنوں سے ٹیلی فون نہیں کیا تھا۔اس وقت لیز برگ' (Leesburg) فلوریڈا میں آدھی رات ہو چکی تھی اور اس کی ماں کے فون کی گھنٹی بند تھی لہٰذا ہیلونسٹن نے اپنی ماں کے نام پیغام چھوڑ دیا کہ''امی ہر چیز ٹھیک ہے۔پلیز آپ پریشان مت ہوں۔میں جلد گھر آ جاؤں گا اور میں آ کر آپ کا خیال رکھوں گا۔

کچھ ہی دیر بعد اسکاٹ ہیلونسٹن ہائی وے 10 پر پیجارو دوڑا رہا تھا جو شاید دنیا کے انتہائی خطرناک ترین شہر کی طرف سیدھی چلی جا رہی تھی اور جس میں ہلکے اسلحے سے لیس سی آئی [illegible] والے چار امریکی بیٹھے تھے جنہوں نے آنکھوں پر سیاہ چشمے چڑھائے [illegible] 9:30 بجے تھے اور سہمے ہوؤں کا شہر جاگ رہا تھا اور انتظار کر رہا تھا۔

شہر کا مرکزی راستہ ایک گنجان آباد پٹی پر واقع ہے جس پر ریستوران، قہوہ خانے اور بازار واقع ہیں اور لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔اس صبح کسی وقت ان چاروں آدمیوں کے فلوجہ آنے سے قبل گواہوں کے مطابق نقاب پوشوں کے ایک چھوٹے سے گروپ نے کسی قسم کا دھماکہ کر دیا تاکہ گلیاں لوگوں سے صاف ہو جائیں اور دکاندار اپنی دوکانوں کے شٹر گرا دیں۔جونہی قافلہ شہر کی حدود میں داخل ہوا تو نقاب پوش وہاں سے نکل گئے۔ایک ویڈیو میں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مزاحمت کاروں کے ایک گروپ نے تیار کی تھی' باغیوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انہیں اس قافلے کی آمد کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی اور ان کا خیال تھا کہ اس میں امریکی انٹیلی جینس کے ایجنٹ تھے۔ ایک وفادار مجاہد آیا جو اسلامی جہادی فوج کا ایک جاسوس تھا۔اس وڈیو میں دکھایا گیا کہ اس نے ہمارے کمانڈر کو بتایا کہ سی آئی اے کا ایک گروپ حبانیہ جاتے ہوئے فلوجہ سے گزرے گا۔ان کے ساتھ حفاظتی دستے نہیں ہوں گے اور انہوں نے سادہ کپڑے پہنے ہوں گے۔یہ اس لئے کیا گیا ہو

گا تا کہ وہ مجاہدین کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ کیونکہ فلوجہ سے جانے والا ہر امریکی مارا جائے گا۔ بلیک واٹر کے نمائندوں نے بعدازاں بتایا کہ امریکہ کی مقرر کردہ پولیس کی یونٹ جان بوجھ کر ان کی حفاظت کرتی ہوئی شہر تک لائی۔ امریکی انٹیلی جینس کے ایک سینئر اہلکار نے بعد میں صحافی ٹامس وکس کو بتایا کہ گرین زون سے بلیک واٹر کے قافلے کی سرگرمیوں کی اطلاع باہر نکل آئی تھی۔

پھر اس طرح ہوا کہ زووکو اور بٹالونا جو ملک میں ہیلونسٹن سے زیادہ عرصے سے رہ رہے تھے انہوں نے راستے کی رہنمائی کا کام سنبھالا۔ جن کے پیچھے دو ٹرک تھے جو خالی تھے اور جنہیں دو عراقی چلا رہے تھے۔ ان ٹرکوں پر فلوجہ کے دوسری جانب سے باورچی خانے کا سامان چڑھایا جاتا تھا۔ ان کی پچھلی جانب ہیلونسٹن اور ٹیگ سرخ پیجارو میں محو سفر تھے۔ ان کے شہر میں داخل ہونے سے تھوڑی دیر قبل قافلہ کی رفتار کم ہو گئی۔ ان کی دائیں جانب دکانیں اور مارکیٹیں تھیں اور بائیں جانب خالی جگہ۔ جونہی گاڑیاں بالکل رُک گئیں۔ گواہوں کے مطابق ہیلونسٹن کی جیپ پر ایک گرنیڈ پھینکا گیا۔ اس سے قبل کہ وہ اور مائیک ٹیگ یہ دیکھتے کہ کیا ہو رہا ہے' فلوجہ کی گلیاں مشین گن کی فائر سے گونج اُٹھیں۔ گولیوں نے پیجارو کی ایک طرف اس طرح چھیل دی جس طرح نمک برف کو ادھیڑ دیتا ہے۔

خصوصی فوج کے آدمی کے ساتھ اس طرح کا واقعہ پیش آنا ایک انتہائی بُری بات تھی جبکہ اس حقیقت کا ادراک ہو جائے کہ آپ جال میں پھنس چکے ہیں۔ کوئی بھی یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسکاٹ ہیلونسٹن نے اپنا آخری سانس لینے سے پہلے کیا دیکھا تھا مگر اس میں شک نہیں کہ وہ منظر خوف زدہ کرنے والا ضرور ہو گا۔ کیا وہ صرف اس لئے زندہ رہا کہ وہ ایک دہشت ناک موت مرے گا۔ اس کا زخموں سے چور جسم جیپ میں پڑا تھا جس سے بُری طرح خون ابل کر باہر آ رہا تھا۔ آدمیوں کا ایک ہجوم پیجارو کے ہڈ پر چڑھ گیا اور فائرنگ کرتے ہوئے ونڈ شیلڈ کی طرف بڑھا۔ اسلحے کے کارٹرج اتارنے لگا۔ ہیلونسٹن کے ساتھ مائیک ٹیگ لیٹا ہوا تھا اور خون اس کی گردن سے بہہ رہا تھا۔ اللہ اکبر کے نعرے فضا میں گونج رہے تھے۔ حملہ آور تیزی سے حرکت کر رہے تھے جیسے شاہین مہلک طور پر زخمی شکار پر جھپٹتا ہے۔ جلد ہی ایک درجن سے زائد نوجوان جو ایک مقامی کباب ہاؤس کے گرد منڈلا رہے تھے اس شدید خون ریزی میں شریک ہو گئے۔ ایک عینی شاہد کے مطابق بلیک واٹر کا ایک آدمی ابتدائی حملے میں بچ گیا تھا۔ گولیاں اس کی چھاتی میں لگی تھیں بس ہجوم اسے ہی گاڑی سے نکال سکا وہ ان سے زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا'' لوگوں نے

اسے اینٹیں مار کر اور اس پر اچھل اچھل کر ختم کر دیا"۔ گواہ نے کہا انہوں نے اس کا بازو، ٹانگ اور سر کاٹ ڈالے۔ وہ خوش ہو رہے تھے اور ناچ رہے تھے"۔

جب ہیلونسٹن کی جیپ پر حملہ ہوا تو جیری زوو کو اور ویس باٹا لوٹا کو اس حقیقت کا ادراک ہو گیا کہ گھات لگا کر حملہ کیا گیا ہے۔ باٹا لوٹا نے گاڑی تیز کر دی اور کوشش کی کہ اپنے ساتھیوں کو بچائے یا پھر وہاں سے نکل بھاگے۔ ایک سابق نجی فوج کے کارکن کے مطابق بلیک واٹر اپنے آدمیوں کی اس طرح تربیت کرتی ہے کہ اگر کسی گاڑی پر گھات لگا کر حملہ کر دیا جائے تو اس کی مدد مت کرو۔ انہیں سکھایا جاتا ہے کہ ایسی جگہ سے نکل جاؤ کہ تمہارا اپنا بچ جانا ہی دانش مندی ہے۔ لیکن جیپ میں تھوڑے سے اسلحے اور ایک مشین گن چلانے والے کے ساتھ، باٹا لوٹا اور زوو کو بھی ایسے ہی تھے جیسے کہ مردہ ہوتا ہے۔ کچھ ہی لمحوں میں جیسے ہی ان کی جیپ دوسری گاڑی سے ٹکرائی انہوں نے اپنے آپ کو گولیوں کی بوچھاڑ میں پایا۔ زوو کو کی کھوپڑی اُڑ گئی تھی۔ باٹا لوٹا کی ہوائی کی قمیص گولیوں سے چھلنی ہو چکی تھی اور سر ایک طرف کو ڈھلک گیا تھا۔ سڑک پر اگلی جانب ہجوم ہیلونسٹن کی جیپ کے ٹکڑے کر رہا تھا۔ اسلحہ اور دیگر سامان لوٹا جا چکا تھا۔ کوئی پٹرول لے آیا اور اسے گاڑی اور مردہ جسموں پر چھڑک کر ماچس دکھا دی۔ جلد ہی وہ شعلوں میں گھر گئے تھے۔

اس قتل عام کی ویڈیو میں 'جو مزاحمت کاروں نے بنائی تھی' گاڑیوں کے ہارن بجنے اور اللہ اکبر کے نعروں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ شدید خون ریزی کے دوران، صحافی جائے وقوعہ پر آ کر تصاویر اتارتے رہے جو آنے والے کل میں انتہائی نفرت سے دیکھی جاتی تھیں۔ جونہی اصل حملہ آور فلوجہ کی بغلی گلیوں میں غائب ہوئے وہاں موجود مجمع بڑھتا ہی چلا گیا اور اس کی تعداد تین سو نفوس سے تجاوز کر گئی۔ جلی ہوئی جیپ سے جھلسی ہوئی لاشیں نکال لی گئیں اور آدمیوں اور لڑکوں نے ان کی ٹانگیں اور بازو الگ کر کے انہیں واقعی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کچھ آدمی اپنے جوتے لاشوں پر برسا رہے تھے جبکہ دوسرے دھاتی پائپوں اور بیلچوں سے سوختہ لاشوں کے حصوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے تھے۔ ایک نوجوان ایک لاش کے سر پر اس وقت تک ٹھوکریں مارتا رہا جب تک کہ وہ دھڑ سے الگ نہیں ہو گیا۔ ایک نوجوان کیمرے کے سامنے ایک چھوٹا سا بینر اُٹھائے ہوئے تھا جس پہ ایک کھوپڑی اور اس کے نیچے دو ہڈیاں انگریزی حرف X کی شکل میں بنی ہوئی تھیں اور جو اعلان تھا کہ "فلوجہ امریکیوں کا قبرستان ہے"۔ نعرے لگنے شروع ہو گئے کہ "ہم اپنے خون اور جانوں کو اسلام پر قربان کر دیں گے"۔ جلد ہی ہجوم نے دو لاشوں کو گہری سرخ اوپل سٹیڈان

Rehan Ahmed
http://www.rehanahmed.com

کی پچھلی جانب باندھ دیا اور انہیں کھینچتے ہوئے فرات کے مرکزی پل تک لے گئے۔ دوسری لاش کو ایک ایسی کار سے باندھا گیا جس پر حماس کے مقتول لیڈر شیخ احمد یاسین کا پوسٹر لگا ہوا تھا۔ راستے میں کسی نے لاش کی کٹی ہوئی دائیں ٹانگ کو اینٹ باندھ کر اسے بجلی کی تاروں کی طرف اُچھال دیا۔ پل پر لوگ لوہے کی کڑیوں پر چڑھ گئے اور انہوں نے ہیلونسٹن اور ٹیگ کی جھلسی ہوئی زندگی سے محروم باقیات کو دریا کے اوپر ٹانگنا شروع کر دیا۔ ہیبت ناک منظر اُبھر رہا تھا۔ ان کی لاشیں تقریباً دس گھنٹوں تک فرات کے اوپر لٹکتی رہیں۔ ایک فوجی کے الفاظ میں "ذبح کردہ بھیڑوں کی طرح"۔ بعد میں لوگوں نے لاشوں کو کاٹ کر نیچے پڑے ہوئے ٹائروں پر پھینک کر ایک دفعہ پھر آگ لگا دی۔ جب آگ بجھ گئی تو لاشوں کے جلنے سے بچ جانیوالے حصوں کو باندھ کر ایک گدھا گاڑی پر لاد دیا گیا اور اسے فلوجہ میں گھماتے ہوئے انجام کار میونسپل کی عمارت کے سامنے جا کر پھینک دیا گیا۔ درجنوں عراقی گدھا گاڑی کے پیچھے دیکھتے ہوئے جلوسوں کی شکل میں چل رہے تھے اور چلاتے ہوئے گاتے جا رہے تھے۔ "بش تمہیں کیا چیز یہاں لے کر آئی تھی کہ تم نے لوگوں کے ساتھ ظلم زیادتی کی۔" ایک آدمی نے انتباہ کیا" یہ ہے فلوجہ آنے والے تمام امریکیوں کا انجام"۔

یہ عراقی جنگ کا موغادیشو جیسا سماں تھا لیکن اس میں دو بنیادی باتیں مختلف تھیں: قتل ہونے والے آدمی امریکی فوجی نہیں تھے، وہ کرائے کے فوجی تھے اور جیسا کہ صومالیہ میں 1993ء میں ہوا تھا اس سے مختلف یہاں یہ تھا کہ امریکہ یہاں سے بھاگ نہیں رہا تھا۔ بلکہ اس کے بجائے بلیک واٹر کے ان چاروں سپاہیوں کی موت ایک تشدد آمیز امریکی محاصرے کو بڑھاوا دینے والی تھی جس کی بے نظیر مزاحمت ہونا تھی جو سقوط بغداد کے ایک سال بعد تک جاری رہنا تھی۔

باب: 7

ہم فلوجہ میں امن بحال کریں گے

کرائے کے فوجیوں کی سوختہ لاشیں ابھی تک فلوجہ کے پل پر لٹکی ہوئی تھیں جب گھات لگا کر حملہ کرنے کی خبر دنیا کے دوسرے حصوں میں پھیلنی شروع ہوئی۔ فلوجہ کے باہر فوجی بیس میں بیٹھے کیپٹن ڈگلس زیمبیاک نے ٹی وی پر بلیک واٹر کے آدمیوں کا انجام دیکھتے ہوئے کہا ''وہ امریکوں کے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے'' لیکن قریب ہی پڑاؤ ڈالے ہزاروں امریکی میرینز کی طرف سے کوئی فوری ردعمل سامنے نہیں آیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اسی صبح فلوجہ کے قریب پانچ میرین ایک روڈ سائیڈ بم سے ٹکرانے کے بعد مارے جا چکے تھے۔ ہو سکتا ہے یہ اس لئے ہو کہ بلیک واٹر کے آدمی امریکہ کی سرکاری فوج سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بہر حال بلیک واٹر کے آدمیوں کی لاشیں فرات کے اوپر گھنٹوں ٹنگی رہیں تھیں یہ خوف ناک یاد دلانے کے لئے کہ سقوط بغداد کے ایک سال بعد، بش کی طرف سے جنگ ختم ہونے کے اعلان کے گیارہ ماہ بعد اور عراقیوں کو باقاعدہ سرکاری طور پر اقتدار کی منتقلی سے نوے دن قبل' جنگ تو ابھی شروع ہوئی تھی۔ امریکی فوج کے ترجمان بریگیڈیئر جنرل مارک کمٹ نے ابتدائی طور پر گھات لگا کر حملہ کرنے کے واقعے کی شدت کو کم کر کے بیان کرتے ہوئے کہا ''یہ ایک منفرد چھوٹا سا مقامی واقعہ تھا جو اس طرح کی لڑائیوں کا حصہ ہوتے ہیں''۔ کمٹ نے کہا کہ ''فلوجہ' عراق کے ایسے شہروں میں سے ایک ہے جس کے باسی جو بات کو نہیں سمجھتے''۔ ''جب فلوجہ میں یہ واقعہ ہو رہا تھا تو اس وقت ہم پورے ملک میں سکول اور ہیلتھ کلینک کھول رہے تھے۔ ہم بجلی کی پیداوار بڑھا رہے تھے۔ ہم تیل کی پیداوار بڑھا رہے تھے''۔

گھات لگا کر حملہ ہونے والے دن کمٹ نے پریس کو بیان دیتے ہوئے کہا ''کیا یہ المیہ ہے؟ بالکل یہ المیہ ہے۔ اس دنیا میں چار خاندان ایسے ہیں جن کے گھر کے دروازے بار بار بجیں گے اور جب ایسا ہو تو بری خبر پہنچانے کے لئے۔ مگر یہ سب کچھ ہمارے مشن کو روک نہیں سکتا۔ درحقیقت اس مشن کا ختم کر دینا ان مارے گئے لوگوں کی بے حرمتی ہوگی''۔ پال بریمر کے ترجمان ڈین سینور نے رپورٹروں کو بتایا ''جن لوگوں نے ان لاشوں کو نکالا اور ٹھیکیداروں پر حملہ آور ہوئے یہ وہ لوگ نہیں ہیں ہم جن کی مدد کے لئے یہاں موجود ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے گرفتار کرنا یا قتل کرنا ہے تاکہ ملک آگے کی طرف جا سکے''۔ سینور نے کہا کہ ''جن لوگوں نے گھات لگا کر حملہ کیا اور اس کی تائید کی وہ عراقیوں کی چھوٹی سی اقلیت ہے۔ عراقیوں کی اکثریت 1995ء کی آزادی کے لئے مشکور ہے۔ 98 فیصد عراقی ایسے ہی ہیں''۔

اس دوران، ہزاروں میل دور واشنگٹن ڈی سی میں صدر بش ایک مہم پر شاندار میریٹ وارڈ مین پارک ہوٹل میں بش۔ چینی عشائیے پر خطاب کر رہے تھے ''ہم ابھی تک عراق میں ٹھگوں اور دہشت گردوں کا سامنا کر رہے ہیں جو آزادی کی پیش قدمی قبول کرنے کے بجائے معصوم لوگوں کو قتل کر رہے ہیں''۔ صدر نے اپنے حامیوں کو بتایا ''قاتلوں کا یہ ٹولہ ہماری قوت ارادی کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ کبھی بھی ان خونیوں اور قاتلوں کے ڈرانے دھمکانے میں نہیں آئے گا۔ ہم عراق میں بڑی شدت اور جارحانہ طور پر دہشت گردوں پر حملے کر رہے ہیں۔ ہم انہیں ان کی سرزمین پر شکست دیں گے تاکہ ہمیں اپنے ملک میں ان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔'' اگلی صبح امریکی سو کر اُٹھے تو فلوجہ میں خوفناک قتل کی خبریں ان کی منتظر تھیں۔ ''عراقی ہجوم نے چار سول امریکیوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے'' شکاگو ٹریبون کی سرخی چلا کر اعلان کر رہی تھی ''عراقی حملے میں سویلین امریکیوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے'' واشنگٹن پوسٹ نے سرخی لگائی۔ ''امریکیوں کی بے حرمتی'' میامی ہیرالڈ نے باضابطہ اعلان کیا۔ ہر اخبار میں صومالیہ کا بار بار تذکرہ کیا گیا تھا۔

کیمپٹ کے ابتدائی طور پر گھات لگا کر حملہ کرنے کو ہلکے انداز میں بیان کرنے کے بعد وہائٹ ہاؤس اور پال بریمر نے عوام کے ہاتھوں بلیک واٹر کے آدمیوں کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کے واقعے سے امریکہ کے خلاف بڑھتی ہوئی مزاحمت کو پروپیگنڈا کی جنگ کے لئے ایک بڑا نقصان قرار دیا۔ کچھ لوگ یہاں تک کہہ گئے کہ گھات لگا کر حملہ کرنا 1993ء کے صومالیہ کے واقعے کی براہ راست تخلیق نو تھی' جب قبائل نے امریکی بلیک ہاک ہیلی کاپٹر کو مار گرایا تھا جس میں گیارہ

امریکی سپاہی مارے گئے تھے' جن میں سے چند ایک کی لاشوں کو موغادیشو کی گلیوں میں گھسیٹ کر کلنٹن حکومت کو پیغام دیا گیا تھا کہ وہ فوراً ملک چھوڑ دیں۔ عراق میں انتقال اقتدار سے تین ماہ قبل بش انتظامیہ کو جرأت مندانہ مزاحمت کی ناقابل تردید حقیقت کا سامنا تھا جو اس قبضے کے خلاف تھی جو امریکہ اور عراق میں تیزی سے غیر مقبول ہوتا جا رہا تھا۔ ''یہ تصاویر جلد ہی مزاحمت کاری کی تلخ حقیقت کی علامت بن گئیں''۔ بریمر نے لکھا کہ انہوں نے اس حقیقت کو خط کشیدہ کر دیا تھا کہ اتحادی فوج فلوجہ کو کنٹرول نہیں کر رہی تھی۔ بریمر کا کہنا تھا کہ اس نے عراق میں امریکی افواج کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل ریکارڈو شان شیڈ سے کہا کہ ہمیں اشتعال انگیزی کا جواب دینا چاہئے ورنہ دشمن سمجھے گا کہ ہم متذبذب ہیں۔ بریمر کے مطابق شان شیڈ نے جواب دیا۔ ''ہم اس آپریشن کی جو ہم نے پچھلی خزاں میں بنایا تھا گرد جھاڑ رہے ہیں تاکہ فلوجہ کی صفائی کر سکیں۔ تقریباً فوراً ہی مسجدوں کے شہر کو کچلنے کے پلان میں تیزی آ گئی۔ وہائٹ ہاؤس کے ترجمان اسکاٹ میک گلی لین نے کہا'' ہمیں کسی طرح ڈرایا دھمکایا نہیں جا سکتا ہے'' سینیٹر کیری نے' جو اس وقت ڈیموکریٹک پارٹی کا صدارتی امیدوار تھا' کہا'' جمہوریت اپنی جڑیں مضبوط کر رہی ہے اور اس عمل کو اُلٹا نہیں جا سکتا۔ یہ سفاک حملے ہمیں یاد کرا رہے ہیں کہ عراق کے مستقبل سے دشمنی رکھنے والے کتنے عیار ہیں۔ غم میں متحد ہونے کے ساتھ ساتھ ہم اپنے اس مصمم ارادے میں بھی متحد ہیں کہ یہ دشمن ہم پر غلبہ نہ پا سکیں گے۔'' نینسی پیلوسی ڈیموکریٹک ہاؤس لیڈر نے کہا'' کچھ لوگوں کی قانون شکنی کی وجہ سے ہم شہر سے بھاگنے والے نہیں'' اس دوران سیاسی پنڈتوں نے کیبل نیٹ ورک پر خون کا بدلہ لینے کا کہنا شروع کر دیا۔ فوکس نیوز کے بل اور ریلی نے ایک آخری حل پیش کرتے ہوئے کہا'' مجھے فلوجہ کے لوگوں کی پرواہ نہیں۔ تم ان کے دل و دماغ نہیں جیت سکتے۔ آخر کار وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔ انہوں نے اس کو ثابت کر دیا ہے۔ لہٰذا اس جگہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دینی چاہئے۔ بعد میں اس نے امریکہ سے کہا کہ'' فلوجہ کے دہشت گردوں کو سزا دینے کے لئے زیادہ سے زیادہ طاقت استعمال کی جائے اور ریلی نے واضح کیا'' خوف ایک اچھی چیز ہو سکتی ہے۔ قتل کرنے والے دہشت گردوں اور ان کو اس قابل بنانے والوں کو لازماً مار دیا جانا یا قید کر دینا چاہئے اور ان کی سزا دوسروں کے لئے عبرت ہونی چاہئے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ صدام نے ان تمام عشروں میں عراق کو کیسے قابو میں رکھا ہو گا؟ اس نے خوف کی وجہ سے ایسا کیا۔'' اسی دوران MSNBC پر ڈیموکریٹ کے سابقہ صدارتی امیدوار جنرل ویسلے کلارک نے کہا:'' جہاں تک میں نے اندازہ

لگایا ہے فلوجہ میں مزاحمت کم نہیں ہو رہی ہے' یہ بڑھ اور جمع ہو رہی ہے اور ہم اپنے اقتدار کو اس طرح للکارا جانا برداشت نہیں کر سکتے۔''

بہت سوں نے سوال کیا کہ فلوجہ میں چار ہزار میرین کی موجودگی میں یہ کیوں کر ممکن ہوا کہ بلیک واٹر کے چار آدمیوں کی لاشیں ٹکڑے ٹکڑے ہوتی رہیں اور کیوں ان کی جلی ہوئی لاشیں گھنٹوں تک پل پر لٹکتی رہیں۔ حتیٰ کہ جب گاڑیوں کے جلنے سے گہرا سیاہ دھواں اُٹھ کر شہر کی بند دکانوں کے پار جا رہا تھا، اس وقت وہاں کوئی ایمبولینس یا آگ بجھانے والی گاڑیاں اور سیکیورٹی کے اہلکار کیوں موجود نہ تھے کہ کوشش کر کے ان ستم رسیدہ افراد کی جانیں بچانے کی کوشش کرتے۔ اس کے بجائے فلوجہ کی گلیاں شاداں و فرحاں، سخت بدنظم اور پرتشدد مجمعوں کے لئے خالی تھیں جو کچلے اور بچے ہوئے انسانی اعضاء پر خوشیاں منا رہے تھے۔ میرین کے ایک ترجمان کرنل مائیکل واک نے کہا'' کیا ہمیں اپنے کسی ٹینک کو بھیجنا چاہئے تھا تاکہ ہم بڑی عزت اور احترام سے چار لاشیں واپس وصول کرتے؟ اس سے کیا فائدہ ہوتا۔ مجمع آخر مجمع ہوتا ہے۔ ایسا کرنے سے ہم ان کا غصہ مزید بڑھا سکتے تھے۔ بہتر یہ تھا کہ یہ واقعہ دھندلا پڑتا چلا جاتا۔''

ایک رپوٹر کے سوال پر کہ'' آیا امریکی میرین، بلیک واٹر کے آدمیوں کے مارے جانے پر اس لئے فلوجہ نہیں گئے کہ وہاں بڑا خطرہ تھا اور وہ مشتعل ہجوم کا سامنا نہیں کرنا چاہتے تھے'' کیمپٹ نے پلٹ کر جواب دیا'' میرا نہیں خیال کہ اس ملک میں ایسی کوئی جگہ ہوگی جہاں اتحادی افواج اس لئے نہ جا سکتی ہوں کہ وہ خطرناک ہے۔ اسی دن کراس فائر کے میزبان ٹکر کارلسن نے CNN پر کہا'' میرے خیال میں ہر اس شخص کو قتل کر دینا چاہئے جو ان امریکیوں کی موت کا ذمہ دار ہے۔ یہ کمزوری کی علامت ہے''۔ اسی طرح ہمیں 9/11 کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ اس لئے ہوا کہ ہم نے اس طرح کی چیزوں کو بنا جواب دیئے جانے دیا۔ یہ ایک بڑا معاملہ ہے''۔

صرف چوبیس گھنٹوں میں کیمپٹ کا لہجہ بدل چکا تھا۔'' ہم جواب دیں گے۔ ہم یہ نہیں کریں گے کہ افراتفری پھیلاتے ہوئے شہر میں جا گھسیں۔ یہ دانش مندانہ طریقے سے ہوگا۔ بالکل ٹھیک ہوگا اور جوش و جذبے کے ساتھ ہوگا''۔ اس نے بغداد میں ایک پریس بریفنگ میں یہ واضح کیا۔'' ہم فلوجہ میں واپس آئیں گے۔ وقت اور مقام کا ہم خود انتخاب کریں گے۔ ہم مجرموں کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ ہم انہیں مار دیں گے یا انہیں گرفتار کر لیں گے اور ہم فلوجہ کو پُرامن بنا دیں گے۔''

پال بریمر نے بغداد میں واقع پولیس اکیڈمی کے تقریباً پانچ سو نئے فارغ التحصیل افراد سے خطاب کرتے ہوئے بلیک واٹر کے آدمیوں کی ہلاکت پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ''فلوجہ میں کل کے واقعات انسانی وقار اور بربریت کے درمیان جاری رہنے والی کشمکش کی ایک ڈرامائی مثال ہیں'' اس نے واضح کیا ''بلیک واٹر کے آدمیوں کا مارے جانا ایسا نہیں کہ اس کے ذمہ داروں کو سزا نہ دی جائے۔ مارے جانے والے ٹھیکیدار، کئی عشروں سے آمریت میں جکڑے ہوئے عراقی عوام کو آمریت سے نجات دلا کر ان کی مدد کرنے آئے تھے تاکہ عراقی عوام کی ایک کثیر تعداد کی خواہش کے مطابق الیکشن کا انعقاد، جمہوریت کی آمد اور آزادی کا حصول ممکن ہو سکے۔ یہ قاتل ہم اتحادیوں کے لئے تکلیف دہ اور انتہائی ظالم ہیں۔ لیکن وہ عراق میں استحکام اور جمہوریت کی طرف پیش قدمی کو پٹڑی سے نہیں اُتار سکیں گے۔ بزدلوں اور بُرے لوگوں نے جو کچھ کل کیا وہ معاشرے کے انتہائی خراب طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

امریکہ کی بہت سی خبروں میں گھات لگا کر حملہ کرنے کے واقعے میں فلوجہ کو ایک سنی مزاحمتی علاقہ گردانا گیا تھا جو غیر ملکی جنگجوؤں اور صدام کے وفاداروں سے پر تھا۔ یہ پر اثر کہانی گردش کر رہی تھی کہ بلیک واٹر کے آدمی معصوم ''سویلین ٹھیکیدار'' تھے جو کھانا بہم پہنچا رہے تھے اور جنہیں فلوجہ میں موجود قصابیوں نے ذبح کر ڈالا۔ اس واقعے کے بعد ایک موقع پر کیمپٹ نے رپورٹروں کو بتایا کہ بلیک واٹر کے آدمی وہاں اس لئے گئے تھے کہ وہ عراقی لوگوں کی مدد کریں، مقامی علاقے کو کھانا فراہم کریں گویا کہ یہ آدمی انسان دوست تھے جو ریڈ کراس کے لئے کام کر رہے تھے۔ مگر فلوجہ کے اندر اور عراق میں ہر جگہ گھات لگا کر حملہ کرنے کو ایک دوسرے نقطہ نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔

اس خبر نے کہ تکنیکی طور پر آدھی امریکی فوج حاضر سروس افراد پر مشتمل نہیں تھی۔ اس حقیقت کو تبدیل نہیں کیا کہ باقی فوجی بھی پوری طرح مسلح امریکی تھے جو سفر کرتے ہوئے فلوجہ کے مرکز میں اس وقت پہنچے تھے جب کہ امریکی افواج عراقی سویلین کو قتل کر رہی تھیں اور کوشش میں تھیں کہ شہر کو طاقت سے چھین لیا جائے۔ نیویارک ٹائمز نے رپورٹ دی ''فلوجہ کے بہت سے لوگوں نے کہا کہ وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ انہوں نے بدھ کے دن ایک اہم فتح حاصل کی ہے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ چاروں سیکیورٹی گارڈ جو غیر نشان شدہ اسپورٹس گاڑیاں چلا رہے تھے وہ سی آئی اے کے لئے کام کر رہے تھے'' ۔فلوجہ کے 28 سالہ شہری سلام الظیمی نے کہا ''یہی کچھ تھا جس

کے لئے یہ جاسوس مستحق تھے۔"

سی این این پر لیری کنگ کے براہ راست نشر ہونے والے پروگرام میں، اے بی سی نیوز کے میزبان پیٹر جیننگز نے جو بلیک واٹر کے آدمیوں کے قتل سے چند دن قبل لوٹا تھا کہا "وہاں امریکیوں کی ایک قسم کی دوسری فوج بھی ہے جو سیکیورٹی عملے کی صورت میں وہاں موجود ہے اور ملک میں تقریباً ہر اس جگہ دکھائی دیتی ہے جہاں اتحادی افواج مصروف کار ہوں۔ وہ مجھے ایسے دکھائی دیے ہیں جیسے انتہائی مطلوب نشانہ ہوں۔ وہ سرتاپا مسلح ہیں۔ ان میں سے اکثر اس طرح دکھائی دیتے ہیں جیسے وہ سلویسٹر اسٹالن کی فلم کے کردار ہوں۔ اور اس طرح وہ ملک میں گھومتے پھرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ باغیوں نے' وہ جو کوئی بھی ہوں' انہیں چن لیا ہوگا اور ہوسکتا ہے وہ ان کا پیچھا کررہے ہوں۔ اس لیے فلوجہ کا واقعہ' چاہے جتنا بھی برا ہو' میرے لیے حیران کن بالکل نہیں تھا۔ دیگر افراد نے اس حملے کو امریکی فوج کے ہاتھوں فلوجہ میں سویلین شہریوں کے قتل کا رد عمل گردانا۔ خصوصاً پچھلے ہفتے کی بندوقوں کی جنگ کا جن میں درجن بھر سے زیادہ عراقی مارے گئے تھے۔ "بچے اور عورتیں ہلاک ہوگئیں۔ یہ سب معصوم تھے"۔ ابراہیم عبداللہ الدولیمی نے کہا۔ "فلوجہ میں لوگ امریکی سپاہیوں سے بہت ناراض ہیں"۔ فلوجہ میں دستی پرچے گردش کررہے تھے جن میں کہا جارہا تھا کہ فلوجہ میں امریکیوں کا مارے جانا اسرائیل کی طرف سے حماس کے لیڈر شیخ احمد یاسین کے قتل کا بدلہ تھا۔ فلوجہ کی ایک دکان کے ملازم عامر نے کہا "امریکی سوچ سکتے ہیں کہ یہ غیر معمولی بات ہے لیکن یہ وہ بات ہے جس کی انہیں توقع ہونی چاہئے۔ وہ مختلف جگہوں پر نظر آتے ہیں اور وہ سویلین کو مار دیتے ہیں۔ تو انہیں کیوں نہ مارا جائے"؟ حتیٰ کہ اس قسم کی جذباتی باتوں کی بازگشت امریکہ کی تخلیق کردہ عراقی پولیس کے عہدیداروں کے درمیان بھی سنائی دیتی تھی۔ میجر عبدالعزیز فیصل حامدی محمدی فلوجہ کا ایک شہری تھا جس نے سقوط بغداد کے بعد 2003ء میں پولیس فورس میں شمولیت کی تھی۔ اس نے کہا "امریکیوں کے خلاف تشدد بڑھ رہا ہے۔ انہوں نے ملک پر قبضہ کرلیا اور ہمیں کچھ بھی نہیں دیا۔ وہ جمہوریت کی بحالی اور لوگوں کی مدد کرنے آئے تھے۔ لیکن ہم نے اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھی ہے۔ صرف قتل اور تشدد ہی دیکھا ہے۔"

فلوجہ کے ایک مقامی عہدیدار سمیع مفرود المفراجی، جو امریکیوں کا حمایتی تھا کا کہنا تھا "امریکی اپنے وعدے پورے نہیں کررہے ہیں کہ اس ملک کی تعمیر میں مدد کریں۔ میں امریکی فوج کی حمایت کرتا تھا لیکن انہوں نے مجھے اپنے لوگوں کے درمیان ایک مشکل حالت میں ڈال دیا

ہے۔اب وہ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم ان سے دو دو ہاتھ کریں؟'' اس نے کہا'' انسانیت کی ہولناک صورت حال اور امریکی فوج کے تشدد نے لوگوں کو مایوس اور غصیلا کر دیا ہے''۔بھوکے لوگ تمہیں کھا جائیں گے اور لوگ یہاں بہت بھوکے ہیں۔حتیٰ کہ یہ سیاق و سباق امریکہ کے کچھ فوجی دستوں میں بھی واضح تھا''جن لوگوں نے یہ سخت ظالمانہ جرم کیا ہے وہ انتقام لینا چاہ رہے تھے''۔ یہ بات میرین لیفٹیننٹ ایرک تھورلیفسن نے کہی جو فلوجہ کے گردونواح میں تعینات تھا۔اس نے کہا ''ہم طاقت سے جواب دیں گے''۔

جس وقت امریکی عہدیدار اپنے لوگوں کی لاشوں کی بے حرمتی کی مذمت کر رہے تھے انہوں نے امریکہ کی طرف سے عراق کے اہم افراد جنہیں امریکی فوج نے قتل کر دیا تھا کے ٹکڑے ٹکڑے کی ہوئی لاشوں کی خوفناک تصویریں پھیلانے کے سوالات کے جواب دینے سے انکار کر دیا تھا۔ان اہم افراد میں صدام حسین کے بیٹے عدی اور قصی شامل تھے جو جولائی 2003ء میں مارے گئے۔یہ فوٹو ان کی موت کے ثبوت کے طور پر جاری کیے گئے تھے۔واشنگٹن کی طرف سے بلیک واٹر کے آدمیوں کے مارے جانے کی بہت مذمت کی جارہی تھی اور عراقی، امریکہ کی اس پروپیگنڈا ٹیکنیک پر غضبناک تھے۔جس دن بلیک واٹر کے آدمی مارے گئے وہائٹ ہاؤس میں میک کللیلسن سے پوچھا گیا کہ'' کیا انتظامیہ کا لاشوں کو دیکھ کر مذمت کرنا منافقت نہیں۔کیونکہ جب امریکیوں کی لاشوں کو گلیوں میں گھسیٹا جارہا تھا تو اس وقت کوئی تبصرہ کیوں نہیں کیا گیا؟''

''یہ ایک جرم ہے۔یہ ایک انتہائی غیر مناسب سلوک ہے جو ان لوگوں کے ساتھ روا رکھا گیا۔اور ہمیں امید ہے ہر شخص ذمہ دارانہ طور پر ان کی خبر کو پیش کرے گا۔سچی بات یہ ہے کہ امریکیوں کے مارے جانے اور ان کی بے حرمتی کی بہت سی تصاویر جو امریکی ٹی وی پر دکھائی گئیں یا اخباروں میں شائع کی گئی ان کی تدوین کر دی گئی تھی یا انہیں دھندلا کر دیا گیا تھا۔اس کے باوجود پیغام واضح تھا۔بین الاقوامی میڈیا میں فلوجہ کے واقعے کا صومالیہ کے واقعے سے بڑھتے ہوئے تقابل پر امریکی انتظامیہ نے پلٹ کر جواب دیا۔''ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ہم بھاگنے والے نہیں''۔بش انتظامیہ کے پہلے سینئر عہدیدار وزیر مملکت کولن پاؤل نے جرمن ٹیلی ویژن پر بلیک واٹر کے آدمیوں کے قتل پر براہ راست تبصرہ کرتے ہوئے کہا''امریکہ کے پاس یہ صلاحیت ہے کہ وہ ایک دشمن سے رُک کے مقابلہ کرے اور اس دشمن کو شکست دے۔ہم بھاگیں گے نہیں''۔

اسی دوران رپورٹروں نے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ یہ ٹھیکیدار کون تھے اور وہ

فلوجہ کے وسط میں کیا کر رہے تھے"۔ بغداد میں فوج کے ترجمان ڈین سینور نے کہا" میں ہر ٹھیکیدار کو عراق میں موجود اپنے موکل کے بارے میں خود بتانے کا موقع دوں گا۔ میرا خیال ہے کہ بلیک واٹر کے ایک سے زیادہ موکل ہیں۔ مگر میں ایک بار پھر کہوں گا کہ آپ کو ان سے رابطہ کا موقع دوں گا تا کہ آپ خود ہی مطلوبہ معلومات لے سکیں جو یقیناً میرے پاس نہیں۔ اپنے سفیر بریمر کی سلامتی کے متعلق ہمارا بلیک واٹر سے معاہدہ ضرور ہے۔ وہ سفیر بریمیر کی حفاظت پر معمور ہیں"۔ سی این این پر سینور سے پوچھا گیا، جن لوگوں نے اپنی زندگیاں کھو دیں ان کے لئے تمام تر عزت کے ساتھ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کسی نے سکیورٹی کمپنیوں کی کارکردگی پر بھی غور کیا؟

"بالکل" سینور نے جواب دیا" ہمیں بلیک واٹر اور سکیورٹی کے دیگر اداروں جو بریمر کی حفاظت کر رہے ہیں اور پورے ملک کو تحفظ فراہم کر رہے ہیں پر پورا اعتماد ہے۔" اسی دوران جب چار سو سویلین ٹھیکیداروں کے بارے میں معلومات عوام میں پھیل گئیں تو پورے ملک میں بلیک واٹر کے فون بجنے لگے۔ بلیک واٹر نے اپنی پالیسی کے تحت مارے گئے افراد کے نام بتانے سے انکار کر دیا۔

دشمن کے امریکہ میں رابطے بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ نام بتانے شروع کر دیں اور انہوں نے یہ تلاش شروع کر دی کہ آپ کے دوست کون ہیں؟ اور سوالات شروع کر دیئے تو یہ ایک سلامتی کا مسئلہ بن جائے گا۔ یہ بات بلیک واٹر کے سابق نائب صدر جیمی اسمتھ نے کہی۔

گھات لگا کر حملہ کرنے کے اگلے دن، بلیک واٹر نے طاقتور اور اثر ورسوخ رکھنے والی ری پبلکن لابی فرم الیگزینڈر اسٹریٹیجی گروپ (جسے سابق سینئر اسٹافرز نے قائم کیا۔ اس وقت ایوان کا اکثریتی لیڈر ٹام ڈیلے تھا) تا کہ اس نئی نئی ملنے والی شہرت سے فائدہ اٹھا سکے۔ بلیک واٹر نے پریس کو ایک مختصر سا بیان دیا" ہمارے دوستوں پر کسی اشتعال کے بغیر حملے اور بعد ازاں سخت ظالمانہ بُرا سلوک کا تصویری عکس غیر معمولی حالات ظاہر کرتا ہے جس میں ہم عراقی عوام کو آزادی اور جمہوریت دلانے کے لئے رضا کارانہ طور پر کام کر رہے ہیں۔ بلیک واٹر کے بیان میں مزید کہا گیا کہ" اتحادی افواج، سویلین ٹھیکیدار اور انتظامیہ عراقی عوام کے ساتھ روزانہ شانہ بشانہ کام کرتے ہیں۔ تا کہ ضروری اشیاء اور خدمات جیسے کھانا، پانی، بجلی اور ضروری تحفظ عراقی شہریوں اور اتحادی ساتھیوں کو فراہم کر سکیں۔ اگر چہ ہمارے کام خطرناک ہیں اور ہم اپنے مارے گئے ساتھیوں کے لئے غمگین ہیں ہم فخر کرتے ہیں اور مطمئن ہیں کہ ہم عراقی عوام کے لئے کچھ مختلف کر

رہے ہیں''۔ ری پبلکن کانگریسی واٹر جونز جونیئر جے آر جو کریک کاؤنٹی نارتھ کیرولائنا (جہاں بلیک واٹر کے ہیڈکوارٹرز ہیں) کی نمائندگی کرتا ہے نے کہا''ٹھیکیداروں نے آزادی کی خاطر اپنی جانیں قربان کی ہیں''۔ ری پبلکن سینیٹر جان وارنر جو سینٹ کی فوجی خدمات کی کمیٹی کا سربراہ ہے نے بلیک واٹر کے آدمیوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا'' وہ لوگ اس کام کے لئے جو ہم عراق میں کرر ہے ہیں بنیادی طور پر بنیادی ڈھانچے کی تعمیر کیلئے بہت ضروری ہیں''۔

بلیک واٹر کے نیوز لیٹر کے سیکشن ''چیلینز کارنر'' میں گھات میں لگا کر حملہ کرنے کے فوراً بعد چیپلین ڈی آر اسٹیلین نے بلیک واٹر کے آدمیوں کے کردار کی گمراہ کن تاویل شروع کردی کہ وہ ''انسانی بنیادوں پر کام کرنے والے'' کارکن تھے جو عراقی عوام کو بچانے کے لئے آئے تھے۔ اس نے لکھا کہ'' وہ چار امریکی اس لئے وہاں تھے کیونکہ انہیں مقامی عراقیوں کو زندگی قائم رکھنے والی اشیاء فراہم کرنے والے کاروانوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے کرایہ پر حاصل کیا گیا تھا۔ واقعہ اسلامی شدت پسندوں کی ہر اس شخص سے نفرت ظاہر کرتا ہے کہ جو اسلامی شدت پسند نہیں ہیں۔ اور خصوصاً وہ جنہیں یہ لوگ سفید شیاطین یا بڑا شیطان یا صرف ''کافر'' کہتے ہیں۔ یا آپ نے ہجوم میں موجود ان لوگوں کو دیکھا جنہیں ٹی وی کے توسط سے دکھایا گیا تھا؟۔ کیا آپ نے ان کے رویئے اور عمریں دیکھیں؟ ان کا پیدا ہوتے ہی ان لوگوں کے خلاف جو ان کے ساتھ نہیں برین واش کردیا جاتا ہے اور خصوصاً ہمارے اور اسرائیلیوں کے خلاف'' اسٹیلین نے لکھا:

حملہ آوروں کا پیغام'' ہماری افواج کو فلوجہ اور شہر کے گرد خصوصی دعویٰ کردہ علاقے میں داخل ہونے سے روکنا ہے!!! پیغام کا جواب دیا جائے گا!!!! اسٹشن نے اپنا خطبہ اپنے قارئین سے یہ درخواست کرتے ہوئے ختم کیا:'' دشمن کو اس پر مجبور کریں کہ وہ ہر اس اقدام کی جو وہ ہمارے خلاف کرے بھرپور قیمت ادا کرے کیونکہ ہم آزادی اور انصاف کے لئے کھڑے ہوئے ہیں''۔

لیکن بلیک واٹر کے لئے کام کرنے والا ہر فرد اس بات سے متفق نہیں تھا۔ مایوک میں کمپنی کے لئے جز وقتی طور پر کام کرنے والے الیکٹریشن مارٹی ہف اسٹنکلر نے کہا'' میرا خیال ہے کہ وہ بلاوجہ رو رہے ہیں۔ میں اس بات سے متفق نہیں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ وہاں کے لوگ ہمیں وہاں دیکھنا نہیں چاہتے''۔

میرین جنہوں نے ابھی ابھی فلوجہ کی کمان سنبھالی تھی ان کے نزدیک فلوجہ کا گھات لگا کر حملہ کرنے کا اس سے برا وقت نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ اس نے ڈرامائی طور پر یہ میجر جنرل جیمز میتی

کی حکمت عملی کا راستہ تبدیل کر دیا تھا۔ مقامی کمانڈر ہلاکتوں کو قانون نافذ کرنے کے معاملے کے طور پر لے رہے تھے اور چاہتے تھے کہ حملہ آوروں کو گرفتار یا ہلاک کیا جائے۔ مگر وائٹ ہاؤس ہلاکتوں کو امریکہ کے عراق میں مصمم ارادے کے خلاف سنجیدہ چیلنج کے طور پر دیکھ رہا تھا۔ ایسا چیلنج جو ملک میں سارے پروجیکٹ کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔ صدر بش نے رمز فیلڈ اور علاقے میں موجود امریکی کمانڈر جنرل جان ابی زید کو فوراً طلب کیا اور کہا کہ وہ حملہ کرنے کا پلان تیار کریں۔

لاس اینجلس ٹائمز کے مطابق رمز فیلڈ اور ابی زید کے پاس جواب تیار تھا۔ ایک اہلکار نے کہا: ''ایک مخصوص اور بھر پور حملہ' جس سے فلوجہ پر قبضہ ہو جائے''۔ یہ وہ بات تھی جو بش سننا چاہتے تھے۔ جو کچھ صدر کو نہیں بتایا گیا وہ یہ تھا کہ زمین پر موجود میرین نے شہر پر بھر پور حملہ کرنے کو سختی سے رد کر دیا تھا۔ میرین کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل جیمز ٹی۔ کونوے نے بتایا کہ ''ہم چاہتے تھے کہ حالات ہمارے انتقامی حملے سے قبل سازگار ہو جائیں''۔ کونوے نے اپنی یہ بات رمز فیلڈ تک ایک چین کی صورت میں چلاتے ہوئے پہنچا دی''۔ ایک اہلکار نے کہا۔ مگر رمز فیلڈ اور اس کے اونچے درجے کے مشیر اس بات سے اتفاق نہ کر سکے اور کونوے کی بات صدر تک نہ پہنچائی۔ پینٹاگون کے ترجمان لارنس دی ریٹا نے بعد میں بتایا کہ: ''اگر آپ طاقت استعمال کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں تو ایک موقع پر آپ کو طاقت کے حقیقی استعمال کی رضامندی ظاہر کرنا ہوگی''۔ بش نے فوری حملہ کی توثیق کر دی۔

صدر کی طرف سے حملے کا حکم فلوجہ کے گردونواح میں تعینات میرین بیس تک پہنچا تو سانچیذ نے وہاں پر موجود کمانڈر سے کہا ''صدر جانتے ہیں کہ یہ خونی معاملہ ہوگا''۔ ایک افسر نے صدارتی حکم کے اوصاف یوں بیان کئے۔ ''اندر جاؤ اور لوگوں کو بری طرح پیٹ ڈالو''۔ 2 اپریل 2004ء تک، گھات لگا کر حملہ کرنے سے اڑتالیس گھنٹے قبل آپریشن ویجیلنٹ ریزولو کے لیے تیز رفتار تیاری شروع کر دی گئی۔ میرین سارجنٹ میجر رینڈل کارٹر نے اپنے جوانوں کو اپنے مشن کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ ولولہ پیدا کرنے کے لیے اس نے کہا ''میرین دو ہی صورتوں میں متحرک ہوتے ہیں: آزادی حاصل کرنے کے لیے یا کسی کو قتل کرنے کے لیے۔ ہم آزادی حاصل نہیں کر رہے۔ ہم صرف فلوجہ کو کچلنے کے لئے یہاں موجود ہیں اور یہی ہم کرنے جا رہے ہیں''۔

اسی دوران شہر میں اہل فلوجہ بھی جنگ کی تیاری کر رہے تھے۔ بہت سوں کا خیال تھا کہ یہ جنگ ناگزیر تھی۔

شہر پر امریکہ کے بھرپور حملے سے قبل بریمر کے ڈپٹی جم اسٹیل جو عراقی افواج کا سینئر مشیر تھا کو امریکہ کی تربیت یافتہ عراقی افواج کی چھوٹی سی ٹیم اور چند دیگر لوگوں کے ساتھ خفیہ طور پر فلوجہ بھیجا گیا۔ ان لوگوں کو اسٹیل ''امریکی مشیر'' گردانتا تھا۔ جب پال وُلفووٹز نے اسٹیل کو عراق میں کام کرنے کے لئے تھپکی دی اس سے کچھ عرصہ قبل اسٹیل ایزون کا ایک ایگزیکٹیو تھا۔ شاید وہ امریکی انتظامیہ کو بہت پسند تھا۔ وسطی امریکہ میں ''امریکہ کی خراب جنگوں کے لئے وہ ایک طویل تاریخ رکھتا تھا۔ 1980ء کے وسط میں بطور میرین کرنل کے اسٹیل ایل سیلواڈور میں امریکہ کی بھڑکائی ہوئی جنگ میں ''باغی مخالف'' کلیدی اہلکار تھا۔ جہاں اس نے امریکی فوجی گروپ کو مربوط کیا اور ایل سیلواڈور کی فوج کی' جو FMLN گوریلوں سے لڑ رہی تھی' تربیت کی۔ 1980ء کے اواخر میں اسٹیل کو ایران۔ کونٹرا معاملے میں اس معاونت کی وضاحت کے لیے بلایا گیا جو اس نے اولیور نارتھ کو فراہم کی تھی۔ اولیور نارتھ نکاراگوا سے بذریعہ ایل سیلواڈور ائیر فورس بیس (Base) واقع ایلوپینگو خفیہ طریقے سے اسلحہ ایران منتقل کررہا تھا۔ اس نے پاناما کی پولیس کے ساتھ بھی اس وقت کام کیا جب 1990ء میں امریکہ نے مینول نوریگا کا تختہ اُلٹ دیا تھا۔

اسٹیل نے بالکل یہی کردار امریکہ کی تربیت یافتہ عراقی فوج کے ساتھ اس وقت ادا کیا جو قبضے کے ابتدائی دن تھے جو ایک مرکزی پروگرام تھا اور جسے بعض لوگ ''عراق کی سلوڈوریت'' کہتے تھے۔ پیٹر مارک نے نیویارک ٹائمز میگزین میں لکھا ''اس حکمت عملی کے مطابق امریکی سپاہی مستقل سلواڈور مشاورتی کردار کی طرف بڑھتے چلے جارہے ہیں'' اس عمل میں وہ مقامی افواج کی پشت پناہی کررہے ہیں کہ جیسے ایل سیلواڈور کی فوج تشدد سے نہیں شرماتی تھی' تم بھی نہ شرماؤ۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں کہ یہ نئی حکمت عملی اس پیرا ملٹری یونٹ میں بہت واضح ہے جہاں اسٹیل مرکزی مشیر ہو۔ سیلواڈور کے لڑائی جھگڑے میں مرکزی حصہ دار ہونے کے ناطے اسٹیل جانتا ہے کہ کس طرح غیر باغیانہ مہم کو منظم کیا جائے جسے مقامی افواج چلارہی ہوں۔

بلیک واٹر کے سانحے کے بعد 2004ء میں فلوجہ میں اسٹیل نے اپنا خفیہ مشن شروع کیا جس کا مقصد بلیک واٹر کے آدمیوں کی لاشوں کا حصول اور ''دشمن کی حالت کا اندازہ لگانا تھا''۔ اس مشن کے فوراً بعد اس نے وہ کیا جو اس کے خیال میں ہونا چاہئے تھا۔ اس نے کہا کہ ''فلوجہ میں ایک بھاری ہاتھ معنی رکھتا ہے'' یہی بات ہے جسے کچھ دوسرے لوگ سمجھ سکیں گے۔ جنوب کی جانب بھی (جہاں امریکہ نے بڑھتی ہوئی شیعہ بغاوت کا سامنا کیا)۔ ہمیں کمزور نہیں نظر آنا چاہئے۔ ورنہ اس

قسم کی چیز ہر جگہ پیش آسکتی ہے۔ ''مسجدوں کا شہر'' جلد ہی اپنے آپ کو محصور پائے گا جیسے کہ بریمر کے ''صاف کردو'' کے خواب ہیں۔ فلوجہ کو ان کی توجیہ مل گئی تھی۔ جبکہ امریکی کمانڈر اپنے دستوں کو حملے کے لئے تیار کر رہے تھے۔ واشنگٹن میں بلیک واٹر کا اسٹاک بڑھ رہا تھا اور ایرک پرنس کے آدمی جلد ہی اپنے آپ کو امریکی فوج کے خلاف دوسری بڑی مزاحمت کے درمیان پانے والے تھے۔ اس دفعہ یہ شیعوں کا مقدس شہر نجف ہوگا۔

✿

باب:8

عراق کا شہر "نجف"

ایک طرف امریکی میرین فلوجہ پر دھاوا بولنے کی تیاریاں کر رہے تھے تو دوسری طرف واشنگٹن ڈی سی میں ایرک پرنس کا اسٹاک ڈرامائی طور پر بڑھتا جا رہا تھا۔ چند ہی دنوں میں کیپٹل ہل میں پرنس اور دیگر بلیک واٹر کے ایگزیکٹیو کا چند انتہائی طاقتور اور با اثر قانون بنانے والے ری پبلکن کی طرف سے بطور مہمان خصوصی استقبال ہونے والا تھا۔ آدمی جو واقعی کانگریس کو چلاتے تھے۔ جہاں بلیک واٹر کو دہشت گردی کے خلاف جنگ میں بطور "خاموش حصہ دار" سلام کیا جاتا تھا۔ جب اس کا روزمرہ کی مصروفیات کا شیڈول بھرنے لگا تو، پرنس نے مرکز میں اپنے آپ کو اپنے کرائے کے فوجیوں کے ساتھ دوسرے بحرانوں کا سامنا کرتے ہوئے پایا۔ فلوجہ میں بلیک واٹر کے چار آدمیوں کی موت نے امریکی فوج کیلئے چنگاری کا کام کیا تھا۔

شیعوں کے مقدس شہر نجف میں امریکی فوجیں باقاعدہ لڑنے کے لئے تیار تھیں۔ یہاں ان کا سامنا شعلہ فشاں شیعہ رہنما مقتدیٰ الصدر کے سینکڑوں پیروکاروں سے تھا۔ جہاں بلیک واٹر کو امریکی قبضے کے اقتدار کے ہیڈکوارٹر کی حفاظت کا ٹھیکہ ملا تھا۔

31 مارچ کے فلوجہ حملے سے چند ہفتے قبل، بش انتظامیہ مقتدیٰ پر ایک بھرپور حملے کی تیاری کر رہی تھی جسے بریمر اور وائٹ ہاؤس اس وقت کے امریکی مرکزی ہدف برائے جون 2004ء یعنی نام نہاد "منتقلی اقتدار" کے لئے ایک رکاوٹ سمجھتے تھے۔ مقتدیٰ الصدر ایک شیعہ مذہبی لیڈر کا بیٹا تھا جسے صدام کی فوجوں نے قتل کر دیا تھا۔ مقتدیٰ مقبوضہ عراق میں مہدی فوج کے کمانڈر کے طور پر ابھرا تھا (امام مہدی۔ شیعوں کے مسیحا) اور شاید بہت زیادہ اثر و رسوخ رکھنے والا

اور امریکی قبضے کا مقبول مخالف۔ انتظامیہ اور بریمر یہ یقین رکھتے تھے کہ فلوجہ کے باغی سنیوں کی طرح صدر اور اس کی باغی شیعہ تحریک کو بھی روکنا ہوگا۔

اپریل 2004ء میں جب امریکہ نے عراق میں مرکزی شیعہ وسنی تحریکوں کے خلاف مختلف بغاوت مخالف جنگیں شروع کر دیں تو شاید بلیک واٹر قبضے کے ان انتہائی اہم لمحات میں فیصلہ کن رول ادا کر سکتی تھی۔ یہ وہ لمحات تھے جو جنگ کا دھارا نا قابل تبدیل حد تک بدل سکتے تھے اور یہ صورت حال اس وقت تک برقرار رہ سکتی تھی جب تک کہ امریکہ کے خلاف باغیانہ تحریک شروع نہ ہوتی۔

ایک طرف فلوجہ میں بلیک واٹر کی ہلاکتوں کو کئی دنوں تک بین الاقوامی خبروں میں سرخیوں میں جگہ ملتی رہی تھی اور اسے جنگ کی ایک تکلیف دہ تصویر کے طور پر یاد رکھا جا رہا تھا اور دوسری طرف پانچ دنوں بعد نجف میں شیعوں کی بیداری کے دوران بلیک واٹر کی فوجوں کے نمایاں کردار کو حاضر سروس سپاہیوں کے برعکس بالکل معمولی سا ہی محسوس کیا گیا۔ اس ضمنی واقعہ نے جس نے بلیک واٹر کے کرائے کے فوجیوں کو امریکہ کے فوجیوں کی کمان سنبھالنے پر آمادہ کیا تھا جنگ کو ڈرامائی طور پر طول دے دیا جس کا بش انتظامیہ نے غلط اندازہ لگایا تھا۔ فلوجہ میں گھات لگا کر حملہ ہونے والے کی طرح نجف میں بھی بلیک واٹر کی قسمت کی رہنمائی تاریخ کر رہی تھی۔

پال بریمر نے اپنے عراق میں قیام کے دوران کئی امریکی پالیسیوں کی صدارت کی جنہوں نے کئی امریکی قبضہ مخالف تحریکوں کی فوری ضرورت کو تیز کر دیا۔ اپریل 2004ء میں یہ سب باتیں خبروں کا حصہ بن گئیں۔ 1920ء میں برطانیہ کو شیعوں اور سنیوں دونوں کو اپنا دشمن بنانے میں تین سال لگ گئے تھے۔ یہ بات تجربہ کار برطانوی جنگی نامہ نگار رابرٹ فیسک نے فلوجہ سے لکھی۔ ''اور امریکی یہی مقصد ایک سال میں حاصل کر رہے ہیں''۔ اور واشنگٹن کی صدام کی بعث پارٹی پر پابندی اور مخالفت (De baathification) کے تحت عراقی افواج کی سبکدوشی اور ہزاروں افراد کی ملازمتوں سے سبکدوشی نے ہزاروں عراقی آدمیوں کو جو لڑنے کے قابل تھے بے روزگار کر کے امریکہ کے خلاف مزاحمت پر آمادہ کر لیا۔ عراقی دیکھ رہے تھے کہ غیر ملکی کمپنیاں ان کے ملک میں پھیل گئی ہیں اور ڈھیروں منافع کما رہی ہیں جبکہ عام عراقی گندگی میں رہ رہا ہے اور اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتا ہے۔

امریکہ کے جرائم سے متاثر ہونے والوں کے لئے دادرسی کی کوئی جگہ نہ تھی کیونکہ مقامی

طور پر ٹھیکیدار کسی بھی قانونی کاروائی سے مستثنیٰ تھے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں سزا سے بریت حاصل ہے۔ ایسے ہی وقت ملک میں انسانیت کی سخت ہولناک حالت' آئے دن لوگوں کے قتل اور عراقی شہریوں کا غائب ہو جانا ایسے حالات تھے جنھوں نے مذہبی رہنماؤں کے لیے تحفظ اور معاشرتی خدمات کے عوض لوگوں کی وفاداریاں حاصل کرنے کے تمام دروازے کھول دیئے۔ یہ عجیب وغریب حقیقت مقتدیٰ الصدر کے اس حد تک عروج جس میں اسے قومی مزاحمتی ہیرو کا درجہ مل گیا کے تناظر میں صاف دیکھی جا سکتی تھی۔ سخت ابتری، بدنظمی جس کے نتیجے میں ''صدمہ اور دُکھ ملتے ہیں مقتدیٰ ملک کے ان چند گنے چنے لوگوں میں سے تھا جو حقیقتاً انتہائی غربت اور مشکلات میں گھرے عراقیوں سے مخاطب تھا۔ اس نے اپنے زیر اثر حلقوں میں معاشرتی اداروں کا کافی بڑا جال بچھا دیا۔ اس میں صدر سٹی بغداد کا گندی گلیوں والا حصہ جس میں بیس لاکھ افراد بستے تھے اور جسے ایک زمانہ سے صدام حکومت نے نظر انداز کر رکھا تھا بھی شامل تھا۔ ایسے وقت جب بریمر کی صدام حسین کی بعث پارٹی پر پابندی سے وہاں کے عوام پر سرکاری اداروں میں نوکری پر پابندی معاشرتی اداروں اور تحفظات کو پرزے پرزے کر رہی تھی مقتدیٰ کا نیٹ ورک متبادل بنتا اور ہزاروں لوگوں کا دل جیتتا جا رہا تھا۔ نیویارک ٹائمز نے لکھا ''حملہ کے فوراً بعد مقتدیٰ صاحب نے سیاہ کپڑوں میں ملبوس پیروؤں کو بغداد کے گندی گلیوں والے علاقے میں گشت کرنے کے لئے پھیلا دیا تھا۔ ان کے آدمی روٹی، پانی اور مال لئے تقسیم کر رہے تھے۔ وہ لوگوں کو بہت زیادہ تحفظ بھی فراہم کر رہے تھے۔ مقتدیٰ صاحب نے خلا دیکھا اور اسے پُر کر دیا''۔ جب کہ دوسرے مذہبی اور سیاسی لیڈر امریکہ کے نئے تخلیق کردہ اداروں میں طاقت کے حصول کے لئے مقابلہ کر رہے تھے۔ مقتدیٰ نے امریکی حکومت کے تمام اجزاء ترکیبی اور مددگاروں کو رد کر دیا تھا۔ اگست 2003ء میں اس کی ملیشیا پانچ سو کے لگ بھگ ممبران پر مشتمل تھی لیکن اپریل 2004ء تک اس کی تعداد تقریباً دس ہزار ممبران تک پہنچ چکی تھی۔

مقتدیٰ کی بڑھتی ہوئی ساکھ اور مقبولیت، امریکی قبضے کے خلاف اس کی فصاحت آمیز شدید زبان کے ساتھ مشروط تھی۔ بریمر عنقریب اسے امریکی حکومت کی طرف سے دیئے گئے نام ''قانون کی حمایت سے محروم'' کا خطاب دینے والا تھا۔ امریکہ کی طرف سے جون 2004ء کی حتمی تاریخ مقرر کی گئی تھی جو تیزی سے قریب آتی جا رہی تھی۔ امریکہ کا خیال تھا کہ فلوجہ کے سنی جنگجوؤں کی طرح مقتدیٰ کو بھی روکنا ہوگا۔

واشنگٹن نئے عراق میں مقتدیٰ کو ایک بنیادی دشمن کے طور پر ایک عرصے سے دیکھ رہا تھا۔ اور اعلیٰ امریکی عہدیدار بشمول ڈپٹی وزیر دفاع پال وولفووٹز اور عراق میں سینیئر کمانڈر جنرل ریکارڈو سانشیز نے اسے غیر جانبدار بنانے کے لئے مہینوں پلان بنائے تھے۔ انجام کار وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ آدمی ایک مصیبت ہے اور اس پر قابو پانا چاہئے۔ ایک اعلیٰ امریکی عہدیدار نے واشنگٹن پوسٹ کو بتایا" لیکن کوئی واضح پلان نہیں تھا کہ یہ کام کیسے کیا جائے" یہ بات مارچ 2004 میں اس وقت بدل گئی جب بریمر نے پوری طرح مقتدیٰ اس کے اداروں اور پیروکاروں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اگر ایک طرف بریمر اور بش انتظامیہ منتقلی اقتدار کے لئے ایک بڑی پروپیگنڈا مہم میں مصروف تھے تو دوسری طرف مقتدیٰ پورے ملک میں امریکی قبضے اور اس کے اتحادیوں کے خلاف برسرِ پیکار تھا۔ اس نے امریکہ سے ملک سے نکل جانے کو کہہ دیا تھا اور اپنی مہدی فوج کو" قبضے کی دشمن" قرار دیا تھا۔ مقتدیٰ صرف ایک شیعہ مذہبی شخصیت ہی نہ تھا بلکہ وہ ایک عراقی قوم پرست بھی تھا جو عوام کی زبان بولتا تھا وہ اکثر اپنے خطبوں میں مقامی بول چال کے مصالحے کی چاشنی شامل کر دیتا اور اسے ثقافتی حوالوں سے سجا دیتا۔

واشنگٹن پوسٹ کے مطابق امریکہ کو بڑے عرصے سے یہ تشویش تھی کہ اگر اس نے مقتدیٰ پہ ہاتھ ڈالا تو وہ اس کی پہلے سے بڑھتی ہوئی مقبولیت کو اور ہوا دیدے گا اور ممکن ہے وہ اسے شہید ہی بنا ڈالے۔ مارچ میں پوسٹ نے کہا" بریمر کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا"۔ 28 مارچ کو امریکی دستوں نے مقتدیٰ الصدر کے ایک چھوٹے سے امریکی قبضہ مخالف ہفت روزہ اخبار الحافظہ (درس گاہ) کے بغداد آفس پر حملہ کر دیا۔ اخبار کے عملے کے افراد کو باہر نکال کر دفتر کے دروازے پر بڑا سا تالا ڈال دیا۔ ایک خط جو چھدری عربی میں تحریر تھا اور جس میں اصل سے بہت کم بیان کیا گیا تھا اور جس پہ CPA کی سرکاری مہر لگی ہوئی تھی۔ بریمر نے اخبار پہ الزام لگایا تھا کہ اس نے اس کے حکم نمبر 14 کی خلاف ورزی کی ہے۔ خط میں الزام تھا کہ الحافظہ کا ارادہ عام سلامتی کی حالت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور لوگوں کو تشدد پر اکسانا تھا۔ جبکہ امریکی عہدیدار کوئی ایسی مثال نہیں دے سکا جس سے پتہ چلتا ہو کہ اخبار عوام کو قابض فوجوں کے خلاف حملوں پر اُکسا رہا تھا۔ بریمر نے دو مثالیں پیش کیں جن کو وہ جھوٹی رپورٹنگ کے طور پر گردانتا تھا۔ انہی میں سے ایک مضمون تھا جس کی سرخی یہ تھی کہ" بریمر صدام کے نقش قدم پر چل رہا ہے"۔ مقتدیٰ کے خلاف مہم پورے زور شور سے چلائی جا رہی تھی جس کی پشت پناہی سینئر بش انتظامیہ کے اہلکار کر رہے تھے۔ بریمر کے

ترجمان ڈین سینور نے کہا "ہم آزادیٔ پریس پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم نے اسے بغیر کسی جانچ پڑتال کے چلنے دیا تو لوگ مر جائیں گے۔ اس قسم کی فصاحت اور شعلہ افشانی تشدد کی ترغیب دیتی ہے اور یہ ہم برداشت نہیں کریں گے۔ مقتدیٰ کے خلاف خود ہی منصف بن کر فیصلہ کرنا بریمر کا غلط اندازہ تھا۔ الحافظہ کا نام شیعوں کی ہزار سالہ پرانی درسگاہ کے نام پر رکھا گیا تھا وہ درس گاہ جس نے تاریخی طور پر بیرونی قابضین کے خلاف نفرت پیدا کر دی تھی اور بہت زیادہ قابل ذکر بات 1920ء میں برطانیہ کے خلاف نفرت تھی۔

نیوز ڈے کے تجربہ کار عراقی نامہ نگار محمد بازی نے لکھا "قریبی مہینوں میں الصدر اپنی مقبولیت کھوتا چلا جارہا تھا مگر جب 28 مارچ کو امریکی سپاہیوں نے بغداد میں الصدر کے ہفت روزہ اخبار کے دفتر کو یہ الزام لگاتے ہوئے کہ وہ تشدد کو ہوا دے رہا ہے بند کر دیا۔ تو اس طرح اس نوجوان مبلغ کو لوگوں کی نہ صرف ہمدردیاں حاصل ہوگئیں بلکہ ان کی مدد بھی اسے حاصل ہوگئی اور وہ اپنی قوت مجتمع کر کے امریکی قبضے کے خلاف شدید نقادی کی صورت میں ایک دفعہ پھر امریکہ کے لئے بڑا دشمن بن گیا۔ ہفت روزہ اخبار الحافظہ بند ہونے سے ہر طرف زبردست احتجاج اور مظاہرے شروع ہو گئے۔ یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ بریمر مقتدیٰ الصدر کو گرفتار کرنا چاہتا ہے۔ انجام کار یہ مظاہرے گرین زون کے دروازوں تک پہنچ گئے۔ جہاں مظاہرین زور شور سے نعرے لگا رہے تھے کہ "صرف لفظ مقتدہ کہو تو ہم 1920ء کا انقلاب شروع کر دیں گے"۔

مقتدیٰ پر امریکہ کے حملوں سے قبل ہی عراق کے باہر شیعہ اور سنیوں کے قومی طور پر ابھرنے کی گڑگڑاہٹ سنی جارہی تھی۔ بریمر کے ہفت روزہ اخبار الحافظہ کے بند کرنے سے دو دن قبل امریکی افواج نے فلوجہ کے پڑوس میں حملہ کر کے کم از کم پندرہ عراقیوں کو ہلاک کر دیا۔ اس واقعے سے بہت سے سنی غضب ناک ہو گئے۔ 31 مارچ کو بلیک واٹر کے چار آدمیوں کے فلوجہ میں گھات لگا کر مار دیئے جانے کے بعد ملک کا جنوبی حصہ ویسے ہی کنارے پر پہنچ گیا تھا جہاں ہزاروں شیعہ اور سنی گلیوں میں نکل آئے تھے۔ 2 اپریل کو جمعہ کی نماز کے دوران مقتدیٰ نے اعلان کیا "میں یہاں عراق میں حزب اللہ اور حماس کا مضبوط بازو ہوں" امریکی، فلوجہ پر قبضے کے لئے تیار تھے اور بریمر نے مقتدیٰ کے چوٹی کے نائب شیخ مصطفےٰ یعقوبی کو 3 اپریل 2004ء کو حراست میں لے لیا تھا۔ مقتدیٰ کے لئے یہ آخری جھٹکا تھا۔ اس نے اپنے پیروکاروں کو کہا کہ وہ کھلم کھلا اور شدت کے ساتھ قابضین کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

Rehan Ahmed http://www.rehanahmed.com

یعقوبی کی گرفتاری کے بعد صدر کے ہزاروں غضب ناک پیروکار بغداد سے بسوں میں سوار ہو کر اپنے لیڈر کے روحانی ہیڈ کوارٹر کوفہ' جو مقدس شہر نجف کے ساتھ واقع ہے' پہنچے۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ امریکی فوج نے اسے گرفتار کر کے وہیں رکھا ہوا ہے۔ راستے میں ان کا سامنا ایسے ہزاروں لوگوں سے ہوا جن کی وجہ سے سڑکیں بُری طرح بھری ہوئی تھیں اور یہ ہزار ہا آدمی جنگ کرنے کیلئے تیار تھے۔ مقتدیٰ کے نجف کے ترجمان فواد طرفی نے کہا" ہم نے تو جا گنے (بغاوت) کا وقت نہیں چنا تھا قابض فوج نے چنا تھا"۔ 4 اپریل، اتوار کے دن فجر کے فوراً بعد مہدی فوج نے علاقے میں موجود انتظامیہ کی عمارات پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ مقامی پولیس کمانڈروں اور دوسری سرکاری عمارت میں موجود سرکاری منتظمین نے فوراً اپنی حاکیت اور اقتدار ترک کر دیا۔ پھر غضب ناک بڑے ہجوم نے نجف میں موجود اپنے اصل ہدف یعنی قابضین کے ہیڈ کوارٹر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا جس کی حفاظت بلیک واٹر کے آدمی کر رہے تھے۔

4 اپریل 2004ء کی صبح جبکہ سورج شیعوں کے مقدس شہر نجف پہ طلوع ہو رہا تھا بلیک واٹر کے مٹھی بھر آدمی، اتحادیوں کے ضمنی ہیڈ کوارٹر کی چھت پہ کھڑے اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ اس وقت نجف میں اصل امریکی فوج کی تعداد بہت محدود تھی اس کی وجہ امریکہ کے شیعہ مذہبی رہنماؤں کے ساتھ مذاکرات تھے جن کا مطالبہ تھا امریکی فوجیں عراق سے نکل جائیں۔ بلیک واٹر عراق میں اپنے معاہدے کے ایک حصے کے تحت نہ صرف پال بریمر کی حفاظت کر رہی تھی بلکہ امریکی قبضے کے پانچ علاقائی ہیڈ کوارٹروں کی حفاظت بھی اس کے ذمے تھی۔ نجف کا ہیڈ کوارٹر بھی ان میں سے ایک تھا۔ باقی دنیا کی طرح نجف میں موجود بلیک واٹر کے گارڈ بھی فلوجہ میں کچھ دنوں پہلے ہونے والے اپنے ساتھیوں کے انجام سے پوری طرح واقف تھے۔ اب جبکہ پوری عراقی قوم قابضین کے خلاف بغاوت پر اُٹھ کھڑی ہوئی تھی، وہ مقتدیٰ الصدر کے غصے میں بھرے پیروکاروں کو کیمپ گولف کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ کیمپ گولف پہلے کوفہ یونیورسٹی کہلاتا تھا۔ اب اسے قابض فوج کے ہیڈ کوارٹر میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اس دن ہیڈ کوارٹر کی حفاظت پر معمور بلیک واٹر کے آدمیوں کی تعداد صرف آٹھ تھی جن کے ساتھ ایل سیلواڈور کے مٹھی بھر دستے تھے اور خوش قسمتی سے امریکی فوج کے کچھ میرین بھی وہاں موجود تھے۔

امریکی میرین کاپل لونی ینگ عراق میں جنوری 2004ء سے تعینات تھا۔ اس پچیس سالہ جوان کا تعلق ڈرائی رج کینٹکی سے تھا۔ جس کی آبادی صرف دو ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ وہ

عراق میں بحیثیت دفاعی پیغام رسانی کے نظام سے منتظم کے طور پر تعینات تھا۔ 4 اپریل کی صبح وہ نجف میں واقع گولف کیمپ میں مواصلاتی آلات کی تنصیب میں مصروف تھا۔ اس نے میرین کور کے سرکاری روزنامچے میں لکھا کہ "جب میں سامنے کے گیٹ میں داخل ہوا تو میں نے احتجاج کرنے والوں کے ایک چھوٹے سے ٹولے کو دیکھا جو گلیوں میں نکل کر احتجاج کر رہے تھے۔ بیس کی طرف بڑھتے ہوئے ہم نے بہت سے اتحادی سپاہیوں کو سامنے کے گیٹ کے قریب مجمعے کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا"۔ نیگ اور اس کے ساتھی قابضین کے مقامی کمانڈر جو ایک ہسپانوی سرکاری آدمی تھا' سے ملے اور پھر عمارت کی چھت پر مواصلاتی آلات کی تنصیب کے لئے چلے گئے پچیس منٹ بعد نیگ اپنا کام ختم کر چکا تھا۔

باوجود یہ کہ کیمپ پر احتجاج کی شروعات ہو چکی تھیں نیگ نے سوچا کہ کیوں نہ وہ اپنے کیمپ کے پچھلے حصے میں دس منٹ کی فوری نیند لے لے۔ کیونکہ کھانے میں ابھی بیس منٹ باقی تھے"۔ لیکن منٹ بعد ہی نیگ کے ساتھی نے اسے جگا دیا اور بتایا کہ وہ آلات صحیح طور پر کام نہیں کر رہے ہیں۔ "میں نے اسے کہا کہ میں ابھی مدد کے لئے آتا ہوں" نیگ نے بتایا "میں نے کپڑے تبدیل کئے۔ اپنا اسلحہ سنبھالا اور ابھی ٹرک سے نکلنے ہی والا تھا کہ مجھے بلاشبہ AK-47 رائفل کی گولیوں کی آواز بیس کے سامنے گلی میں سنائی دی۔ نیگ کا کہنا تھا کہ اس نے فوراً اپنا سامان لیا اور CPA کی عمارت کی طرف چل دیا اور انجام کار چھت پر پہنچ کر بلیک واٹر کے آٹھ کرائے کے فوجیوں اور ایل سیلواڈور کے دستوں میں شامل ہو گیا۔ نیگ نے چھت پر ایک جگہ پوزیشن سنبھال لی اور اپنا بھاری M249 اسکواڈ خودکار ہتھیار تیار کر لیا۔ اس نے اپنی بندوق پر لگے ہوئے ٹیلی اسکوپ سے مجمعے کی طرف نیچے دیکھا اور احکامات کا انتظار کرنے لگا۔ "ایسا لگتا تھا کہ جیسے یہ ہمیشہ ہوتا رہے گا حالانکہ شاید صرف چند سیکنڈ کی بات تھی۔ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک ٹرک سے اتر کر بھاگ رہے ہیں"۔ نیگ نے یاد کیا۔ ایک عراقی نے اوندھا لیٹ کر ہماری طرف چند راؤنڈ (گولیاں) چلائے۔ میں چلانے لگا کہ ایک عراقی میری نظر میں ہے اور میں پوچھنے لگا کہ کیا میں اس کا نشانہ لے لوں۔ مگر امریکی فوج کی طرف سے اس وقت کوئی کمانڈنگ افسر دستیاب نہیں تھا۔ اس کے بجائے کاپل لونی نیگ حاضر سروس ریاست ہائے متحدہ امریکہ میرین کور اس دن امریکہ کی بلیک واٹر کے کرائے کے سپاہیوں سے احکامات لے رہا تھا۔

"سر آپ کی اجازت سے، میں نے نشانہ لے لیا ہے"۔ نیگ نے اپنے آپ کو چیختے

ہوئے یاد کیا۔" آخر کار بلیک واٹر کے لوگوں نے فائرنگ شروع کرنے کے احکامات صادر کر دیئے"۔ نیگ نے کہا تب "میں نے اپنے نشانے پر نظریں جمائیں اور بندوق کا گھوڑا دبا دیا"۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ایک آدمی "جس کا میں نے نشانہ لیا نے سفید چغہ پہن رکھا ہے اور وہ اپنے دائیں ہاتھ میں AK-47 رائفل لئے ہوئے ہے۔ جب میں نے 5.56 ایم ایم کا مختصر برسٹ مارا تو وہ آدمی جتنا تیز دوڑ سکتا تھا دوڑتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے فٹ پاتھ پر گرتے ہوئے دیکھا۔ میں ایک لمحے کے لئے رکا، بندوق سے اپنا سر اٹھایا تاکہ گلی میں ساکت پڑے ہوئے شخص کو دیکھ سکوں"۔

"مجھے ایک پراسرار سا احساس ڈھانپ رہا تھا۔ مجھ پر کئی قسم کے جذبات پیدا ہو رہے تھے۔ ایک احساس مقصد کا، ایک خوشی کا اور ایک افسوس کا۔ میں ان بہت سے احساسات سے گھر گیا تھا"۔

نیگ اور بلیک واٹر کا کہنا تھا کہ اس دن گولی چلانے کی ابتداء عراقیوں کی طرف سے ہوئی۔ جبکہ جائے واردات پر صحافیوں کی طرف سے انٹرویو کیے گئے گواہوں کا کہنا تھا کہ بات بالکل برعکس تھی نیگ کا کہنا تھا کہ جنگ اس وقت شروع ہوئی جب قابضین کے ہیڈ کوارٹر کی حفاظت پر معمور فوج نے احتجاجیوں کے جمع ہونے پر تنبیہی فائر کیے۔ واشنگٹن پوسٹ کے نامہ نگار انتھونی شدید نے لکھا "اژدھام ابھی تک ہماری طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا اور خطرے کے اسی احساس کے تحت چھت پر موجود فوج نے مجمعے کو منتشر کرنے کے لئے تنبیہی راؤنڈ فائر کر دیئے جس نے مجمعے کو منتشر کرنے کے بجائے غضب ناک کر دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد انہوں نے حقیقی فائرنگ شروع کر دی ہو۔ مجمعے میں موجود مسلح افراد نے فائرنگ کا جواب چھوٹے اسلحے، راکٹ سے چلنے والے گرنیڈوں، مارٹروں سے دیا"۔ اس دن وہاں موجود مجمعے کی تعداد سات سو سے لے کر دو ہزار تک تھی۔

اس بات سے قطع نظر کہ فائرنگ کیسے شروع ہوئی۔ ایک دفعہ جب شوٹنگ شروع ہو گئی تو بلیک واٹر کے آدمی، سلواڈور کے آدمی اور کارپورل نیگ ہزاروں راؤنڈ اور سینکڑوں 40 ایم ایم کے گرنیڈ مجمعے پر پھینک چکے تھے۔ انہوں نے اتنے راؤنڈ فائر کیے کہ ان میں سے کچھ کو ہر پندرہ منٹ بعد رکنا پڑتا تھا تا کہ ان کی بندوقوں کی نالیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ مقتدیٰ کے آدمیوں نے راکٹوں سے چلنے والے گرنیڈوں اور AK-47 سے جواب دیا۔ ایک موقع پر، گواہ نے ایک گاڑی دیکھی

Rehan Ahmed
http://www.rehanahmed.com

جو سلواڈور کے چار سپاہیوں کو لے جا رہی تھی۔ اسے باہر گیٹ پر پکڑ لیا گیا۔ مظاہرین خوفزدہ قابضین پر چھا گئے۔ انہوں نے ایک قیدی کو پکڑ کر اس کا منہ کھول کر اس میں گرنیڈ ڈال کر اس کی پن کھینچ لی۔ دو دوسرے سپاہیوں کے چہرے حالیہ پٹائی سے زخمی ہو گئے اور مسلح افراد انہیں مسجد میں لے گئے تھے۔

لڑائی کے وسط میں چند حاضر سروس ملٹری پولیس افسر چھت پر موجود فوج جسے بلیک واٹر ہدایات دے رہی تھی سے جا ملے۔ یہ جنگ جو تقریباً چار گھنٹے جاری رہی ایک بلیک واٹر کے ٹھیکیدار نے اس ایکشن کی ویڈیو بنانی شروع کر دی۔ اس ویڈیو ٹیپ نے انٹرنیٹ پر جا کر ساری دنیا میں دیکھا جانا تھا۔ یہ ویڈیو 4 اپریل 2004ء کے واقعات کی ایک اہم تاریخی دستاویز ثابت ہوئی تھی۔

ہوم ویڈیو کا آغاز کانوں کے پردے پھاڑنے والی بندوقوں کی گھن گرج سے ہوتا ہے۔ بلیک واٹر کے آدمی، کارپورل نیگ اور دوسرے دو سپاہی کیموفلاج وردیوں میں ملبوس راؤنڈ پر راؤنڈ فائر کر رہے ہیں۔

''دوست تم بہت اوپر نشانہ لے رہے ہو'' بلیک واٹر کا آدمی سپاہیوں پر چلاتا ہے۔

''تم نے ایک شخص کو زمین پر پڑے ہوئے دیکھا؟'' آواز چلاتی ہے''

RPG ''کہاں''؟

''ٹرک کے بالکل سامنے، دیوار کے بالکل سامنے!''

بوم بوم، تڑ تڑ تڑ تڑ۔ دھماکہ خیز گولے کے پھٹنے کی آواز تیس سیکنڈ تک آتی رہتی ہے۔

''کچھ اور اسلحہ ہے؟'' کوئی چلا کر پوچھتا ہے۔ تب ''ٹرک خالی ہو گیا ہے، ٹرک خالی ہو گیا ہے''

آدمی نیچے کے حالات کا اندازہ لگاتے ہیں اور فائرنگ بند ہو جاتی ہے۔

''رک جاؤ تمہارے پاس کیا ہے، جو کچھ تمہارے پاس ہے اسے لے کے رک جاؤ''

ایک اور آواز حکم دیتی ہے۔

''بس اپنے علاقے کا جائزہ لو۔ اپنے علاقے کا جائزہ لو''

"کس کو اسلحے کی ضرورت ہے؟"

"ہمارے پاس میگزین ہیں۔ یہاں ہمارے پاس میگزین ہیں۔

"کیا مصیبت ہے جیشیو"، آدمی دوبارہ اپنا اسلحہ لوڈ کرنا شروع کر رہے ہوتے ہیں تو آواز کہتی ہے" پھر کیمرہ اس شخص کو دکھاتا ہے جو کیمرہ مین دکھائی دے رہا ہوتا ہے۔ ایک چھوٹی سی داڑھی والا بلیک واٹر کا ٹھیکیدار جس نے دھوپ کا چشمہ لگایا ہوا ہوتا ہے۔ وہ کیمرے میں دیکھتا ہے اور مسکراتا ہے۔ جب کیمرہ دوبارہ ایکشن کی تصویر کشی شروع کرتا ہے تو وہ ہنستے ہوئے کہتا ہے۔

"کیا بکواس ہے؟" پھر کیمرہ ایک آدمی کی طرف گھوم جاتا ہے جو امریکی سپاہی دکھائی دیتا ہے اور کیمرہ مین اس سے اس کے ہتھیار کے بارے میں پوچھتا ہے۔ "کیوں دوست کیا یہ چیز بہت گرم ہے؟

"میں نے یہ سارا وقت تازیانہ دینے والی میرین کور میں گزارا ہے۔ کبھی کوئی ہتھیار نہیں چلایا"۔ سپاہی جواب دیتا ہے۔ دوسری آواز چلاتی ہے۔ "اپنے نشانہ پہ نظر رکھو!"

آدمی جو سلواڈور کے دستے دکھائی دیتے ہیں وہ بھی چھت پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ٹی شرٹ اور بیس بال کیپ پہنے ہوئے بلیک واٹر کا ایک ٹھیکیدار بظاہر سلواڈور کے ایک سپاہی کو ہدایات دیتا ہے کہ کیسے بھاری ہتھیار سے پوزیشن لینی چاہیے مضبوطی سے پکڑو مضبوطی سے پکڑو مضبوطی سے پکڑو ایک دوسرا چھوٹی داڑھی والا جس کے پاس مشین گن ہوتی ہے۔ اس آدمی نے بھی ٹی شرٹ، بلٹ پروف بنیان اور ایک بیس بال کیپ پہنی ہوتی ہے۔

"ارے کیا تمام جلنے بجھنے والے یہاں موجود ہیں؟" دوسری آواز کہتی ہے۔

"ہاں مہدی کے چہیتے۔"

اس کے ساتھ ہی جیسے ہی آدمی چھت پر سے استعمال شدہ پٹے اتارتے

ہیں۔ زبردست فائرنگ شروع ہو جاتی ہے۔ مشین گن کی فائرنگ کے ساتھ ہی بڑے ہتھیاروں کے ساتھ ہی بوم بوم کی آوازیں آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ ''ارے، کچھ ملے!'' جیسے ہی کانوں کے پردے پھاڑنے والی آواز نجف کی طرف آتی ہے کوئی چلاتا ہے۔ بلیک واٹر کا ایک آدمی چھت پر سے فائرنگ کرنے والے کیموفلاج سپاہیوں کو ہدایات دے رہا ہوتا ہے۔

جنگ کے تیز ہونے پر عراقی شب خون مارنے والوں نے قابضین کے ہیڈ کوارٹر کی حفاظت کرنے والے کل تین افراد کو گولیوں کا نشانہ بنایا تھا۔ نیگ کے مطابق بلیک واٹر کا آدمی گولی کا شکار ہوا تو خون اس کے چہرے سے اس طرح پھوٹ نکلا کہ پانچ فٹ دور تک اس کی دھار گر رہی تھی۔ کارپول نیگ کو یاد آیا کہ ''میں اس کے جبڑے میں ایک چونی کے برابر سوراخ دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت وہ اپنا تقریباً ایک پوائنٹ خون ضائع کر چکا تھا۔'' ''میں نے زخم دبا کر خون روکنے کی کوشش کی لیکن خون میری انگلیوں کے درمیان فوارہ چھوڑ رہا تھا۔'' نیگ نے کہا کہ وہ زخم تک پہنچا اور آدمی کی Carotid Artery بند کر دی۔ چھت پر واپس جانے سے قبل اس نے اسے اُٹھایا اور بلیک واٹر کے طبی امداد کے شعبے کی طرف لے گیا۔ اس دن کی لی گئی تصویر سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھت پر نیگ اپنی SAW کو مجمعے کی طرف کر رہا ہے اس کی پشت پر ہتھیاروں سے پوری طرح مسلح دھوپ کے چشمے لگائے ہوئے بلیک واٹر کے افراد اس کی پشت اور اطراف میں کھڑے ہوئے ہیں۔ نیگ نے کہا ''میں نے گلیوں کی طرف بوجھل آنکھوں سے دیکھا، صرف یہ دیکھنے کے لئے سینکڑوں مردہ عراقی زمین پر گرے ہوئے ہیں۔ یہ ایک ناقابل یقین نظارہ تھا۔ اگرچہ وہاں بہت سے مردہ پڑے ہوئے تھے لیکن عراقی ابھی تک سامنے والے گیٹ کی طرف دوڑ رہے تھے۔ میں نے ایک دفعہ پھر فائر کھول دیا۔ میں میگزین پہ میگزین خالی کرتا چلا جا رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ سیاہ و سفید لبادوں میں ملبوس زمین پر گرتے چلے جا رہے ہیں۔ اس وقت میں صرف یہی سوچ سکتا تھا کہ یا تو مجھے مارنا ہو گا یا پھر مارا جاؤں گا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے ہم زمین کھو رہے تھے۔ بہت سے احساس تھے کہ ہاں ہم کھو رہے تھے۔ مگر اس احساس نے مجھے اور زیادہ سختی سے لڑنے پر اُکسائے رکھا۔

بلیک واٹر نے بعد میں بتایا کہ دوران جنگ اس کے آدمیوں نے امریکی ملٹری

کمانڈروں سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے۔ بلیک واٹر کے ایک سینئر عہدیدار، پیٹرک ٹوہے نے نیویارک ٹائمز کو بتایا کہ ایک وقت مجمع کمپاؤنڈ میں تیزی سے حرکت کر رہا تھا اور بلیک واٹر کے آدمیوں کے پاس صرف تھوڑا سا اسلحہ رہ گیا تھا۔ ہر آدمی کے پاس صرف دس سے کم راؤنڈ تھے۔ محاصرے میں گھرے ہوئے آدمیوں نے آخرکار بغداد میں واقع بلیک واٹر کے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کیا۔ کچھ ہی لمحوں میں پال بریمر کے اسٹاف نے بلیک واٹر کو کمپنی کے تین ہیلی کاپٹر جو "گدھے کے بندر"، کے نام سے جانے جاتے تھے بھیجنے کا اشارہ دے دیا۔ یہ بریمر کی سیکیورٹی کے لئے زیادہ اسلحہ پہنچانے کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ ہیلی کاپٹر کے عملے نے کارپورل نیگ کو بھی زخمی ہونے کے بعد بچا لیا تھا۔ "ہم باہر بھاگے اور بلیک واٹر کے تین ہیلی کاپٹروں کو وہاں موجود پایا" نیگ نے یاد کیا۔ میں دور کھڑے ہوئے ہیلی کاپٹر تک بھاگ کر اس کے اندر سامنے والی مسافر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جب ہم نے زمین سے ٹیک آف کیا اس وقت میں بہت نروس ہو رہا تھا۔ اس وقت میرے پاس کوئی بکتر بند نہ تھی نہ ہی کوئی ہتھیار۔ میں نے بیس کے چاروں طرف دیکھا کہ ہر کوئی اپنا اسلحہ استعمال کر رہا تھا۔ میں وہاں بیٹھا ہوا اپنے آپ کو تقریباً بے بس محسوس کر رہا تھا۔ آخرکار بلیک واٹر ہیلی کاپٹر میرین کو محفوظ مقام تک لے آیا۔ "بریمر کے لئے یہ بات مناسب تھی کہ وہ باہر گئے اور کچھ امریکی جانوں کو بچا لیا" ٹوہے نے کہا۔ نجف میں CPA کے چھت پر فلمائی گئی دوسری ویڈیو میں بلیک واٹر کے ہیلی کاپٹروں کو (Supplies) گراتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ پھر ویڈیو بلیک واٹر کے ٹھیکیدار کو بڑا کر کے دکھاتی ہے جو ایک بڑے شب خون مارنے والے ہتھیار سے نشانہ لے رہا ہے۔ "وہ عمارت میں داخل ہو گیا" کیمرہ سے دور ایک شخص کہتا ہے۔ "دیوار پر موجود آدمی دوڑ رہا ہے؟" نشانچی پوچھتا ہے۔ کیمرہ سے دور شخص کے "ہاں" کہنے سے پہلے نشانچی سکون سے بندوق کا گھوڑا دبا دیتا ہے۔ تین گولیاں نکلتے ہی وہ دوبارہ اپنی بندوق لوڈ کر لیتا ہے۔

"ہمیں تین کا ایک گروپ ملا ہے"۔ اب وہ سب دوڑ رہے ہیں۔" کیمرہ سے دور شخص کہتا ہے۔" واہ ہمیں بہت سے ملے ہیں۔ سفید کپڑوں میں ملبوس شخص کو دیکھو۔ وہ بہت تیز جا رہا ہے۔ اب وہ ہمارے پیچھے پڑے ہیں۔ نشانچی اپنی ٹیلی اسکوپ درست کرتا ہے۔" ہمیں ایک بڑا گروپ آتے ہوئے ملا ہے۔ وہ دیوار کی طرف سکڑ رہے ہیں وہ سکون سے اعلان کرتا ہے۔ مزید تین گولیاں چلتی ہیں" واہ تمہیں ان کا پورا گروپ مل گیا ہے"۔ کیمرہ سے دور شخص

کہتا ہے۔ وہ لوگوں کو ڈھونڈنے کا کام کر رہا ہے۔

ایک اور گولی:

''ہمیں دن کے بارہ بجے 800 میٹر کی دوری پر بُرے لوگوں کا ایک گروپ ملا ہے۔ ہم نے ان میں سے تقریباً پندرہ کو بھاگتے ہوئے دیکھا ہے۔'' کیمرہ سے دور شخص وا کی ٹا کی میں کہتا ہے نشاندہی کرنے والے سے ''برے لوگوں'' کا محل وقوع پوچھا جاتا ہے۔ پوچھنے والے کی آواز دوسری طرف سے آ رہی ہوتی ہے۔ مجمع کے لوگ فائرنگ کرتے رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ غیر ضروری تھا۔ میرا جواب نفی میں ہے'' وہ سب کو صاف کر دیتا ہے''۔

کچھ ہی دیر بعد نشانچی بتاتا ہے کہ امریکی فوج جنگ میں شامل ہو گئی ہے۔ مشترکہ براہ راست محلہ کا گولہ بارود گر کر جسے JDAM کا نام دیا گیا۔ ایک GPS سے کنٹرول ہونے والا ہوا سے زمین پر مار کرنے والا بعض دفعہ اسے قرب و جوار میں اسمارٹ بم کے طور پر جانا جاتا ہے۔ نشانچی اپنے ساتھی سے پوچھتا ہے۔''JDAM کس نے گرایا تھا؟''

''میرین نے۔''

''ہاں'' نشانچی کہتا ہے۔ ہم صحیح سمت میں اُڑ رہے تھے جب JDAM حملہ کر رہا تھا۔ نشانچی کے حوالے'' ہم اُڑ رہے تھے جب JDAM حملہ کر رہا تھا'' اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اسلحہ کے علاوہ بلیک واٹر نے اپنے اور کچھ آدمی جنگ کے دوران نجف میں اتار دیئے تھے۔

''ایک اور کار'' آ رہی ہے۔ نیلی مرسیڈیز'' نشانچی فائر کرتے ہوئے کہتا ہے'' اچھا میں کار کے سامنے سے فائر کرتا ہوں۔ ایک اور فائر ہوتا ہے۔ پھر وڈیو فائرنگ کی آوازیں سنا کر دوبارہ نشانچی پر آ جاتی ہے۔'' وہ ہرے جھنڈے والا آدمی؟'' وہ پوچھتا ہے'' ہاں۔ وہی ہے'' اس کا ساتھی جواب دیتا ہے ایک فائر ہوتا ہے۔'' وہ مہدی کی فوج ہے۔ ہرا جھنڈا مہدی کی فوج کا ہے۔ ان کا کسی طور بھی صفایا ہونا چاہیے''۔ تین مزید گولیاں چلتی ہیں۔'' ٹھیک ہے۔ تم وہ سڑک دیکھ رہے ہو جو اس طرح سیدھی جاتی ہے؟ وہ سڑک وہی ہے؟ نشاندہی کرنے والا پوچھتا ہے۔

''ہاں''۔

اس کا پیچھا کرو۔ بالکل سیدھا۔ تقریباً 800 میٹر'' وہ نشانچی کو ہدایت دیتا ہے۔ نشانچی بندوق لوڈ کرتا ہے تو اس کا ساتھی کہتا ہے۔'' ارے یہ کیا۔ دیکھو ان تمام بدمعاشوں کو'' پھر نشانچی سے مخاطب ہوتا ہے'' ٹھیک ہے۔ انہیں تمہارے حوالے کیا۔ نشانچی لوگوں کو ڈھیر کرنے لگ جاتا

ہے۔ ”تم لوگ تو مارنے پر تلے ہوئے ہو۔ نشاندہی کرنے والا کہتا ہے۔ تین اور فائر ہوتے ہیں۔ جونہی وہ گولی چلاتا ہے نشانچی کہتا ہے ” خدا کی پناہ! یہ تو ناچتی ہوئی قمری مارنے جیسا ہوتا ہے۔ دو اور گولیاں چلتی ہیں۔ وہ جگہ سنبھال رہے ہیں نشاندہی کرنے والا کہتا ہے۔ ایک اور گولی چلتی ہے۔ تب بلیک واٹر کے آدمی بتاتے ہیں کہ وہ جوابی فائر وصول کر رہے ہیں اور اپنی فائرنگ کی جگہ تیزی سے حرکت شروع کر دیتے ہیں۔ پھر ویڈیو میں زبردست فائرنگ کی آواز سنائی دیتی ہے ” بھون دو اس بدمعاش کو جب وہ کونے کے پاس آئے! اسے ابھی مار دو! کوئی زور سے چلاتا ہے۔ تڑ۔ تڑ۔ تڑ۔ تڑ۔

بلیک واٹر کا ٹھیکیدار بن تھامس۔ وہ آدمی ہے جس نے ایک عراقی کو غیر منظور شدہ اسلحے مرکب دھات ” کی گولیاں مار کر ستمبر 2003ء میں ہلاک کر دیا تھا۔ کہا اس دن وہ نجف میں چھت پر تھا۔

نجف کی فائرنگ سے عراقی لوگوں کو ہلاک کرنے کے دو سال بعد جب وہ اپنے گھر میں نجف میں بنی وڈیو دیکھ رہا تھا جو انٹرنیٹ پر اچھی طرح گردش کر چکی تھیں تھامس نے اس دن بلیک واٹر کی فوج کے کردار پر تنقید کرنے والوں پر زبان کے کوڑے برسائے۔ ” آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ 8 ٹیم ممبران کے ساتھ شانہ بشانہ رہنا کیا معنی رکھتا ہے جبکہ مہدی فوج کے 1200 آدمیوں نے 300 میٹر کے فاصلے سے تار پر تین اطراف سے حملہ کیا؟ اور پھر میری ٹیم کے ممبران پر تنقید کرتے ہیں وہ بھی ایک چھوٹی سی ویڈیو پر۔ ٹامس نے پرائیویٹ ملٹری کنٹریکٹر ویب فورم جس پہ وہ باقاعدگی سے لکھتا رہتا ہے لکھا۔ ” میری ٹیم کے سات ساتھی اور ایل سلواڈور کے ایس ایف روڈا جو ہمارے ساتھ لڑے صرف وہی لوگ ہیں جنھوں نے دیکھا کہ کیا ہوا۔ جنگ تاریخ ہے اور اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ نجف بھی تاریخ کی ایک چھوٹی سی جنگ ہے لیکن ہمارے لئے یہ بہت سے قتل اور مرنے کی جگہ تھی۔

یہ کوئی ہلکے سے عشائیے کا موضوع نہیں ہے۔ اور جہاں تک ویڈیو ٹیپ پر ایک آدمی کے لفظ ” حبشی “ کے استعمال کو سننے کا تعلق ہے ” تھامس نے لکھا: ” میری ٹیم کا ساتھی جو کبھی کسی لڑائی میں براہ راست شریک نہیں ہوا اور جو کبھی کبھار ہی قسم کھاتا ہے۔ نسلی ادغام کی بات کر سکتا ہے۔ یہ اس کا کردار نہیں۔ یہ وہ آدمی ہے جس نے دشمن کے صرف 17 آدمی مارے ہیں جو ہمارے دفتر سے صرف 70 میٹر دور تھے۔ جب میرا دوست اس قتل کرنے سے رُک گیا، تنہا اور براہ راست

گولیوں کی زد میں تھا تو بدترین لفظ جو اس کا ذہن ان مردہ دشمن کے لئے جو صحیح ترین لفظ نکال سکتا تھا وہ ''حبشی'' تھا۔ جب اس نے ویڈیو دیکھی وہ رو پڑا۔ وہ نسلی عصبیت رکھنے والا نہیں ہے۔ آپ جو سنتے ہیں وہ ایک آدمی ہے جو خوفزدہ بھی ہے اور فتحیاب بھی۔ مگر یہ آپ کو ویڈیو میں نظر نہیں آتا۔

انجام کار امریکی خصوصی افواج نجف کے اندر داخل ہو گئیں اور مجمع چھٹ گیا۔ جنگ کے اختتام پر عراقیوں کی ان گنت، تعداد گلیوں میں مردہ پڑی تھی۔ کارپورل نیگ کے مطابق ان کی تعداد سینکڑوں میں تھی۔ دیگر اندازوں کے مطابق ان کی تعداد بیس تا تیس تھی جبکہ دوسو زخمی ہوئے تھے۔ کیونکہ بلیک واٹر عمارت کی حفاظت کر رہی تھی اور اپنے دفاع کو مربوط کر رہی تھی اس لئے کوئی باضابطہ ملٹری رپورٹیں موجود نہیں ہیں جن سے پتہ چل سکے کہ واقعہ کس طرح شروع ہوا۔ بلیک واٹر تسلیم کرتی ہے کہ اس کے آدمیوں نے مجمع پر ہزاروں راؤنڈ فائر کیئے۔ لیکن نائب صدر پیٹرک ٹوہے نے نیویارک ٹائمز کو بتایا کہ ''اس کے آدمی لڑے اور ہر مقابلہ کرنے والے پر بالکل ٹھیک فائر کیا۔'' پھر ٹائمز کے مطابق: ٹوہے نے کہا کہ ''اس کے آدمی لڑائی میں بالکل شریک نہیں ہوئے''۔ ہم ایک سلامتی کے مشن پر عمل پیرا تھے''۔ اس نے کہا۔

اس نے آخر کار کہا کہ ''سب کچھ دھندلا رہا ہے''۔ ایک ہوم ویڈیو کے آخر میں جو نجف کی جنگ پر مبنی تھی میں عراقیوں کو ایک ٹرک کے پچھلی طرف سوار دکھایا گیا ہے ان کے سروں پر چھجے ہیں اور ان کے ہاتھ پلاسٹک کی ہتھکڑیوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی اپنے ماتھے کو غصے سے دبائے ہوئے اپنے چھجے کے پیچھے روتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔

ویڈیو اور کارپورل نیگ کی اس دن کی یادداشتوں سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بلیک واٹر آپریشن کر رہی تھی حتیٰ کہ ایک حاضر سروس امریکی میرین کو احکامات دے رہی کہ کب فائر کھولا جائے۔ ''جب آپ پر نیچے سے گولیاں برسائی جا رہی ہوں تو ہر کوئی اکٹھا ہو کر وہی کچھ کرتا ہے جو اسے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بات اسے بلیک واٹر کے ایک کرس ٹیلر نے کہی۔ اس نے کارپول نیگ کی یہ سننے کے بعد اس کی تعریف کی کہ کس طرح اس میرین نے چھت پر موجود بلیک واٹر کے ٹھیکیداروں کو اسلحہ فراہم کیا۔ ''اسے اپنے کیئے پر فخر ہونا چاہئے''۔ ٹیلر نے کہا۔ عصر تک عراق میں موجود اعلیٰ امریکی کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل ریکارڈو شان شیز اور اس کے ڈپٹی بریگیڈیئر جنرل مارک کمٹ جائے وقوعہ پر پہنچ گئے تھے۔ بعد ازاں جب کمٹ نے جنگ کے بارے میں گفتگو کی۔ اس نے نام لے کر بلیک واٹر کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ اس کے آدمیوں نے جو

آپریشن سرانجام دیا تھا اس کی تعریف کی۔ ''مجھے معلوم ہے کہ ان نجف میں پرسوں چھت پر۔ امریکی اور اتحادی سپاہیوں کے ساتھ جو ابھی تقریباً ساڑھے تین گھنٹوں تک جنگ سے فارغ ہوئے تھے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا وہاں کوئی بحران نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ وہ یہاں کس لئے موجود ہیں''۔ کمٹ نے کہا'' انہوں نے اپنے تین زخمی ساتھی کھو دیئے ہیں۔ ہم وہاں گولیوں کے خولوں گولیوں کے ڈبوں اور اگر صاف بات کہوں تو اپنے کامریڈوں کا خون۔ اور وہ بالکل پر اعتماد تھے۔ وہ تین وجوہات کی بنا پر پر اعتماد تھے: پہلی بات یہ کہ وہ پوری طرح بڑے پیمانے پر تربیت یافتہ تھے۔ دوسری بات یہ کہ وہ جو کچھ کر رہے تھے اس میں وہ بہت طاق تھے۔ تیسری بات یہ کہ وہ جانتے ہیں کہ وہ کیوں وہاں پر موجود تھے۔ بلیک واٹر کے ٹوہے نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ نجی فوج کے ٹھیکیداروں کے بڑھتے ہوئے استعمال پر زور دیا اور بات کو ختم کرتے ہوئے کہا'' یہ ملٹری کے معاملات میں بالکل نئی بات ہے۔ اس کے بارے میں سوچیں۔ آپ دراصل سویلین کو ٹھیکے پر لیتے ہیں کہ وہ فوجی طرز کے فرائض انجام دیں۔ عراقیوں، خصوصاً صدر کے پیروکاروں کے نزدیک 4 اپریل شیعہ اسلام کے مقدس شہر میں قتل عام کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً، اس دن مارے جانے والوں میں مبلغین بھی تھے۔ بلیک واٹر اور کارپورل نیگ کے مطابق یہ وہ دن تھا جب تمام دیگر متفرق باتوں کے علاوہ انہوں نے ناراض، مسلح ملیشیا کے افراد کو جو انہیں قتل کرنا اور اس عمارت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے جس کی حفاظت کا حکم انہیں ان کی حکومت نے دیا تھا۔ ''میں نے سوچا، یہ میرا آخری دن ہے۔ میں ایک دھماکہ خیز آواز کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ کارپول نیگ نے بعد میں ورجینین پائلٹ کو بتایا'' اگر مجھے مرنا ہی ہے تو میں اپنے ملک کی حفاظت کرتے ہوئے مروں گا'' جبکہ لاتعداد عراقی مارے جا چکے تھے اور بلیک واٹر نے CPA کی عمارت پر اپنا قبضہ برقرار رکھا تھا، تو جنگ نے صدر کے اور اس کے حامیوں کو اور نڈر بنا دیا تھا۔ اس دن سہ پہر کے وقت'' مسجد کوفہ کے لاؤڈ اسپیکروں سے یہ اعلان کیا گیا کہ مہدی کی فوج (مہدی آرمی) نے کوفہ، نجف، نصریہ اور صدر سٹی پر قبضہ کر لیا ہے۔ شیعوں کی ایک بڑی تعداد بغداد کی گندی گلیوں میں رہ رہی تھی۔'' واشنگٹن پوسٹ کے مطابق'' کوفہ اور نجف تک جانے والے پل پر موجود چیک پوائنٹ کی نگرانی پر شیعہ ملیشیا کے نوجوان مامور تھے۔ بہت سے عراقی پولیس افسر جنہیں تربیت اور تنخواہ امریکی اور اتحادی دے رہے تھے وہ بھی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے اس حملے میں شامل ہو گئے تھے۔ اس سہ پہر پال بریمر نے اعلان کیا کہ اس نے

دفاع اور انٹیلی جینس کے نئے عراقی وزراء مقرر کیے ہیں۔ اعلان کرتے ہوئے بریمر نے نجف کی جنگ کے بارے میں بتایا۔ ''اس صبح نجف میں لوگوں کے ایک گروپ نے لکیر عبور کر لی تھی اور انہوں نے تشدد شروع کر دیا تھا'' بریمر نے واضح کیا۔ ''یہ برداشت نہیں کیا جائے گا۔'' نجف میں سورج غروب ہونے سے کچھ دیر قبل، مقتدیٰ الصدر نے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان کیا وہ تمام قسم کے احتجاجات بند کر دیں اور اس کے بجائے دشمن کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں''۔ اپنے دشمن کو دہشت زدہ کر دو۔ اللہ جس بات سے خوش ہوگا اس پر تمہیں بہت سا اجر دے گا۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ گالی دیں اور تم خاموش رہو''۔ اس رات امریکی فوجوں نے بغداد کے صدر سٹی کے علاقے کے اندر پیش قدمی شروع کر دی۔

امریکی فوج کے ایک ترجمان نے کہا امریکی فائٹر جیٹ اور گن شپ اور ہیلی کاپٹر نجف کے تصادم کے جواب میں حملے کر رہے ہیں۔ رائٹر ٹیلی ویژن کے فوٹیج میں ٹینکوں کو پڑوس میں کھڑی سویلین کاروں کو روندتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔ صدر کے احکامات کے الفاظ میں پھیلتے ہی صدر کے پیروکاروں نے امریکی فوج کے خلاف گھات لگا کر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ اس میں صدر سٹی بھی شامل تھا جہاں سنڈی شی ہان کا بیٹا کیسے (Casey) جو امریکی فوج میں ایک اسپیشلسٹ تھا اس دن مارا گیا۔ یہ 4 اپریل کی بات ہے۔ اسی دن صدر سٹی میں سب ملا کر آٹھ امریکی سپاہی مارے گئے اور پچاس زخمی ہوئے۔ اس کے ساتھ لاتعداد عراقی بھی مارے گئے۔ میجر جنرل مارٹن ڈیمپسے جو پہلی بکتر بند ڈویژن کا کمانڈر تھا۔ اس نے بعد میں اس لڑائی کو سقوط بغداد کے ایک سال بعد سب سے بڑی جنگ قرار دیا۔ ''انجام کار صدر کے پیروکاروں نے بغداد کے کم از کم آٹھ شہروں میں بغاوت کر دی۔

پیر 5 اپریل کو پال بریمر نے سرکاری طور پر مقتدیٰ الصدر کو قانون کی سرپرستی سے دور ہونے کا نام دے دیا۔ وہ ایک جائز حکمرانی کی جگہ اپنی حکمرانی قائم کرنا چاہ رہا ہے۔ ہم اسے برداشت نہیں کریں گے۔ ہم قانون کی بالادستی جس کی عراقی عوام توقع کر رہے ہیں قائم کریں گے''۔ کئی گھنٹوں بعد قابض حکمرانوں نے مقتدیٰ الصدر کے گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے۔ وقت نے ثابت کیا کہ یہ ایک خوفناک فیصلہ تھا جس نے صدر کی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ فلوجہ کی صورت حال کے ساتھ صدر کے خلاف کریک ڈاؤن سے شیعہ اور سنی متحد ہو جاتے اور قابضین کے خلاف گوریلا جنگ شروع ہو جاتی۔

ادھر امریکہ میں نجی ٹھیکیداروں کے بڑھتے ہوئے استعمال پر شدید غصے کے سبب بحث شروع تھی۔اس کا اصل سبب بلیک واٹر کا فلوجہ اور نجف میں ملوث ہونا تھا۔نیو یارک ٹائمز کے بے نام ادارے میں فلوجہ کے گھات لگا کر حملہ کرنے کو بطور حوالہ استعمال کر کے کہا گیا تھا۔" کرائے کی بندوقوں پر بھروسہ سے امریکہ کے لئے مصیبت"۔اور نجف کی آگ برساتی جنگ کو ایک اشارے کے طور پر استعمال کر کے" پینٹا گون،عراق کی حفاظت کے لئے اپنی اہم ذمے داریاں پوری کرنے کے لئے باہر سے حفاظت کروانے کا انتظام کرتے دکھائی دیتا ہے'بجائے اس کے اسے نئے سپاہیوں کی ضرورت کا سامنا کرنا پڑے"۔ٹائمز کے اداریہ میں کہا گیا وزیر دفاع ڈونلڈ رمز فیلڈ نے ضمانت دی ہے کہ پینٹا گون باہر سے مدد لینے اور نجی ملکیت میں دینے کے طریقوں پر غور کرتی رہے گی۔ جب بات بنیادی سلامتی اور لڑائی کے کردار کی آتی ہے،"تو یہ ایک بیمار مشورہ لگتا ہے۔ پینٹا گون کو نئے سپاہیوں کی بھرتی اور تربیت کرنی چاہئے بجائے کرائے کے سپاہیوں کی نئی نسل تخلیق کرنے کا خطرہ مول لینے کے"۔

نجی سپاہیوں کے استعمال پر بڑھتی ہوئی تنقید سے قطع نظر۔بلیک واٹر کو بعض حلقوں میں عظیم الشان قرار دیا گیا۔خصوصاری پبلکن کانگریس کی لیڈر شپ نے۔اگر اس سے پہلے کوئی سوال موجود تھا تو اب وہ واضح ہو چکا تھا کہ جنگ میں بلیک واٹر ایک بڑا کھلاڑی ہے۔نجف کی لڑائی کی رات،سینکڑوں میل دور شمال مغرب کی جانب،ایک ہزار سے زیادہ امریکی میرین نے فلوجہ کو گھیرے میں لے لیا تھا اور پانچ دن قبل مارے جانے والے بلیک واٹر کے چار ٹھیکیداروں کا انتقام لینے کیلئے تیاری کر رہے تھے۔

باب:9

"یہ بلیک واٹر کے امریکیوں کے لئے ہے"

اگر چہ شیعہ بغاوت پورے عراق میں پھیل چکی تھی لیکن وہائٹ ہاؤس ابھی تک سنی فلوجہ کو کچلنے کا تہیہ کیئے ہوئے تھا۔ بلیک واٹر کے آدمیوں پر گھات لگا کر ہونے والے حملے نے بش انتظامیہ کو جسے بغداد سے پال بریمر کی دلچسپی اور حوصلہ افزائی حاصل تھی عراق کی وسیع آبادی پر ظالمانہ حملے کا جواز مہیا کر دیا تھا جس کے خیال میں بش انتظامیہ اور اس کے عراقی حواری عراق کی دیکھ بھال کرنے میں ناکام ہو رہے تھے۔

بش انتظامیہ کے خلاف عراق میں ہونے والی شیعہ سنی بغاوت میں تیزی سے یوں لگ رہا تھا جیسے امریکہ اس جنگ کو بہت جلد ہار جائے گا جبکہ صدر بش بہت پہلے اسے جیتی ہوئی جنگ قرار دے چکا تھا۔ بریمر اور انتظامیہ نے حساب لگا لیا تھا کہ سنی فلوجہ کو ٹھنڈا کرنے (یا امن بحال کرنا کہہ لیجئے) اور شیعہ لیڈر مقتدیٰ الصدر کو ایک مثال بنا دینے سے وہ جنگی کارروائیوں کے ذریعے جراحانہ (عمل جراحی کر کے) طور پر عراق میں منظم مزاحمت کو ختم کر سکیں گے۔ واشنگٹن کی خوف ناک پالیسیوں کا نتیجہ ہزاروں عراقیوں اور سینکڑوں امریکی سپاہیوں کو موت کی صورت میں سامنے آیا۔ ایک طرف امریکہ موت کا کھیل کھیل رہا تھا دوسری طرف وہ بلیک واٹر اور اس کے کرائے کے فوجی دوستوں کے لئے ایک غیر معمولی کاروبار کا موقع فراہم کر رہا تھا گویا وہ بیک وقت دو کام کر رہا تھا۔ (امریکہ کا بلیک واٹر کے لئے کاروبار کا موقع فراہم کرنے کے بارے میں اس کتاب میں بعد میں بحث کی جائے گی)

امریکہ نے فلوجہ کا پہلا محاصرہ 4 اپریل 2004ء کو شروع کیا۔ یہ وہ دن تھا جب بلیک

واٹر نے نجف میں آتشیں جنگ لڑی۔ اس کو ویجیلینٹ ریزولو (Vigilant Resolve) کا نام دیا گیا۔ اس رات ایک ہزار سے زائد میرینز اور دو عراقی بٹالین نے فلوجہ کو جو 350,000 لوگوں کا شہر تھا' گھیرے میں لے لیا۔ امریکی فوجیوں نے شہر آنے جانے کے بڑے راستوں پر ٹینکوں، بھاری مشین گنوں اور بکتر بند گاڑیوں سے پوزیشن سنبھال لی۔ انہوں نے راستوں کو خاردار تاروں سے بند کر دیا جس سے شہری موثر طور پر محصور ہو کے رہ گئے۔ میرینز نے قیدیوں کے لئے کیمپ قائم کر دیئے۔ امریکی فوجوں نے مقامی ریڈیو کی کمان سنبھال لی اور اپنی پروپیگنڈا نشریات شروع کر دیں جن میں کہا جا رہا تھا کہ لوگ امریکی فوجوں سے تعاون کریں اور مزاحمت کرنے والوں اور ان کی ٹھکانوں کی نشاندہی کریں۔ عراقی پولیس نے مسجدوں میں ایسے پرچے تقسیم کئے جن میں ہتھیاروں پر پابندی لگا دینے کا کہا گیا تھا ساتھ یہ بھی حکم تھا کہ شام سات بجے سے صبح چھ بجے تک لازمی کرفیو لگا رہے گا۔ اس کے علاوہ' ایسے پوسٹر لگائے گئے تھے جن میں ان لوگوں کا حلیہ اور تصاویر تھیں جن پر بلیک واٹر کے لوگوں پر حملہ کرنے کا الزام تھا۔ شہر کے گردو نواح میں، فوجیوں نے مسلمانوں کے ایک قبرستان کے پاس خندقیں کھود دی تھیں جبکہ نشانچیوں نے ایک مسجد کی چھت پر پوزیشنیں سنبھال لی تھیں۔ لیفٹیننٹ جیمز وان زینٹ جس کا تعلق پہلی پھرتیلی فورس سے تھا' نے رپورٹروں کو بتایا ''ہم شہر میں بُرے لوگوں کو تلاش کر رہے ہیں۔'' امریکی کمانڈروں نے بلیک واٹر کے چار ٹھیکیداروں کے قاتلوں کو تلاش کرنے کے لئے گھر گھر چھاپے مارنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ فوجیوں کے ترجمان لیفٹیننٹ ایرک نیپ نے کہا ''وہ لوگ خصوصی نشانہ ہیں کہ انہیں گرفتار کر لیا جائے یا مار ڈالا جائے''۔ امریکی کمانڈروں نے اپنے عراقی مختاروں کو شہر میں بھیجا تا کہ وہ فلوجیوں (فلوجہ کے رہنے والوں) کو بتا دیں کہ جب امریکی فوجی ان کے گھروں میں پہنچیں تو وہ مزاحمت نہ کریں اور چھاپے کے دوران گھر کے تمام لوگ ایک کمرے میں جمع ہو جائیں۔ اگر وہ چھاپہ مار دستوں سے بات کرنا چاہیں تو پہلے اپنے ہاتھ ضرور کھڑے کر لیں۔ ہزاروں فلوجی، سر پر کھڑے سخت امریکی حملے کے شروع ہونے سے قبل ہی شہر چھوڑ گئے تھے۔

اگلی صبح امریکی افواج نے فلوجہ پر اپنی چڑھائی کا آغاز اپنے خاص آدمی شہر میں بھیج کر کیا۔ ان خاص آپریٹروں کا کام ''انتہائی مطلوب افراد'' کو ڈھونڈ نکالنا تھا۔ اس کے بعد ایک بھرپور حملہ کیا گیا۔ اس حملے میں تین بٹالینوں کے پچیس سو فوجی حصہ لے رہے تھے۔ فوجیوں کے پیچھے آنے والے ٹینک ان کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ جلد ہی امریکی افواج کو پتہ چل گیا کہ ان کا

Rehan Ahmed http://www.rehanahmed.com

سامنا کسی بزدل قوم سے نہیں بلکہ بندوقوں سے شدید جنگ کرنے والے مزاحمت کاروں سے تھا۔ جنگ کا دائرہ وسیع ہوا تو امریکی میرینز نے ائیر فورس کی مدد طلب کر لی۔ 7 اپریل کو ایک AH-1W کوبرا ہیلی کاپٹر نے عبدالعزیز السحارائی مسجد پر حملہ کر دیا۔ جس کے بارے میں امریکہ کا کہنا تھا کہ اس میں مزاحمت کار چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے اور چڑھائی کرنے والی افواج پر حملہ کر رہے تھے۔ مسجد کے مینار کی بنیاد پر ایک میزائل داغ دیا گیا۔ انجام کار ایک ایف 16 جنگی ہوائی جہاز جھپٹا اور مسجد کے کمپاؤنڈ پر چند سو پونڈ وزنی بم گرا کر چلا گیا۔ یہ جنیوا کنونشن کے قوانین کی کھلی خلاف ورزی تھی جس میں مذہبی جگہوں کو نشانہ بنانے کی ممانعت ہے۔ میرے نے حملے کے دفاع میں ایک بیان جاری کیا "کہ اس میں مزاحمت کار چھپے ہوئے تھے"۔ مسجد اپنے "محفوظ" ہونے کا درجہ کھو چکی تھی (ایسی جگہ جہاں اللہ کی عبادت کی جاتی تھی اسے امریکی فوج نے روند ڈالا تھا اور اس طرح امریکی فوجی اس کا تقدس پامال کرنے کے مرتکب ٹھہرے تھے۔ مترجم) اور اب وہ باقاعدہ قانونی طور پر امریکی فوج کے نشانے پر تھی۔ گواہوں کے بیانات کے مطابق اس مسجد حملے میں کم از کم چالیس عراقی ہلاک ہو گئے تھے جبکہ اس دن کی لڑائی میں صرف مٹھی بھر امریکن سپاہی مرے تھے۔

اسی دوران فوج نے فلوجہ کے مرکزی طبی مرکز کو اپنے قبضے میں لے کر ہدایات جاری کر دیں تھیں کہ وہ زخمیوں کا علاج نہیں کریں گے۔ "امریکی فوجوں نے توانائی فراہم کرنے والے مرکز (پاور پلانٹ) کو حملے کے شروع میں ہی بمباری کر کے تباہ کر دیا تھا"۔ یہ بات صحافی راہول مہاجن نے بتائی جو ان چند صحافیوں میں شامل تھا جو اس وقت جو فلوجہ میں داخل ہوئے۔ اگلے چند ہفتوں تک، فلوجہ ایک بلیک آؤٹ والا شہر تھا جہاں بجلی جنریٹروں سے صرف مسجدوں اور کلینکوں جیسی حساس جگہوں کو فراہم کی جا رہی تھی۔ شہر میں غذائی قلت شروع ہو چکی تھی۔ ایک مقامی ڈاکٹر نے بتایا کہ اسکے پڑوس میں ہوائی حملہ ہونے سے سولہ بچے اور آٹھ خواتین ہلاک ہوئیں۔ فلوجہ کا محاصرہ جاری تھا۔ میرین کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل برینین بائرن نے کہا "ہم شہر میں مضبوطی سے محفوظ جگہ چھپے ہوئے ہیں"۔ اس نے کہا "اگر کوئی مزاحمت کرے گا تو ہم اس کی کمر توڑ کے رکھ دیں گے۔ ہم انہیں باہر نکال پھینکیں گے۔ اور میرے یونٹ اپنی گرفت مضبوط کر رہے ہیں"۔ اس نے کہا کہ فلوجہ مزاحمت کاروں اور اسمگلروں کے لئے جنت بن گیا تھا کیونکہ کسی نے وقت نہیں نکالا کہ اس کی بھرپور صفائی کی جا سکے"۔ بائرن کی بٹالین نے امریکہ کی نفسیاتی جنگ لڑنیوالی ٹیموں کو

قائل کیا کہ وہ حقیقی جنگ شروع کریں۔ بنگ ویسٹ جو ایک فوجی مصنف تھا اور جو امریکی فوجوں کے ساتھ فلوجہ کے گرد موجود تھا اس نے بتایا کہ پلٹنیں مترجموں کی تذلیل کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتی تھیں۔ وہ ان کو اتنا پریشان کرنا چاہتی تھیں کہ وہ لاؤڈ اسپیکروں پر چیخ اُٹھیں۔ جب غصے میں بھرے عراقی مسجد سے اپنی بندوقیں اندھا دھند چلاتے ہوئے نکلے تو فوجیوں نے گولیاں چلا کر انہیں ڈھیر کر دیا۔ ''ذلیل کرو اور مار ڈالو کی حکمت عملی اخبارات تک پہنچ گئی۔ جلد ہی فوجی ''گدلا فلوجہ'' (ایک مقبول کنسرٹ فلوجہ پالوزا کے بعد فلوجہ کو یہ نام دیا گیا) کہہ کر فلوجہ شہر کا مذاق اُڑانے لگے تھے۔ اور بُری طرح شور مچا رہے تھے۔ ''جنگل میں خوش آمدید'' ''جنگل میں خوش آمدید''۔

جیسے ہی عرب صحافیوں کی جانب سے پیش کردہ رپورٹوں اور تصاویر نے شہر میں انسانیت کی ابتر صورت حال کو دنیا کے سامنے پیش کیا عراق میں ہر طرف احتجاجات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان احتجاجات کو روکنے کے لئے امریکی افواج نے تشدد شروع کر دیا۔ بغداد کی مساجد اور ہر جگہ فلوجہ پہنچنے کے لئے انسانی قافلوں کو منظم اور وہاں کے زخمیوں کے لیے خون جمع کیا جانے لگا۔ 8 اپریل تک شہر کے مقامی ہسپتال کے اہل کاروں نے انسانی حقوق کی پامالی کی ایک خوفناک تفصیل بتائی۔ جس میں بتایا گیا کہ 280 سے زائد شہری قتل اور 400 سے زائد زخمی ہوئے ہیں۔ ''ہم یہ بھی جانتے ہیں مختلف جگہوں پر ملبے کے نیچے مردہ اور زخمی دفن ہیں لیکن ہم لڑائی کے سبب وہاں تک نہیں پہنچ سکتے''۔ یہ بات ڈاکٹر طاہر العیسوی نے کہی۔ امریکی فوج نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ سویلین شہریوں کو قتل کر رہی ہے بلکہ الٹا مزاحمت کاروں پر الزام لگایا کہ وہ بڑی آبادی میں گھلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میجر پری کائے فیش کا کہنا تھا کہ ''سویلین شہریوں اور باغیوں میں فرق کرنا بہت مشکل ہے۔ ایک سچی تصویر کا حصول بہت مشکل ہے آپ کو اپنے دل کی آواز پہ کان دھرنے پڑتے ہیں''۔

واشنگٹن پوسٹ کے مطابق بائرن نے کہا ''مردہ اجسام صرف باغیوں ہی کے تھے'' اس کا اندازہ تھا کہ فلوجہ کی 80 فیصد آبادی غیر جانب دار یا امریکی فوج کی عراق میں موجودگی کے حق میں تھی''۔ اس پر امید رائے کا اعلان بہر حال مزاحمت کی اس تند خوئی سے مطابقت نہیں رکھتا تھا جو نا قابلِ یقین زندگیوں کی قیمت پر کامیاب ہو رہی تھی تا کہ امریکہ پورے شہر کے کنٹرول پر قبضہ نہ کر سکے۔ واشنگٹن پوسٹ کے تجربہ کار رپورٹر تامس رکس نے لکھا ''دشمن، فوجیوں کو دی گئی معلومات اور توقعات سے کہیں زیادہ بہتر تیاری سے تھا''۔ اس نے فوجیوں کی اندرونی جنگ کے

خلاصے کا حوالہ دیا۔ ''باغیوں نے امریکیوں کو اپنے مربوط حملوں سے حیران کر دیا تھا''۔ مربوط، یکجا، RPG کی بوچھاڑ' بالواسطہ فائر کا موثر استعمال'' خلاصے میں لکھا تھا''۔ دشمن نے موثر انداز میں حرکت کی' مضبوطی سے جما رہا اور لڑتا رہا''۔

محاصرے کو تقریباً ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور شہر میں جا بجا انسانی لاشیں بکھری پڑی تھیں اور گواہوں کے مطابق موت کی بدبو پورے فلوجہ میں پھیل گئی تھی۔ ایک ڈاکٹر نے جو ایک امن وفد کے ساتھ شہر کے اندر گیا تھا اس نے کہا'' جو کچھ میں نے فلوجہ میں دیکھا اس کے لئے کوئی بات مجھے آمادہ نہیں کر سکتی تھی۔ ایسا کوئی قانون دنیا میں موجود نہیں ہے جو اس بات کی توجیہہ پیش کر سکے کہ امریکیوں نے معصوم لوگوں کے ساتھ کیا کیا۔ ظہر جمائل اور راہول مہاجن جو آزاد امریکی صحافی ہیں وہ فلوجہ کے محاصرے کے ایک ہفتہ بعد شہر میں ایک قافلے کے ساتھ پہنچے۔ جمائل نے ایک چھوٹے سے کلینک کا منظر بیان کیا جہاں کے ایمرجنسی کے کمرے میں شفٹوں میں کام ہو رہا تھا۔

جب میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ'' وہاں عورتوں اور بچوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ یہ لوگ امریکی سپاہیوں کی گولیوں کا شکار ہوئے تھے۔ اور انہیں بڑی تیزی سے اس گندے کلینک میں لایا جا رہا تھا۔ لوگ اپنے مریضوں کو جلدی سے کار میں ڈالتے اور وہ انہیں لے کر تیزی سے روانہ ہو جاتیں۔ ایک عورت اور ایک چھوٹے بچے کو گردن میں گولیاں ماری گئی تھیں۔ جمائل نے اندرون شہر اپنے ایک مراسلے میں لکھا۔'' چھوٹے بچے کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور وہ خلا میں گھور رہا تھا۔ اسے مستقل قے ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر کافی دیر تک اس کی جان بچانے کی کوششیں کرتے رہے۔ 30 منٹ بعد پتہ چلا کہ دونوں میں سے کوئی نہیں بچے گا''۔ جمائل نے کہا کہ اس نے دیکھا کہ ایک کے بعد ایک امریکی ظلم کا شکار کلینک میں لایا جا رہا تھا۔ ان میں سے تقریباً ساری عورتیں اور بچے ہی تھے''۔

اسی دوران مہاجن نے رپورٹ دی: توپ خانے اور جنگی جہازوں کے 500، 1000، اور 2000 پاؤنڈ کے بم گرانے کے علاوہ قاتل AC-130 اسپیکٹری گن شپ ہیلی کاپٹر جو پورے شہر کو ایک منٹ سے کم عرصے زمین بوس کر سکتے ہیں' فوجیوں نے اپنے نشانہ باز پورے شہر میں پھیلا دیئے تھے۔ کئی ہفتوں تک فلوجہ ایک ایسی جگہ بنا رہا جہاں عام گھومنا پھرنا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ ہر طرف نشانچی نشانہ باندھے نظر آتے تھے۔ نشانچی ہر چیز کو بلا تخصیص نشانہ بناتے تھے۔ میں نے کلینک میں آنے والے 20 لوگوں کا چند گھنٹوں میں مشاہدہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ان

میں سے صرف پانچ فوجی بننے کے لائق مرد تھے۔ میں نے بوڑھی عورتوں، بوڑھے مردوں اور ایک 10 سالہ بچے کو دیکھا جس کے سر میں گولیاں لگی تھیں۔ ڈاکٹروں نے مجھے بتایا کہ اگر وہ بغداد میں ہوتے تو ہوسکتا ہے کہ اس کی جان بچا لیتے۔ ایک چیز جس کے بارے میں نشانچی بہت زیادہ امتیاز سے کام لیتے تھے۔ وہ تھی ایمبولینس۔ ہر ایک ایمبولینس جو میں نے دیکھی اس کی باڈی میں گولیوں کے سوراخ تھے۔ دو جن کا میں نے معائنہ کیا تھا وہ اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ گولیاں خاص طور پر نشانہ باندھ کر ماری گئی ہیں۔ میرا وہ دوست جو زخمی لوگوں کے ساتھ گیا تھا۔ وہ بھی گولیوں کا نشانہ بنا۔ جمائل نے رپورٹ دی کہ: ''فلوجہ کے رہائشیوں نے فٹبال کے دو میدانوں کو قبرستان میں تبدیل کر دیا ہے۔

الجزیرہ پر جنگ

جب ساری دنیا یہ بات جان چکی تھی کہ فلوجہ کا محاصرہ قابضین کے لئے زمین کو کھودنے کے مترادف ہے۔ عراقیوں پر امریکی فوج کے حملے اور ان سے غیر انسانی سلوک پر عراقیوں کے صبر اور برداشت کی حد کی کہانی امریکی پریس میں سنائی جارہی تھی۔ کہنہ مشق اور تجربہ کار صحافیوں نے خاص طور پر حملہ آور امریکی فوج کے Vantage point سے رپورٹنگ کی۔ صحافیوں نے فوجی ترجمانوں اور ان کے عراقی مختاروں کے بیانات کو حقائق کی روشنی میں پرکھتے ہوئے صرف ان سے اتنی ہی باتیں ہیں جو حالات کے مطابق حقائق سے قریب تر تھیں۔ بلیک واٹر کے آدمیوں کے قتل پر جو تصویریں میڈیا میں پہنچ کر عراقیوں پر امریکہ کی چڑھائی کا سبب بنی تھیں، وہ فلوجہ اور نجف میں امریکہ کی بربریت اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں سے دھندلا گئی تھی۔ اب ان کا میڈیا سے تذکرہ غائب تھا۔ جنگ جاری تھی اور آگے بڑھتی جارہی تھی اب وہ فلوجہ سے نکل کر اس کے گردونواح میں پھیل گئی تھی۔ نیویارک ٹائمز کے نامہ نگار جیفری جیٹل مین نے انسانیت پر ڈھائے گئے امریکی فوج کے مظالم اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کا تذکرہ کئے بغیر لکھا کہ شدید لڑائی'' سے نہ صرف مزاحمت کی شدت کا پتہ چلتا ہے بلکہ باغیوں کے مابین مرنے کی شدید خواہش بھی سامنے آتی ہے''۔ امریکہ واپس آنے والے فوجیوں کا دعویٰ ہے کہ فلوجہ میں مارے جانے والے 90 تا 95 فیصد عراقی جنگجو تھے۔ امریکہ کے ''پیپر آف ریکارڈ'' کی طرف سے

کی گئی لگی بندھی رپورٹنگ، امریکہ کے سرکاری ملٹری پروپیگنڈا سے مختلف نظر نہیں آتی تھی۔

لیکن اس وقت جبکہ فوج اور حکومت کے طرف دار امریکی پریس (جسے آئندہ ہم طرف دار یا حکومتی طرف دار کہیں گے) نے اپنی توجہ ''شہری جنگ'' کی کہانی پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ مقبول عام الجزیرہ نیٹ ورک کے بہت نمایاں اور حکومت کے غیر حمایتی عرب صحافی زیر محاصرہ شہر کے اندر سے چوبیس گھنٹے رپورٹنگ کر رہے تھے۔ ان کی رپورٹنگ سے عام شہریوں کی بربادی اور ویرانی کی ایک واضح تصویر اُبھر کر سامنے آرہی تھی اور امریکی کمانڈروں کے جھوٹ کی قلعی کھل رہی تھی جس میں انہوں نے اپنی رائے کا باضابطہ اعلان کیا تھا کہ انہوں نے درست حملے کئے تھے۔ الجزیرہ اور العربیہ نے اپنی نشریات میں گلیوں میں بکھری ہوئی لاشوں اور امریکی بمباری سے شہر کے بنیادی ڈھانچے کی تباہی کی تصاویر جاری کر دیں۔ درحقیقت جب بریگیڈیر جنرل مارک کیمپٹ فون پر الجزیرہ کو انٹرویو دے رہا تھا اور اس بات پر اصرار کر رہا تھا کہ امریکہ جنگ بندی کا سوچ رہا ہے تو ٹی وی نیٹ ورک نے بیک وقت اپنی براہ راست نشریات میں امریکی جیٹ طیاروں کے فلوجہ میں رہائشی علاقوں پر مسلسل حملے دکھانا شروع کر دیئے۔ الجزیرہ کے کیمرے جو کچھ فلوجہ میں ہو رہا تھا اسے نہ صرف عرب دنیا میں دکھا رہے تھے بلکہ پوری دنیا کے ٹی وی نیٹ ورک بھی الجزیرہ کے کام کو لوگوں تک پہنچا رہے تھے اور پوری امریکی فوج کا اصل روپ دنیا کے سامنے آرہا تھا۔

الجزیرہ کے تجربہ کار صحافی احمد منصور اور کیمرہ مین لیث مشتاق فلوجہ میں 3 اپریل کو داخل ہوئے تھے اور سویلین شہریوں کی تباہی پر بننے والی فلیچ (فلم) کے بنیادی ماخذ تھے۔ باقاعدگی سے بننے والی اس فلم میں عورتوں اور بچوں کے قتل کے مناظر تھے جو امریکی فوج کے ہاتھوں ہوئے تھے۔ ایک کیس میں ٹی وی ایک پورے خاندان کی کہانی نشر کر رہا تھا جو الجولان کے پڑوس میں رہتا تھا اور جو مبینہ طور پر امریکی ہوائی حملے میں مارا گیا تھا۔ مشتاق نے یاد کیا کہ ''ہوائی جہازوں نے اس گھر پر اس طرح بمباری کی جس طرح وہ پورے علاقے پر کر چکے تھے اور تب وہ لاشیں اور اجسام ہسپتال میں لے آئے۔ میں ہسپتال پہنچا تو مجھے اس کے سوا کچھ نظر نہ آیا کہ وہ بچوں اور عورتوں کی لاشوں کا سمندر تھا اور اس میں زیادہ تر بچے تھے کیونکہ عموماً دیہاتیوں اور کسانوں کے زیادہ بچے ہوتے ہیں۔ سو یہ ایسے مناظر تھے جو ناقابل یقین اور ناقابل تصور ہیں۔ میں تصاویر اتار رہا تھا اور اپنے آپ کو مجبور پا رہا تھا کہ اتارتا رہوں جبکہ میں اس کے ساتھ ساتھ روتا بھی جا رہا تھا۔

منصور جو الجزیرہ کی بہترین جانی پہچانی شخصیات میں سے ہے ان کا کہنا تھا کہ ''مجھے

اس حقیقت کا احساس ہو گیا تھا شہر میں صرف مٹھی بھر صحافی ہیں اور میرا فرض ہے کہ میں فلوجہ ہی میں رہوں۔ اگرچہ اس میں بہت بڑا خطرہ ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس پوری حقیقت کو دنیا کے سامنے پیش کروں۔ میں چاہتا تھا کہ پوری دنیا جان جائے کہ ان زیرِ محاصرہ لوگوں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ میں شہر کو بالکل بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ میں رہنا چاہتا تھا اور میں اپنا انجام لوگوں کے ساتھ ہی چاہتا تھا۔ اگر یہ مر گئے تو میں ان کے ساتھ ہوں گا۔ اگر یہ بھاگ نکلے تو بھی میں ان کے ساتھ ہوں گا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں امکانات کے بارے میں نہیں سوچوں گا کہ اگر میں پکڑا گیا تو امریکی فوج میرے ساتھ کیا سلوک کرے گی اور مجھے اپنے خاندان یا کسی چیز کے بارے میں نہیں سوچنا۔ مجھے صرف ان ہی لوگوں کے بارے میں سوچنا ہے۔'' محاصرے کے درمیان میں، منصور نے فلوجہ سے براہ راست نشریات میں بتایا'' کل رات ہم دو دفعہ ٹینکوں کا نشانہ بنے مگر ہم بھاگ گئے۔ امریکہ ہمیں فلوجہ سے باہر دیکھنا چاہتا ہے لیکن ہم رکیں گے۔ باوجودیکہ اس کی فوج اور حکومت کے حمایتی امریکی نامہ نگاروں کی گرفت مضبوط تھی لیکن واشنگٹن اپنی عالمی پروپیگنڈا کی جنگ ہار رہا تھا سو امریکی عہدیداروں نے منصور اور ان جیسے صحافیوں پر حملہ کر دیا۔ 9 اپریل کو واشنگٹن نے مطالبہ کیا کہ فائر بندی کے لئے اس کی شرط ہے کہ الجزیرہ فلوجہ چھوڑ دے۔ الجزیرہ کے نیٹ ورک نے انکار کر دیا۔ منصور نے لکھا کہ'' اگلے دن'' امریکی لڑاکا جہازوں نے ہمارے نئے محل وقوع کے اطراف میں حملے شروع کر دیئے۔ انہوں نے اس جگہ بمباری کی جدھر ہم نے کل رات گزاری تھی۔ اس بمباری سے مکان کے مالک حسین سیمر صاحب فوت ہو گئے۔ سنجیدہ دھمکیوں کی وجہ سے ہمیں اپنی نشریات چند دنوں کے لئے بند کرنی پڑیں۔ کیونکہ جب بھی ہم نشریات کا آغاز کرنے کی کوشش کرتے لڑاکا جیٹ ہمیں ڈھونڈ نکالتے اور ہم ان کی فائرنگ کی زد میں آ جاتے۔

12 اپریل کو کیمپٹ الجزیرہ پر دکھائی جانے والی فوٹیج جس میں فلوجہ کے شہریوں پر آنے والی تباہی کی لفظوں میں تصویر کشی کی گئی تھی، پر سوالات کا سامنا کر رہا تھا۔'' چینل بدل ڈالو۔ چینل کو ایک جائز، بااختیار، ایماندار خبروں کے اسٹیشن سے بدل ڈالو'' کیمپٹ نے اعلان کیا۔'' وہ اسٹیشن جو یہ دکھا رہے ہیں کہ امریکی جان بوجھ کر عورتوں اور بچوں کو مار رہے ہیں وہ خبروں کا جائز ذرائع نہیں یہ ایک پروپیگنڈا ہے اور ایک جھوٹ ہے''۔ بریمر کے سینئر مشیر ڈین سینور نے دعویٰ کیا کہ الجزیرہ اور العربیہ'' زمینی حقائق کے برعکس غلط رپورٹنگ کر رہے ہیں اور غصے اور مایوسی کی فضاء پیدا

کر کے ممکنہ طور پر فلوجہ میں موجود خاص افراد اور تنظیموں کو ہدایت دے رہے ہیں کہ امریکیوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں اور اتحاد میں شامل عراقیوں کو قتل کر دیں''۔ 15 اپریل کو وزیر دفاع ڈونلڈ رمز فیلڈ نے اسی رائے کی بازگشت کو سخت الفاظ میں ادا کیا'' اور الجزیرہ کی رپورٹنگ کو'' بری، غلط اور ناقابل معافی'' قرار دیا''۔ ایک رپورٹر نے سوال کیا کہ'' کیا امریکہ نے سویلین ہلاکتیں گی تھیں''؟ '' نہیں بالکل نہیں'' رمز فیلڈ نے ہوشیاری دکھاتے ہوئے کہا۔'' ہم شہر میں نہیں ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہماری افواج کیا کرتی ہیں، وہ ادھر ادھر سینکڑوں سویلین کو مارتی نہیں پھرتیں۔ یہ بہت شرمناک رسوائی کی موجب بات ہے جو یہ اسٹیشن کر رہا ہے۔ اگلے ہی دن برطانوی حکومت کی ایک یادداشت (Memo) جس پر'' انتہائی خفیہ'' کی مہر لگی ہوئی تھی اور جسے برطانیہ کے ڈیلی مرر نے شائع کیا تھا' میں صدر بش نے مبینہ طور پر برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر کو بتایا کہ اس کی خواہش ہے کہ الجزیرہ پر بمباری کی جائے۔

اس نے واضح کر دیا کہ وہ الجزیرہ کو قطر یا کہیں بھی بمباری کا نشانہ بنانا چاہتا ہے۔ ایک ذریعہ نے مرر (Mirror) کو بتایا'' اس میں کوئی شک نہیں کہ بش کیا کرنا چاہتا تھا''۔ احمد منصور نے کہا کہ وہ یہ یقین رکھتا تھا کہ الجزیرہ جو کچھ اپنی رپوٹوں میں فلوجہ کے اندر سے دکھا رہا ہے وہ ایک متوازن کہانی ہے ورنہ بصورت دیگر وہ خاص طور پر کسی قدر تحریف کے ساتھ حکومت کے حمایتی نامہ نگاروں اور امریکی فوج کے ترجمانوں کے ذریعہ سنائی جاتی۔'' کیا یہ پیشہ ورانہ بات ہے کہ صحافی امریکی فوج کے کپڑے پہن کر ان کے ساتھ ہوائی جہازوں اور ٹینکوں میں جا کر دیکھیں کچھ اور بیان کچھ کریں؟ منصور نے پوچھا۔'' جنگوں کی دونوں اطراف سے رپورٹنگ ہونی چاہیے۔ ہم سویلین کے درمیان تھے اور ہم نے رپورٹنگ کی۔ اور ان کے پاس سرکاری اور فوجی حمایت یافتہ صحافی تھے وہ بھی ان کے ساتھ جنہوں نے امریکی فوج کی طرف سے حملہ کیا۔ اس امریکی فوج کی طرف سے جس نے عراق پر قبضہ کر لیا اور انہوں نے وہ رپورٹ کی جو کہ وہ چاہتے تھے۔ ہم ایک توازن قائم کرنا چاہ رہے تھے تا کہ سچ گم نہ ہو سکے''۔

اجتماعی سزا:

فلوجہ میں خوف شہر پر امریکہ کے کنٹرول حاصل کرنے کی ناکامی کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ فلوجہ کے شہریوں کی جرأت مندانہ مزاحمت دیگر عراقیوں کے اُٹھ کھڑا ہونے کی حوصلہ افزائی کر رہی

تھی۔ جیسے جیسے محاصرہ طول پکڑتا گیا لوگ عراق کے دوسرے حصوں سے فلوجہ پہنچنے لگے تا کہ شہر کے دفاع میں مدد کر سکیں۔ "فلوجہ کی جنگ تاریخ کی جنگ ہے۔ عراق کی جنگ قوم کی جنگ تھی"۔ مسلم عالموں کی ایسوسی ایشن کے حارث الظہری نے جمعہ کی نماز میں ہزاروں لوگوں کو محاصرہ کے درمیان یہ دعا مانگی۔ "اے ہمارے مہربان رب، پھیلے ہوئے خون کا بدلہ لے لے، ذبح کر ڈالنے کا بدلہ لے لے۔ قبضہ کرنے والوں کے خلاف اپنی فوج بھیج دے۔ ان سب کو مار دے۔ ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑ"۔ آمین۔

جس وقت کو امریکی "سیز فائر (فائر بندی) کہتے ہیں وہ اختتام ہفتہ 9 اپریل کو مقرر ہوا۔ اسی دوران تقریباً تمیں فوجی مارے گئے لیکن یہ عراقی تھے جنہوں نے زیادہ سے زیادہ قیمت ادا کی۔ ایک ہفتہ تک جاری رہنے والے امریکی محاصرے میں چھ سو کے لگ بھگ لوگ مارے گئے۔ جن میں "سینکڑوں عورتیں اور بچے" شامل تھے۔ 13 اپریل کو صدر بش نے امریکہ کے قومی ٹیلی ویژن پر ابتدائی خطاب کیا:

> "دوسرے ممالک سے دہشت گرد عراق میں داخل ہو گئے ہیں تا کہ حملوں کے لئے اکسا سکیں اور منظم کر سکیں"۔ بش نے وہائٹ ہاؤس کے مشرقی کمرہ سے اعلان کیا کہ "جو تشدد ہم دیکھ چکے ہیں وہ کچھ ظالم عناصر طاقت کے حصول کے لئے کر رہے ہیں۔ یہ کوئی مقبول بیداری نہیں ہے"۔

لیکن آدھی دنیا کے فاصلے پر فلوجی اپنے شہر سے بھاگ کر عراق کے دوسرے حصوں میں چلے گئے۔ وہ اپنے ساتھ خوف ناک کہانیاں اور سویلین شہریوں کی اموات کی خبریں لے کر آئے تھے جس سے بڑے سے بڑا پروپیگنڈا بھی نہیں لڑ سکتا تھا۔ باوجود اس کے امریکہ "غیر ملکی جنگجوؤں اور بعث پارٹی" کے لوگوں سے فلوجہ کو آزادی دلانے کے لئے بڑی فصاحت آمیز باتیں کر رہا تھا۔ لیکن عراقی یہ بات جانتے تھے کہ فلوجہ کی تباہی اور سینکڑوں لوگوں کا مارا جانا دراصل چار امریکی کرائے کے فوجیوں کے قتل کا نتیجہ تھا۔ اکثر عراقی مارے جانے والے چار امریکیوں کو ہی حقیقی غیر ملکی جنگجو سمجھتے تھے"۔ صرف چار افراد کے لئے، امریکیوں نے بہت سے بچوں، عورتوں اور عمر رسیدہ افراد کو قتل کر ڈالا تھا اور اب ایک پورا شہران کے محاصرے میں تھا؟"

بغداد میں، فلوجہ کے لئے انسانی ضروریات کی اشیاء کی ترسیل کے مرکز پہ مقامی مسجد کے ایک امام حشام صاحہ نے ایک رپورٹر کو بتایا کہ "ہمیں معلوم ہے کہ وہ لوگ کون تھے جنہوں نے

چار امریکی ٹھیکیداروں کو قتل کیا"۔ لیکن بجائے ہم سے مذاکرات کرنے کے، بریمر نے سوچا ہے کہ وہ اپنا انتقام لے"۔ حتیٰ کہ امریکہ کی بنائی ہوئی عراقی حکومتی کونسل کے ممبران نے اس انتہائی کے بارے میں کہا" یہ آپریشن بڑے پیمانے پر دی جانے والی سزا تھی"۔ "حکومتی کونسل کے صدر عدنان پچاچی جس نے تین ماہ قبل واشنگٹن میں منعقد ہونے والی سٹیٹ آف یونین کی تقریب میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی تھی' نے کہا" فلوجہ کے تمام لوگوں کو سزا دینا درست نہیں تھا اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امریکیوں کے طرف سے یہ آپریشن ناقابل قبول اور غیر قانونی ہیں"۔

ایک طرف "ویجیلانٹ ریزولو" نامی آپریشن چلتا رہا حتیٰ کہ فلوجہ کے سینکڑوں شہری موت کی نیند سلا دیئے گئے۔ دوسری طرف عراقیوں نے امریکہ کی تخلیق کردہ سیکیورٹی فورس سے اپنے عہدے چھوڑ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ کچھ نے محاصرے کے خلاف مزاحمت میں شامل ہو کر شہر کے اطراف میں موجود امریکی فوجیوں پر حملے شروع کر دیئے۔" سب ملا کر نئی عراقی فوج، شہری دفاع، پولیس اور دیگر سیکیورٹی دستوں کے لوگ اپنی اپنی ملازمتوں سے ان دنوں بھاگ گئے۔ انہوں نے وفاداریاں بدل لیں یا کام کرنا بند کر دیا" یہ بات انتونی شدید نے کہی۔ امریکہ نے جلد بازی میں فلوجہ کی ذمہ داری ایک عراقی فورس پہ ڈال دی اور AK-4 تقریباً 800 حملہ کرنے والی رائفلیں، ستائیس پک اپ ٹرک، اور پچاس ریڈیو عراقی بریگیڈ کو فراہم کر دیئے جو انجام کار مزاحمت کاروں کے ہاتھوں تک پہنچ گئے۔ لیفٹیننٹ جنرل جیمز کونوے نے بعد میں تسلیم کیا کہ "جب ہمیں کہا گیا کہ فلوجہ پر حملہ کر دو۔ میرا خیال ہے کہ ہم نے یقیناً وہاں موجود سخت دشمن اور نفرت کے درجے کو بڑھا دیا"۔ امریکہ کے لئے تعلقات عامہ کی خراب ترین صورت حال کے درمیان میں کمپٹ نے کہا" میں اس پر دلیل دوں گا کہ فلوجہ کے لوگوں کو ملنے والی اجتماعی سزا کے ذمے دار وہ دہشت گرد، وہ بزدل ہیں جو مسجدوں، ہسپتالوں اور سکولوں میں جا چھپے ہیں اور عورتوں اور بچوں کو بطور ڈھال امریکی فوجیوں کے سامنے استعمال کر رہے ہیں۔ جبکہ وہ فوجی تو محض ان کو فلوجہ میں موجود ان بزدلوں سے آزادی دلانے آئے تھے"۔ اگرچہ دنیا کی اکثریت یہ سمجھتی تھی کہ اس "اجتماعی سزا" کا ذمہ دار امریکہ ہے۔" اجتماعی سزا" عربی زبان میں ایک مرکب ناقص یا جزو جملہ ہے اور اس سے فلسطین کے خلاف اسرائیل پالیسی کا پتہ چلتا ہے۔ یہی اصطلاح یا جزو جملہ امریکہ فلوجہ کے لوگوں کے لئے استعمال کر رہا تھا تو کیا امریکہ کے پس پردہ اسرائیلی پالیسی کام کر رہی تھی؟" درحقیقت یہ وہ الفاظ تھے جو عراق میں اقوام متحدہ کے سفیر لخذر براہیمی نے اس وقت

استعمال کئے جب انہوں نے واضح کیا کہ" اجتماعی سزا یقیناً نا قابل قبول ہے اور شہر کا محاصرہ بالکل نا قابل قبول ہے" براہمی نے پوچھا،" جب آپ کسی شہر کو گھیرے میں لے لیتے ہیں، آپ شہر پر بمباری کرتے ہیں اور جب لوگ ہسپتال نہیں جا سکتے، تو اس کو آپ کیا نام دیں گے؟"

آخر کار فلوجہ کے اس پہلے محاصرے میں شاید آٹھ سو عراقی مارے گئے دسیوں ہزار سویلین اپنے گھروں کو چھوڑ کے چلے گئے اور شہر مسمار کر دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود امریکہ فلوجہ کو کچلنے میں ناکام رہا۔ عراق میں امریکہ کی حاکمیت تو کیا قائم ہوتی فلوجہ کے لوگوں نے قابضین پر حملے کر کے امریکہ کو پیغام دے دیا کہ گوریلا حکمت عملی ہی قابضین کے خلاف موثر ہے۔ فلوجہ کا چھوٹا سا شہر سنی عرب بغاوت میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا اور عراق کے دیگر سنی اسے کچھ ہلی بلی (Hilly Billy) (سفید فام امریکی جو ہاتھ میں بندوق اُٹھائے سر پر ہیٹ سجائے پھرتا ہے) قسم کا سمجھتے تھے"۔

مشرق وسطیٰ کے تجربہ کار نامہ نگار پیٹرک کوک برن نے اپریل کے آخر میں اپنے ایک مراسلے میں لکھا" اسے اسلامی، قبائلی اور سابقہ حکومت سے بہت زیادہ منسلک سمجھا جاتا تھا۔ تین لاکھ نفوس پر مشتمل اس کی آبادی میں سے گوریلاؤں کی تعداد غالباً 400 سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن پورے شہر پر حملے سے یوں لگا جیسے وہ وردن یا اسٹالن گراڈ ہوں۔ امریکی فوجیوں نے اسے قومی علامت کی حیثیت دینے کی کوشش کی تھی۔

20 اپریل کو کانگریس کے سامنے بیان دیتے ہوئے جوائنٹ چیف آف اسٹاف کے چیئرمین جنرل رچرڈ مائیرز نے آپریشن کا دفاع کیا" جیسا کہ آپ کو یاد ہوگا ہم بلیک واٹر سیکیورٹی کے عملے پر ظلم کی وجہ سے اندر داخل ہوئے تھے۔ عملے کے چار افراد جنہیں قتل کرنے کے بعد جلا دیا گیا اور بعد ازاں پل پر ٹانگ دیا گیا۔ ہم اس لئے اندر داخل ہوئے تھے ہمیں مرتکبین کو ڈھونڈنا تھا اور ہم ڈھونڈیں گے۔ اور جو کچھ ہمیں ملا وہ چوہوں کا ایک بہت بڑا بل تھا۔ جو آج بھی سڑ رہا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اس کا علاج کیا جائے"۔ فلوجہ کے اپریل کے محاصرے کے بعد ایک اور بڑا محاصرہ نومبر 2004ء کو ہوا۔ یہ ایک بڑا سخت حملہ تھا جس میں مزید سینکڑوں عراقی مارے گئے۔ دسیوں ہزاروں لوگ اپنے گھر چھوڑنے پر مجبور کئے گئے اور جس کے نتیجے میں ملک غضب ناک ہو گیا۔ کل ملا کر امریکی فوجوں نے سات سو حملے کئے۔ جن سے فلوجہ کی انتالیس ہزار عمارات میں سے اٹھارہ ہزار کو نقصان پہنچا یا تباہ ہو گئیں۔ آپریشن میں تقریباً 150 امریکی سپاہی مارے گئے۔ بلیک واٹر پر

گھات لگا کر حملہ کرنے والے کبھی نہیں ملے“۔ جیسا کہ سپاہیوں اور فوجی عہدیداروں نے عہد کیا تھا۔ امریکہ کی انتقام لینے کی خصلت کا غلط اندازہ لگایا گیا تھا۔ فلوجہ کے لوگوں کا قتل اور شہر کی بربادی امریکی انتقام کے واضح ثبوت تھے۔ فوجیوں نے غیر معروف پل کا نام ”بلیک واٹر پل“ رکھ دیا۔ اور کسی نے سیاہ مارکر سے اس کے پائے پر لکھا تھا ”یہ بلیک واٹر“ کے امریکیوں کے لئے ہے۔ جنہیں یہاں 2004ء کو قتل کر دیا گیا تھا، سیمپر فیدیلس چلتے چلتے ”دفع ہوجاؤ!“ صحافی ظہر جمائل نے یوں بات ختم کی ”اپریل 2004ء میں جب ایک شہر پر حملہ ہوا، اس کے رہائشی شہر چھوڑ کر بھاگ رہے تھے، چھپ رہے تھے، یا قتل کئے جا رہے تھے۔ امریکہ میں ان انسانوں سے جن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے تھے عوام کو قابلِ ذکر آگاہی حاصل تھی۔ ہمارے خبریں دینے والے میڈیا کا شکریہ لیکن صرف اس مہینے میں قطع و برید کے ہزاروں واقعات کے حوالے سے، ہمیں ابھی بھی ایک بات تلاش کرنی ہے جو ہر چیز سے تعلق رکھتی ہو اور جو مارچ 31 کے بعد واضح ہوئی ہو۔ ہاتھ پاؤں کا کاٹ ڈالنا ایک ایسی بات ہے جو بلیک واٹر کے کرائے کے فوجیوں کو اور دیگر پیشہ ور فوجی امریکی قاتلوں پر تو صادق آتی ہے۔ لیکن ان عراقی بچوں کو نہیں جن کے دھڑ موجود ہیں اور سر گم گئے۔ کیا یہ ایک مذاق نہیں ہے“؟

Rehan Ahmed
http://www.rehanahmed.com
Rehan Ahmed